II

سودا

از

شیخ چاند مرحوم

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ۔ کراچی

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

سودا

مقالہ تحقیق شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

جس میں مرزا محمد رفیع سوداؔ کی حیات اور تصانیف
اور کلام پر مفصل تحقیقی و تنقیدی بحث کی گئی ہے

از

شیخ چاند مرحوم ایم اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ۔ کراچی

Marfat.com

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۳۱۳

129987

اشاعت اول ۱۹۳۶ء

اشاعت ثانی ۱۹۶۳ء

تعداد ایک ہزار

طابع انجمن پریس کراچی

کتابت فیض الکتابت کراچی

قیمت

سات روپے

Marfat.com

فہرست مضامین

(۱) تعارف	۹
(۲) قطعۂ تصنیف	۱۰
(۳) دیباچۂ مصنف	؍؍
(۴) مقدمہ	۱۵

پہلا حصہ :- تمہیدی

۱- سیاسی و معاشرتی حالات	۱۹ تا ۳۶
۲- شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی	۳۷ تا ۴۶

دوسرا حصہ :- تحقیقی

۱- حیاتِ سودا	۴۷ تا ۹۳
۲- تصانیف و کلام	۹۴ تا ۱۲۹

نظم، تنقید - تذکرہ - نثر - اردو -
دیوان فارسی پہیلیاں - اردو کلام -
تاریخ تدوین کلیات - الحاقی کلام -
غیر مطبوعہ کلام - مقدار کلام - کلام -
کی سنہ وار ترتیب -

Marfat.com

تیسرا حصہ :- تنقیدی

(الف) اردو کلام - ۱۳۰ تا ۳۴۲

غزل - واسوخت - قصیدہ -

مثنوی - رباعی - قطعہ ہجو -

مرثیہ - سلام - کلام پر -

عمومی رائے -

(ب) - فارسی کلام

(ج) - ہندی کلام

(د) - نثر اردو

(ہ) - نثر فارسی

چوتھا حصہ :- اختتامی

۱- زبان کی تشکیل توسیع اور اشاعت ۳۴۳ تا ۳۷۹

ترویج میں سودا کی کارگزاری

۲- سودا کی اہمیت

فہرست مآخذ . ۳۸۰ تا ۳۸۴

اشاریہ ۳۸۵ تا ۴۰۰

Marfat.com

جمیل الدین عالی
معتمد اعزازی
انجمن ترقی اردو ۔

حرفے چند

اس کتاب کو انجمن نے پہلی بار ۱۹۳۶ء میں چھاپا تھا ۔ اس سے پہلے سودا جیسے اہم شاعر پر کوئی ایسی مفصل کتاب موجود نہیں تھی جس میں اس کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام پر جامع بحث موجود ہو ۔ حیرت ہے کہ اس موضوع پر آج تک کوئی دوسری جامع کتاب بھی نہیں لکھی گئی ۔

شیخ چاند مرحوم بابائے اردو کے نہایت ذہین اور محنتی شاگرد تھے ۔ جامعہ عثمانیہ میں ذہین طلبہ کو تحقیقی مشاغل میں مصروف رکھنے کے لئے ''مجلس تحقیقات علمیہ'' کی طرف سے وظائف دیئے جاتے تھے ۔ شیخ چاند کو بھی یہ وظیفہ ملا اور انھوں نے سودا پر یہ شاندار مقالہ مرتب کیا جسے بابائے اردو نے خاص اپنے اہتمام سے شائع کرادیا ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب تحقیق کے جدید اصولوں کے تمام تقاضے پورے نہیں کرتی ۔ اس کے علاوہ بعض مسائل آج نظرثانی کے محتاج ہوگئے ہیں لیکن اس کی اہمیت ، افادیت اور مانگ میں اب تک کمی نہیں آئی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہ‌حیثیت مجموعی یہ مقالہ سودا تک پہنچنے کا سب سے مضبوط اور آسان ذریعہ ہے ۔

Marfat.com

انجمن کچھ ایسے ادوار سے گزری ہے کہ بار بار ارادہ کرنے کے باوجود بابائے اردو مرحوم اسکی اشاعت ثانی کا کام شروع نہ کرسکے - اب انجمن نے انکی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی ہے - وقت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ شیخ چاند اسکی مقبولیت دیکھنے کو نہ جئے اور بابائے اردو نے اسکی اشاعت ثانی نہ دیکھی -

زیر نظر اشاعت میں ایک اشاریہ بھی شامل کردیا گیا ہے- اشاریے کے علاوہ یہ اشاعت پہلی اشاعت کے مطابق شائع کی جارہی ہے یعنی اس مین کوئی ترمیم نہیں کی گئی یہاں تک کہ معتمد مجلس تحقیات علمیہ کا تعارف اور مولوی احتشام الدین حقی مرحوم کا قطعہ تہنیت بھی برقرار رکھا گیا ہے' اب بقول کسے ان باتوں کا ''فیشن'' نہیں ہے مگر جو چلن بزرگوں نے اختیار کیا تھا اس کا احترام بذات خود ہمارے قومی ورثے میں شامل ہے -

Marfat.com

تعارف

از

معتمد مجلس تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ

جامعۂ عثمانیہ میں علمی تحقیق کو فروغ دینے کے لئے ہر سال چند ایسے طلبا، کو جو ایم۔ اے، ایم۔ ایس سی یا ایل ایل بی میں اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوتے ہیں اور جن میں تحقیق کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے مختلف علوم وفنون میں تحقیقی کام انجام دینے کے لئے وظائف دیئے جاتے ہیں۔ ان وظائف کے متعلق چند امور کا تصفیہ اور جامعہ میں تحقیقی کام کی عام نگرانی اساتذہ کی ایک مجلس کے تفویض ہے جو مجلس تحقیقات علمیہ کے نام سے موسوم ہے اور جس کے صدر نائب معین امیر جامعہ ہیں شیخ چاند صاحب ایم۔ اے، ایل ایل بی (عثمانیہ) کو مجلس مذکور کی سفارش پر ہندوستان کے مشہور شاعر و ادیب مرزا محمد رفیع سوداؔ کی حیات اور تصانیف و کلام پر تحقیق کرنے کیلئے وظیفہ دیا گیا تھا۔ صاحب موصوف نے اپنا کام بہت محنت اور عمدگی سے انجام دیا اور اپنے نتائج کو ایک مقالے کی صورت میں پیش کر کے مجلس تحقیقات علمیہ سے تعریف اور تحسین حاصل کی۔ یہ مقالہ اب مجلس کی منظوری اور اجازت سے شائع کیا جاتا ہے تاکہ اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات، لائق مصنف کی محنت سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکیں۔

مجلس پروفیسر مولوی عبدالحق صاحب صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ کا جن کی نگرانی میں یہ تحقیقی کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے شکریہ ادا کرتی ہے۔

Marfat.com

قطعہ تصنیف

(مولوی احتشام الدین صاحب دہلوی۔ ایم۔ اے)

سودا کو تم نے زندہ کیا اس جہان میں
پھر جان ڈالی شاعری کے پہلوان میں

چار حصوں میں یہ چار مقالہ نہیں لکھا
ہیں چار چاند اُردو کے یہ آسمان میں

تحریر منشیانہ، تو تقریر منطقی
طرز مورخانہ سراسر بیان میں

آزاد، شبلی، حالی و شروانی سب کے تیر
مارے ہدف پہ رکھ کے ہلالی کمان میں

Marfat.com

دیباچۂ مصنّف

سنہ ۱۹۳۰ء میں جب میں نے ایم۔ اے کا امتحان کامیاب کیا تو "تحقیقات علمیہ" کی جماعتوں کے افتتاح کی تجویز صورت پذیر ہو رہی تھی۔ طلبہ سے درخواستیں طلب کی جا رہی تھیں۔ مخدومی مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ نے شعبۂ اُردو کے لئے میری ان الفاظ میں سفارش فرمائی۔

"شیخ چاند صاحب ایم۔ اے کی درخواست آپ کی خدمت میں مرسل ہے یہ اُردو زبان کے متعلق تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں، ان کے مقالے کے لئے میں نے "سودا" کا کلام تجویز کیا ہے۔ ایم۔ اے کے درجہ میں جتنے طالب علم ہیں ان سب میں شیخ چاند صاحب اس کام کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ سودا کے کلام کے متعلق اب تک کوئی مقالہ یا کتاب تحقیق و تنقید کے اعتبار سے نہیں لکھی گئی۔ یہ کام اگر دو سال میں پورا ہو گیا تو بہت قابلِ قدر ہوگا۔ شیخ چاند صاحب یہ کام میری نگرانی میں کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت خوبی اور سلیقے سے انجام دیں گے ان کو ادب سے خاص ذوق ہے۔ اور تحقیقی و تنقیدی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

اس تجویز سے مجھے بڑا رنج ہوا اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہ موضوع مجھے

Marfat.com

بہت ہی معمولی اور محدود نظر آیا۔ میں مولوی صاحب قبلہ کی تجویز کے مقابلے میں لب کشائی کی جرأت نہ کر سکا اور بادل نخواستہ خاموشی کے ساتھ قبول کر لیا۔ پہلے میں نے وہ تمام تحریریں اور کتابیں جو سوداؔ کے متعلق بآسانی دستیاب ہو سکیں، پڑھ لیں، اور سوداؔ کی حیات اور شاعری کا ایک خاکہ بنا لیا جس سے معلوم ہوا کہ سوداؔ پر حقیقتاً بہت کم کام ہوا ہے اور یہ میدان بہت وسعت رکھتا ہے۔ مختلف مباحث رونما ہونے لگے۔ میں نے ان کے لحاظ سے مسالا جمع کرنا شروع کیا۔ دو سال اس کے کام کے لئے مجھے دئے گئے تھے۔ یہ مدّت میں نے فراہمی مواد میں صرف کر دی اور عین اس وقت جب کہ مقالہ کو شروع کرتا بیمار ہو گیا۔ چار ماہ تک فراش رہا۔ اس کے بعد مولوی صاحب قبلہ نے تشدد آمیز تقاضے شروع کر دئے اور آخر میں صاف لکھ دیا کہ اگر یہ کام تم نہیں کر سکتے ہو تو کہہ دو۔ میں سرکاری وظیفہ واپس کر دیتا ہوں۔ میں بہت ناتواں ہو چکا تھا۔ چند صفحے بھی لکھنے کی تاب باقی نہ تھی مجبوراً اس پر آمادہ ہوا۔ اپنے ایک دوست کو اس بات پر رضامند کیا کہ جو میں کہتا جاؤں وہ لکھتے جائیں۔ جمع شدہ مسالے اور مواد کی ترتیب و تبویب اور پورے مباحث و مضامین کی تہذیب زبانی ہوئی۔ اور اس طرح پورے مقالے کو قلم سنبھال کر لکھنے کی نوبت آئی۔ یہ کام ایک مہینے میں ختم ہوا۔ مقالے کے دوران طبع میں میں نے کہیں کہیں ترمیم، حذف اور اضافے سے کام لیا ہے اور بعض ان کتب سے بھی استفادہ کیا ہے جو مقالے کی ترتیب کے بعد طبع و شائع ہوئی ہیں۔

میں نے اس مقالے کے چار حصے کئے ہیں۔ پہلا حصہ تمہیدی ہے، جس کے دو باب ہیں۔ پہلے باب میں سوداؔ کے زمانے کے وہ تاریخی و معاشرتی حالات ہیں جن کا بین اثر اس کی حیات و شاعری پر پڑا۔ دوسرا باب شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی پر ہے۔ یہ سوداؔ کے دور تک کی مختصر ادبی تاریخ ہے۔ جس میں یہ

Marfat.com

بتایا گیا ہے کہ جب سوداؔ نے شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت کیا ادبی و شعری رجحانات تھے، اور اس کی ابتدائی شاعری پر اس کے کیا اثرات ہیں۔ دوسرا حصّہ تحقیقی ہے۔ اس کے بھی دو باب ہیں۔ پہلے باب میں سودا کے سوانح حیات ہیں اور دوسرے باب میں اس کے کلام و تصانیف پر تحقیقی بحث ہے۔ اس باب میں کئی ذیلی ضمنی مباحث ہیں جو فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہوتے ہیں۔ تیسرا حصّہ تنقیدی ہے۔ اس میں اکثر و بیشتر سوداؔ کی اردو شاعری سے بحث کی گئی ہے اور ہر صنف نظم کو لے کر یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کی لفظی لسانی، بیانی اور عروضی کیا کیفیت ہے اور خیال و مضمون کے اعتبار سے اس کا کیا درجہ ہے۔ اسی حصے میں اس کی ہندی اور فارسی شاعری اور تصانیف سے بھی بحث کی ہے اور اس کی نظم و نثر پر تفصیلی تنقید کی ہے۔ چوتھا حصّہ اختتامی ہے۔ اس کے دو باب ہیں۔ پہلے میں یہ بتایا ہے کہ زبان کے بنانے، سنوارنے اور پھیلانے میں سوداؔ کی کیا کارگزاری ہے؛ اس حصے کے دوسرے باب میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے ادب میں سوداؔ کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بعد ماخذوں کی فہرست ہے، جس میں خاص خاص کتابوں کے نام درج ہیں۔ بعض کتابیں جو زیادہ اہم نہ تھیں وہ اس میں شامل نہیں۔ سب سے آخر میں اشاریہ ہے۔ ہر حصے اور باب کی تفصیلی فہرست بھی دے دی ہے تاکہ ہر مضمون آسانی سے مل جائے۔ ترتیب و تبویب میں یہ خیال مدنظر رکھا ہے کہ صرف فہرست مطالب پر ایک نظر ڈالنے سے پورے مقالے کا ڈھانچہ بے تامل و بآسانی سمجھ میں آجائے اور مصنف کے حدود موضوع اور طرز تحقیق و تنقید کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

اس موقع پر بڑی ناشکری ہوگی اگر میں "مجلس تحقیقات علمیہ" کے اس احسان کا ذکر نہ کروں کہ اس نے مجھے اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ مجھے اپنے حال

Marfat.com

پر چھوڑ دیا اور کام کرنے کے لئے زمان و مکان کے قید و بند سے آزاد رکھا۔ ایک بات بطور اظہار واقعہ نہ کہ بطور شکایت یہ کہتی ہے کہ میرے کام کے لئے جامعہ عثمانیہ کا کتاب خانہ قطعاً بے سود ثابت ہوا۔ اس میں سوائے کلیات سودا کے ایک کرم خوردہ اور ناقص نسخہ کے کوئی کتاب قابل استفادہ نہ ملی اس کمی کو مخدومی مولوی عبدالحق صاحب مدظلہٗ کی طلبہ نوازی اور دریا دلی نے پورا کر دیا۔ موصوف نے کئی ہزار روپیہ خرچ کر کے میرے لئے بہت سی نادر اور نایاب قلمی کتابیں اور کلیات سودا کے نسخے خریدے اور انجمن ترقی اردو کے کتاب خانے کی کنجیاں میرے حوالے کر دیں۔ اگر ان کی یہ عنایت اور توجہ میرے حال پر مبذول نہ ہوتی تو شاید یہ مقالہ اس صورت میں کبھی پیش نہ ہوتا اور تعجب نہیں کہ مجھے اس موضوع سے دست بردار ہو جانا پڑتا۔

مقالے میں وہ تصویر بھی لگا دی گئی ہے جو انڈیا آفس کے مخطوطہ کلیات سودا (نشان ۱۲۶) میں موجود ہے۔ اس تصویر کے متعلق مجھے شبہ ہے کہ آیا یہ سودا کی ہے یا رزیڈنٹ جانسن کی، لیکن چونکہ مدون فہرست انڈیا آفس کا بیان ہے کہ غالباً یہ سودا ہی کی ہے اور خط و خال سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں بھی وہ سودا ہی کی ہے۔

Marfat.com

مقدمہ

از

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم

مجلسِ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ کا یہ پہلا ادبی اور تحقیقی مقالہ ہے جو شائع کیا جاتا ہے۔ تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے یہ اس پائے کا مقالہ ہے کہ اگر کسی یونیورسٹی میں بھی پیش کیا جاتا تو قابلِ قبول ہوتا۔ اگرچہ یہ میری نگرانی میں لکھا گیا ہے لیکن جس محنت اور کدو کاوش اور تلاش سے شیخ چاند صاحب نے اسے مرتب کیا ہے اس کا حق انھیں کو پہنچتا ہے۔ علاوہ عام نگرانی کے اتنا البتہ میں نے اور کیا کہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکرے اور متعدد مطبوعہ کلیات اور دیوانوں کو چھوڑ کر سودا کے کلام کے تقریباً چھبیس قلمی نسخے اس کام کے لئے بہم پہنچائے۔ جن میں صرف دو نسخے مستعار تھے ایک حبیب گنج کا نسخہ جس کے لئے میں.... نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کا شکرگذار ہوں اور دوسرا انڈیا آفس کا۔ حبیب گنج والا نسخہ سودا کی حیات ہی میں مرتب ہوا تھا اس لئے اس میں پورا کلام نہیں ہے۔ انڈیا آفس کا نسخہ بہت مستند ہے کیونکہ یہ وہ نسخہ ہے جو خود سودا نے اودھ کے رزیڈنٹ مسٹر جانسن کو بطور پیشکش دیا تھا۔ اس کے سرورق پر ایک تصویر بھی ہے جو غالباً سودا کی ہے اور اس مقالے میں جو تصویر دی گئی ہے وہ اسی کی نقل ہے۔

اس مقالے کی جانچ کے لئے مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی سے درخواست کی گئی اور مولانا نے ازراہ علم دوستی اسے منظور فرمایا۔ آپ نے مقالے کے مطالعے کے بعد جن الفاظ میں اس پر تبصرہ فرمایا ہے وہ مولف کے لئے نہایت

Marfat.com

حوصلہ افزا ہیں۔ اثنائے تبصرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پورے مقالے کے مطالعے کے بعد میری یہ پختہ رائے ہے کہ شیخ چاند صاحب مقالہ نگار نے فراہمی مواد، مطالعہ، بحث اور ترتیب و بیان مطالب میں پوری کاوش اور محنت کی ہے اور اس طرح پوری تیاری کے بعد مقالہ لکھا ہے۔ اظہار رائے میں تحقیق اور آزادی دونوں سے کام لیا ہے۔ انکی رائیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا ذوق ادبی عمیق اور سلیم ہے۔

فہرست مطالب شاہد عادل ہے کہ مقالہ نگار نے اپنے مضمون کے تمام پہلو بحث کے وقت پیش نظر رکھے ہیں۔ مقالے کے مطالعے نے برابر اس خیال کی تائید کی جو ابتدا، فہرست مطالب دیکھنے سے وسعت بحث کی بابت قائم ہوا تھا۔ یہ مقالہ اس قابل ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کو اس پر مبارک باد دی جائے کہ اس کی معارف پروری اور تربیت سے ایسا تحقیق پسند مقالہ نگار پیدا ہوا۔ میں اپنی محدود واقفیت کی بنیاد پر یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ پی ایچ ڈی کی ڈگری پانے والوں میں بھی کمتر ایسا مقالہ لکھنے پر قادر ہو سکے ہوں گے۔"

قابل مقالہ نگار نے اپنے مضمون کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک ممکن ہوا ہے تمام ضروری ماخذوں سے بخوبی کام لیا اور سوؔدا کے کلام اور خصوصاً اس کی حیات پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔ اور بہت سی غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا ازالہ اور بعض نئی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں ابھی تنقیدی نظر پختہ نہیں ہوئی اور تحقیق کے اسلوب سے لوگ بہت کم آگاہ ہیں اور ہیں تو اس کے لئے صبر و محنت کی تکلیف گوارا نہیں۔ مولف نے دونوں تک رسائی حاصل کی ہے۔ یوں تو یہ بات ان کے تمام مقالے میں جابجا پائی جاتی ہے لیکن جہاں جہاں انھوں نے غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا پردہ فاش کیا ہے وہاں ان کی تنقیدی نظر کی ضرور داد دینی پڑتی

Marfat.com

ہے۔ ایک معمولی غلطی یہ چلی آرہی ہے کہ سودا نے میر کے مرثیے پر اعتراض کیے ہیں اور اس کی زبان دبیان کی خوب ہنسی اُڑائی ہے یہاں تک کہ مولانا شبلی تک[1] اس غلطی میں مبتلا ہوگئے یہ ایک منظوم رسالہ ہے جو سودا کے کلیات میں شامل ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرثیے کا مصنف کوئی شخص متخلص بہ تقی ہے۔ میر نے کبھی اپنا تخلص تقی نہیں کیا۔ علاوہ اس کے اس رسالے پر حکیم اصلح الدین کا دیباچہ موجود ہے جس سے اس امر کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ اصل میں یہ ایک صاحب محمد تقی دہلوی عرف گھاسی تھے یا مثلاً یہ عام طور پر مشہور ہے اور تذکروں میں مذکور ہے کہ شجاع الدولہ نے بڑے اشتیاق سے سودا کو دہلی طلب کیا۔ لیکن تحقیق کے بعد یہ غلط ثابت ہوتا ہے اس قسم کی متعدد غلطیوں کی اصلاح اس مقالے میں کی گئی ہے۔ دوسری قابل تعریف یہ بات ہے کہ ہر دعوے کے لئے سند اور حوالہ پیش کیا گیا ہے محض قیاس سے کام نہیں لیا گیا۔

سودا کے کلیات اور دیوانوں کے جس قدر نسخے بہم پہنچائے گئے تھے ان سب کا مؤلف نے بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اس سے ایک تو بہت سی لفظی غلطیاں درست ہوگئیں اور دوسرے کام کی یہ بات معلوم ہوئی کہ مطبوعہ نسخوں میں بہت سا کلام الحاقی ہے، یعنی اس کے بعض شاگردوں اور خصوصاً قائم کا کلام ان میں شریک کر دیا گیا ہے۔ اور بہت سا ایسا کلام بھی ہے جو ان نسخوں میں داخل ہونے سے رہ گیا ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ سودا کے کلیات کا صحیح نسخہ مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

مقالے کی ترتیب بھی میری رائے میں بہت معقول ہے پہلا حصہ تمہیدی ہے جس میں سودا کے زمانے کے تاریخی و معاشرتی حالات اور ماحول سے بحث کی ہے جس کا اثر سودا کی شاعری پر پڑا۔ اسی حصہ میں یہ بھی دکھایا ہے کہ سودا نے جب

[1] دیکھو موازنہ انیس و دبیر طبع اول صلا

Marfat.com

شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت ہماری شاعری کی کیا حالت تھی۔ دوسرے حصے میں سودا کے سوانح حیات اور کلام و تصانیف پر تحقیقی بحث ہے۔ تیسرا حصہ تنقیدی ہے اس میں سودا کی اردو شاعری سے بحث کی گئی ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کی شاعری کا ہمارے ادب میں کیا درجہ ہے۔ چوتھے یعنی آخری حصہ میں اس امر پر بحث ہے کہ سودا نے زبان کے بنانے میں کیا کام کیا ہے اور ہمارے ادبیات میں سودا کو کیا اہمیت حاصل ہے۔

آخر میں ماخذوں کی فہرست اور ان معتبر و مستند کتابوں کے نام بقید سنین و اسمائے مصنفین درج ہیں جن سے مقالہ نگار نے استفادہ کیا ہے۔

مولف کا طرز بیان سادہ، مدلل اور متین ہے۔ اور اپنے مطالب کو اچھے پیرائے اور اچھی زبان میں ادا کیا ہے جو اس قسم کی تحریروں کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔

مجھے مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ "پی۔ ایچ ڈی۔ کی ڈگری پانے والوں میں بھی کمتر ایسا مقالہ لکھنے پر قادر ہوں گے"۔

یہ مقدمہ چھپنے کے لئے مطبع کو دے دیا گیا تھا کہ اتنے میں یہ افسوسناک خبر پہنچی کہ شیخ چاند کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس سے اس کے تمام عزیزوں اور دوستوں اور خاص کر مجھے بےحد صدمہ ہوا۔ وہ بہت ہونہار اور قابل نوجوان تھا اور آئندہ اس سے بہت سی توقعات تھیں۔ اس کا ذوق ادب بہت اچھا تھا اردو ادب میں اس کی معلومات وسیع تھیں تحقیق و تنقید کی نظر رکھتا تھا اور یہ سب کچھ اس نے اپنی محنت اور شوق سے حاصل کیا تھا۔ اگرچہ اس کے سامنے ہی چھپ چکا تھا لیکن افسوس کہ وہ اس کی اشاعت نہ دیکھ سکا اور جیسا کہ اس کا ارادہ تھا وہ اس کا اشاریہ (انڈکس) تیار نہ کر سکا۔

عبدالحق

Marfat.com

(۱)

سیاسی و معاشرتی حالات

ہمیں اس پر آشوب تاریخی دور سے بحث کرنی ہے جو شہنشاہ عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے شروع ہوتا ہے اور (۱۱۹۵ھ) پر ختم ہوتا ہے۔

عالمگیر کی وفات ہی سے مغلوں کی عظیم الشان سلطنت کی طنابیں کٹنے لگی تھیں، یہاں تک کہ ۱۱۲۲ھ تک یکے بعد دیگرے چار بادشاہ سربرآرا ہوئے۔ چوتھا فرخ سیر تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اولوالعزم مغلوں کا تخت و تاج بارہ کے سیدوں کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے جہاندار شاہ کو شکست دے کر فرخ سیر کو تخت پر بٹھایا تھا۔ وہ تخت کے سیاہ و سپید کے مالک ہو رہے تھے۔ بادشاہ برائے نام تھا اور ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی۔ کچھ ہی عرصے میں بادشاہ کو ان سے رنجش ہوئی۔ معاملہ یہاں تک بڑھا کہ انھوں نے اندھا کر کے زنداں میں قتل کر دیا۔ مرزا بیدل کا مشہور تاریخی مصرع ہے۔ ع

سادات بو ے نمک حرامی کردند

۱۱۳۱ھ

اسی سال رفیع الدرجات کو تخت نشین کیا اور اسی سال اس کے بھائی رفیع الدولہ

Marfat.com

کو تاج پہنایا۔ یہ بھی اسی سال فوت ہوا۔ یہ زمانہ سیدوں کے عروج واقبال کے منتہا کا تھا۔ سات مہینے کے عرصے میں انھوں نے چار بادشاہ تخت پر بٹھائے ان میں چوتھا محمد شاہ قابلِ ذکر ہے جو سترہ سال کی عمر میں ۱۱۳۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بھی اس لائق نہ تھا کہ سلطنت کی ڈھتی ہوئی عمارت کو سنبھال سکے۔ اس کا نتیجہ رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ مختلف صوبے خود مختار ہوتے گئے اور سلطنت کے حدود گھٹتے گئے۔ حکومت بے جان تھی اور صرف ڈھانچا رہ گیا تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ محمد شاہی دور کی ابتدا میں جب کاردان اور لائق امرا نے سادات بارہ کی تباہ کن کارستانیوں، صفاکانہ خود غرضیوں اور بے رحمانہ دست درازیوں کا عالم دیکھا تو ان کے درپئے استیصال ہوئے۔ دوسرے امرا اور خصوصاً نظام الملک اور ان کے چچا زاد بھائی میر محمد امین خاں نے اُن کا زور توڑا، یہاں تک کہ ۱۱۳۳ھ کے بعد ہی ان کا بظاہر نام لیوا بھی نظر نہ آتا تھا۔ ۱۱۳۳ھ میں وزارت میر محمد امین کو ملی۔ ان کے بعد ۱۱۳۴ھ میں آصف جاہ کو۔ یہ بادشاہ کی نااہلی اور غفلت کا رنگ دیکھ کر دکن سدھارے اور وہاں اپنی نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۱۱۳۶ھ میں خود مختار تسلیم کی گئی۔ مملکت ہند کے بائیس صوبوں سے دکن کے چھ صوبے شاہی تصرف سے باہر ہو گئے۔ ادھر سعادت خاں برہان الملک نے اودھ کے علاقے پر قبضہ جما لیا، صوبہ جات بنگال و بہار اُڑیسہ بھی خود مختار ہو گئے۔ ان کے علاوہ چھوٹے موٹے علاقوں کے حاکم بھی خودسر ہوتے گئے۔ روہیل کھنڈ وغیرہ کا علاقہ روہیلوں نے دبا لیا۔ سیدوں نے اپنی طرفداری وامداد کے صلے میں بھرت پور کے جاٹوں کو اُبھارا تھا وہ بھی اس علاقے پر متصرف ہو گئے۔ فرخ آباد کے علاقے پر بنگش خاندان خود مختار ہو رہا تھا۔ مرہٹوں نے مالوے اور گجرات کو لوٹا اور اپنی اولوالعزمانہ تاخت وتاراج کو آگرے کے دروازے تک وسعت دی۔ دہلی بھی ان کی لوٹ مار کی دسترس سے نہ بچ سکی۔

Marfat.com

اسی زمانے (۱۱۵۱ھ) میں نادر شاہ نے حملہ کیا۔ محمد شاہ دو لاکھ کی فوج سے مقابلے کو گیا شکست اُٹھائی۔ دونوں میں صلح ہوئی۔ چار کروڑ روپیہ تاوان جنگ کا بار محمد شاہ نے برداشت کرنے کا وعدہ کیا اور ادائے تاوان تک دارالسلطنت دہلی پر نادری قبضہ تسلیم کرلیا۔

نادری سپاہی شہر میں گھوم رہے تھے کہ پہاڑ گنج کے دوکانداروں سے کسی بات پہ اَن بن ہوگئی۔ اس بلوے میں نادر شاہ کے قتل ہونے کی افواہ اُڑ گئی۔ بلوائیوں کا جوش اور بڑھ گیا۔ نادر شاہ نے بلوے کو فرو کرنے کی کوشش کی۔ خود چاندنی چوک میں کوتوالی چبوترے کے قریب سنہری مسجد میں پہنچا۔ کسی نے اس پر گولی چلادی، نشانہ خطا گیا، اس کی جان تو بچی لیکن اس قدر غضب ناک ہوا کہ قتل عام کا حکم دے دیا۔ تمام شہر میں قیامت برپا تھی صبح کے آٹھ بجے سے شام کے تین بجے تک قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ نادری سپاہیوں نے وہ ستھراؤ کیا کہ ایک لاکھ سے اُوپر جانیں تلف ہوگئیں، جن میں کئی بے گناہ مرد، عورتیں اور بچے بھی تہ تیغ ہوگئے۔ شہر کے گلی کوچے مُردوں سے اَٹے پڑے تھے۔ جدھر نظر اُٹھتی تھی نعشوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، گھر گھر کہرام مچا ہوا تھا لیکن اس حالت میں بھی ظالم فاتح نے اپنے بیٹے کی شادی عالمگیر کی پوتی سے رچائی۔ تاوان جنگ اور فدیۂ قتل کے معاملات طے ہونے میں کئی دن لگ گئے۔ چار کروڑ روپے کے ساتھ نادر شاہ تخت طاؤس بھی لے گیا۔ لوٹ کا مال اس کے سوا تھا۔ جب نادر شاہ دہلی سے روانہ ہوا اور پہلی منزل پر تمام اسباب غنیمت کا جائزہ لیا تو اسّی کروڑ کا تخمینہ ہوا۔

مال سے زیادہ جان کا نقصان ہوا۔ دہلی سوگوار تھی، گلی کوچے بھیانک، ڈراؤنے اور سونے پڑے تھے یہ ایسا کاری گھاؤ لگا کہ اندمال ناممکن ہوگیا۔ سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اور وہ خرابی پڑی کہ پھر تعمیر کی شرمندہ نہ ہوئی۔ مقتدر اور مدبر

Marfat.com

امرا بھی دربار سے کنارہ کش ہو گئے۔ برہان الملک تو عین ہنگامۂ نادری میں جان بحق تسلیم ہوئے۔ نظام الملک نے بھی دکن کا رخ کیا۔ ان کے ۱۱۳۶ھ میں وزارت سے مستعفی ہونے پر میر فاضل خلف نواب محمد امین خاں وزیر ہو گئے تھے۔ جس وقت نادر شاہ کی آمد کا غلغلہ بلند ہونے لگا تو ۱۱۵۰ھ میں آصف جاہ پھر حسب طلب دکن سے آ گئے تھے۔ لیکن اب حکومت کی خرابی کو دیکھ کر پھر دکن واپس ہو گئے۔ وزارت پر میر فاضل دوبارہ بحال ہوئے۔ برہان الملک کی جگہ ان کے داماد منصور علی خاں صفدر جنگ نے صوبۂ اودھ سے نادری تاوان کے لئے دو کروڑ روپیہ دے کر حاصل کی۔

ابھی نادر گردی سے حکومت اور رعایا چور چور اور نڈھال ہی تھی کہ ایک دوسری بلا نازل ہوئی۔ محرم ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ ابدالی لاہور کو فتح کرتا ہوا عازم دہلی ہوا، محمد شاہ بیمار تھا، اپنے بیٹے میرزا احمد کو قمر الدین خاں وزیر اور صفدر جنگ سپہ سالار کے ہمراہ کیا۔ ابدالی نے بھی لدھیانے سے گذر کر سرہند کو لوٹا۔ محمد شاہی فوج سرہند کے قریب پہنچ کر صف آرا ہوئی۔ پہلے تو قمر الدین خاں شہید ہوئے لیکن ابدالی کو شکست ہوئی۔ وہ لاہور سے چند بان ضبط کر کے لایا تھا، ناواقفیت سے ان کو الٹا سر کیا جس سے اس کی فوج تتر بتر ہو گئی اور راہ فرار اختیار کرنی پڑی — محمد شاہی فوج کی کامیابی اتفاقی سمجھی گئی، اسی لئے کسی نے "فتح خداساز" سے تاریخ (۱۱۶۱ھ) نکالی ہے۔ اسی جنگ کے دوران میں محمد شاہ نے دہلی میں انتقال کیا۔ اس کے امرا نے اس کے بیٹے میرزا احمد کو احمد شاہ کا لقب دے کر تخت پر بٹھایا۔ قمر الدین خاں کے مرنے پر صفدر جنگ کو وزارت ملی اور سادات خاں ذوالفقار جنگ کو میر بخشی گری، اور اس کے بھانجے میر احمد علی خاں سیف الدولہ کو بخشی گری احدیاں۔ سادات خاں کو احمد شاہ نانا بابا کہتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی لڑکی محمد شاہ سے بیاہی گئی تھی۔ سادات خاں کی طرف سے نواب بہادر جاوید

129987

Marfat.com

خاں بادشاہی خواجہ سرا کینہ رکھتا تھا اس لئے ۱۱۶۲ھ میں تین روز بادشاہی قلعے میں اسے قید کر کے میر بخشی گری کی خدمت آصف جاہ کے بیٹے فیروز جنگ کو دی۔

یہ انتظامات ابھی مکمل ہوئے ہی تھے کہ روہیلوں نے سر اٹھایا۔ صفدر جنگ نے ان کی سرزنش کی کوشش کی لیکن کوئی سودمند نتیجہ نہ نکلا۔ ان کے استیصال کے لئے صفدر جنگ نے جاٹوں اور مرہٹوں کو بلایا تھا۔ تنخواہ شاہی خزانے سے دی جاتی تھی۔ ملک کے محاصل ان کے مصارف کے نذر ہو جاتے تھے۔ اس لئے سلطنت اور ضعیف ہوتی گئی۔ ابھی اس سے فرصت ہوئی تھی کہ ابدالی دوسری بار ۱۱۶۲ھ میں چڑھ آیا۔ بادشاہ نے لاہور اور ملتان کے دو صوبے دے کر جنگ کی مصیبت سے نجات پائی۔ فیروز جنگ کو دکن جانا پڑا تھا۔ جہاں ان کے والد بزرگوار نے سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ انھوں نے اپنے نوعمر بیٹے شہاب الدین عماد الملک کو نیابت میر بخشی گری دی اور صفدر جنگ کے سپرد کیا۔ برہان پور میں اس کا انتقال ہوا۔ عماد الملک کو میر بخشی گری عطا ہوئی اور باپ کا خطاب بھی ملا۔ صفدر جنگ نے بادشاہی خواجہ سرا نواب بہادر کو دغا سے قتل کر دیا۔ اس کے قتل نے ذرا برہمی پیدا کر دی۔ اس کے کئی متوسلین اور طرفدار تھے۔ چنانچہ میر تقی میر اور دوسرے کئی شعرا بھی اس سے توسل رکھتے تھے۔ صفدر جنگ کی طرف سے بادشاہ کے دل میں بھی میل آیا۔ نواب عماد الملک نے یہ حال دیکھا تو صفدر جنگ کے نائب موسوی خاں کو جو میر آتشی کے کام پر مامور تھا قلعے سے باہر نکال دیا اور اس کے تعلقے پر خان دوران کے بیٹے کا تقرر کیا۔ صفدر جنگ نے موسوی خاں کی بحالی کی بڑی کوشش کی۔ بادشاہ نے کہا۔ کوئی دوسرا تعلقہ مانگو۔ اس نے عماد الملک کو بدل کر میر بخشی گری پر سادات خاں ذوالفقار جنگ کو جو نیروز جنگ سے

Marfat.com

قبل اس خدمت پر مامور کرا یا۔ لیکن بادشاہ کو اس کی طرف سے سرگرانی پیدا ہو چکی تھی عماد الملک نے اس کے اقتدار کو توڑنے اور اثر و قوت کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ چھ مہینے تک اس سے برسرپیکار رہا۔ ملہار راؤ ہلکر کو مالوے سے اور جے اپا کو ناگپور سے اپنی کمک کو بلایا۔ ان کے پہنچنے سے قبل ہی صفدر جنگ سے مصالحت ہو گئی۔ صفدر جنگ کو صوبہ داری اودھ کے تعلقے پر جانا پڑا اور اس کے ساتھ سادات خاں کو بھی۔ لیکن ان دو مرہٹہ سرداروں سے مل کر عماد الملک نے سورج مل جاٹ پر فوج کشی کی۔ جاٹوں کے تین متحصن قلعوں کمہیر، ڈیگ اور بھرت پور کا محاصرہ کیا۔ اور بادشاہ سے توپیں طلب کیں۔ لیکن انتظام الدولہ وزیر خلف اعتماد الدولہ نے جو عماد الملک کا ماموں تھا بادشاہ کو توپ خانہ بھیجنے سے باز رکھا۔ عاقبت محمود خاں مدار المہام عماد الملک نے جو توپ خانے کی درخواست لے کر بادشاہ کے حضور میں آرہا تھا۔ بادشاہی منصب داروں اور توپ خانے کے ملازموں کو اپنا موافق بنالیا اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ انتظام الدولہ کے اقتدار کی جڑ کاٹ دی جائے، مقررہ روز اس کے مکان پر حملہ کیا لیکن فوراً ہی راہِ گریز اختیار کی۔ خالصہ بادشاہی اور منصب داروں کی جاگیر میں لوٹ مار مچائی۔ بادشاہ نے اسے بلایا وہ فوراً حاضر ہوا، اور پھر خورجہ واپس ہو گیا۔ ادھر سورج مل جاٹ اہل محاصرہ کے ہاتھوں تنگ و تاراج اور تباہ و برباد ہو رہا تھا، اس نے بادشاہ کے حضور میں امداد کی درخواست کی۔ بادشاہ نے شکار اور انتربید (دوآبہ) کے نظم و نسق کا بہانہ کیا اور سورج مل جاٹ کی امداد کو چلا۔ سکندرہ میں خیمہ زن ہوا۔ ہلکر نے سوچا کہ بادشاہ نے توپخانہ بھیجنے سے پہلو تہی کی ہے اس میں ضرور کوئی زاویہ پوشیدہ ہے۔ اور اب جب کہ وہ دار السلطنت سے باہر نکل گیا ہے تو اس کا سامان رسد روک دینا اور تنگ کر کے توپ خانہ حاصل کرنا چاہئے۔ عماد الملک اور جے آپا کو اطلاع کئے بغیر خود ہی چل دیا۔

Marfat.com

متھرا کے راستے سے دریائے جمنا کو عبور کیا اور بادشاہی لشکر کے قریب پہونچ گیا۔ یہ وہاں اسی شب پہنچا جب کہ عاقبت محمود خاں بادشاہ کے حضور میں باریاب ہو کر خورجہ واپس جا رہا تھا۔ ہلکر نے اول شب چند بان سر کئے۔ بادشاہی لوگوں نے غلطی سے عاقبت محمود خاں کی شرارت پر محمول کیا اور امر سہل جان کر کچھ پروا نہ کی۔ آخر شب یہ معلوم ہوا کہ ہلکر ہے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، نہ تو استعداد جنگ کر سکتے تھے اور نہ فکرِ فرار، احمد شاہ، اس کی ماں اور صمصام الدولہ میر آتش پسر امیر الامرا خاں دوران نے احمال اور اثقال کو چھوڑ چھاڑ چند آدمیوں کے ساتھ دہلی کی راہ لی۔ عماد الملک کو خبر ہوئی تو وہ سورج مل کے محاصرے کو چھوڑ دہلی روانہ ہو گیا۔ سورج مل سے بادشاہ کی سازش اور عہد و پیمان کا اسے علم ہو گیا تھا۔ دوسرے اُمرائے بادشاہی کو بھی بادشاہ کی یہ حرکت ناگوار تھی۔ عماد الملک نے ان سے سازش کر کے اور خصوصاً صمصام الدولہ کو امیر الامرائی پر مامور کیا اور ۱۰ شعبان روز یکشنبہ ۱۱۶۷ھ کی صبح کو خلعتِ وزارت پہنا اور اُسی روز بوقت اِستوا احمد شاہ اور اس کی ماں دونوں کو قید کر دیا۔ عزیز الدین خلف جہاندار شاہ کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ ایک ہفتے کے بعد احمد شاہ اور اس کی ماں کو جو اس اختلال اور فتنے کی جڑ تھے اندھا کر دیا۔ میر محمد حسین کلیم کا فقرہ ہے:۔ "کل کے دن تھے بادشاہ ہور وزیر آج کے دن ہو بیٹھے اندھے بصیر۔ ایسی دولت سے زینہار زینہار فاعتبروا یا اولی الابصار"۔ کچھ دنوں بعد صوبۂ پنجاب کے انتظام کی غرض سے عماد الملک نے لاہور کا قصد کیا۔ یہاں معین الملک کو شاہ درانی نے حاکم مقرر کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی اہلیہ متصرف تھی۔ عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو تو دہلی میں چھوڑ دیا اور شہزادہ عالی گہر کو توزکی پر مقرر کر کے ہانسی وحصار کے راستے لاہور روانہ ہوا۔ یہاں اہلیہ معین الملک کو جو کمال غفلت میں تھی قید کیا۔ یہ عماد الملک کی ممانی تھی اور نیز اس کی لڑکی اس سے

Marfat.com

نام زد تھی۔ اس کو معزول کر کے لاہور کی صوبہ داری آدینہ بیگ کو تیس لاکھ روپے کے بدلے سپرد کی اور دہلی واپس ہوا۔ شاہ درانی کو جب یہ خبر ہوئی تو قندھار سے پاشنہ کوب لاہور پہنچا۔ یہ دیکھتے ہی آدینہ بیگ نے راہِ فرار اختیار کی، درانی نے دہلی کا رُخ کیا اور شہر سے بیس کروہ کے فاصلے پر علم فراز ہوا۔ عماد الملک بے سروسامانی کی حالت میں تھا۔ مجبوراً درانی سے ملا۔ اس نے پہلے تو بڑے عتاب کا اظہار کیا لیکن سماۃ مسطورا اور اپنے وزیر اشرف الوزرا شاہ ولی خاں کی سفارش سے چپ ہو رہا۔ پیش کش کے اقرار سے وزارت بھی بحال رہی۔ درانی نے جہان خاں کو سورج مل کے قلعوں کی تسخیر کے لئے مقرر کیا۔ عماد الملک نے بھی اس کا ساتھ دے کر بڑے کارنمایاں انجام دئے۔ جس سے شاہ درانی بہت خوش ہوا۔ جب وزارت کی بحالی کے لئے پیش کش کا مطالبہ ہوا تو عماد الملک نے کہا کہ خاندان شاہی سے دو شہزادے اور درانی فوج میرے ساتھ کی جائے میں دوآبے سے زرِ خطیر وصول کر کے داخلِ سرکار کرتا ہوں۔ درانی نے دو شہزادے دہلی سے طلب کئے اور اپنے ایک سردار جاں باز خاں کے حوالے کر کے عماد الملک کے ہمراہ کیا۔ ان کے ساتھ عماد الملک نے کمال بے سرانجامی میں دریائے جمنا کو عبور کیا اور احمد خاں بنگش کے مسکن فرخ آباد کا عزم کیا۔ احمد خاں نے بڑا شاندار استقبال کیا۔ خیمے، خرگاہ، ہاتھی اور گھوڑے شہزادوں اور عماد الملک کو پیش کش میں دیے۔ وہاں سے نکل کر گنگا کو عبور کیا اور صوبہ اودھ کا رُخ کیا۔ شجاع الدولہ ناظم اودھ آمادۂ جنگ لکھنؤ سے نکلا اور صوبہ اودھ کی سرحد سانڈی پالی کے میدان میں پہنچ گیا۔ طرفین کے قراولوں میں دو بار لڑائی ہوئی لیکن آخر کار سعد اللہ خاں روہیلے کی وساطت سے پانچ لاکھ روپے پر صلح ہوئی۔ عماد الملک نے شہزادوں سمیت ۱۱۷۰ھ میں میدان سے کوچ کیا اور فرخ آباد پہنچا۔ ادھر کے لشکر میں وبا

Marfat.com

پھیل گئی تھی۔ وہ حوالی اکبرآباد سے گزر کر اپنی ولایت کو واپس جارہا تھا۔ جس روز دہلی کے محاذ میں پہنچا تو عالمگیر ثانی نے نجیب الدولہ کے ساتھ اس سے مقصود آباد کے تالاب پر ملاقات کی اور عماد الملک کی شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔ درانی نے نجیب الدولہ کو امیر الامرائی کا منصب دیا اور لاہور روانہ ہوگیا۔ عماد الملک اس نئے امیرالامرائی فکر میں فرخ آباد سے عازم دہلی ہوا، ہلکر کو دکن سے بلایا اور بالاجی کے بھائی رنگ ناتھ راؤ کو لے کر دہلی کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ اور نجیب الدولہ محصور ہوئے۔ ۴۵ روز تک توپ اور رہکلہ کی جنگ ٹھنی رہی۔ یہ ایسی سخت جنگ تھی، "کہ اکثر دل دہل گئے، قیامت برپا ہوگئی، روسا کا رنگ فق ہوگیا"[1]۔ آخرکار ہلکر نے نجیب الدولہ سے زبردست رشوت لی اور صلح کی طرح ڈالی۔ اس کو مع اثقال و احمال قلعے سے باہر نکالا، اپنے خیمے کے پاس جگہ دی اور اس کے علاقے میں بھیجدیا۔ دتا سردار نے عماد الملک کی طرف سے اس کو شکرتال میں محصور کر کے عماد الملک سے کمک طلب کی۔ لیکن اس نے ادھر توجہ نہیں کی بلکہ سلطنت کے جزو کل مہمات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اپنے ماموں انتظام الدولہ سے خوش نہیں تھا اور عالمگیر ثانی سے بھی دل صاف نہیں رہا تھا اس لئے خان خاناں کو جو محبوس تھا قتل کر دیا اور اسی روز (۸ ربیع الآخر پنجشنبہ ۱۱۷۳ھ) عالمگیر ثانی بھی شہید ہوگیا۔ اس کی بجائے محی الملت، عالمگیر کے پرپوتے کو شاہ جہاں ثانی کا لقب دیکر تخت پر بٹھایا۔ اس کے بعد دتا کی کمک کو روانہ ہوا۔ انھیں ایام میں درانی کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ دتا نے شکرتال کا محاصرہ اٹھالیا اور درانی کے مقابلے کے لئے سرہند کی طرف روانہ ہوا۔ عماد الملک دہلی واپس آیا۔ شاہ درانی کی فوج کے غلبہ کے آثار رونما ہونے لگے۔ یہ رنگ دیکھ کر نئے بادشاہ کو دہلی میں چھوڑ دیا اور خود

---

[1] ذکر میر۔

Marfat.com

سورج مل جاٹ کے ہاں مدت تک ٹھہرا رہا۔ اس عرصے میں نجیب الدولہ جواں بخت پسر عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ کو نورکی پر مقرر کر کے دہلی میں حکومت کرنے لگا عماد الملک وہاں سے فرخ آباد گیا اور شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر جنگ اہل فرنگ میں لڑا۔ یہاں ہزیمت اٹھائی تو جاٹ کے علاقے میں چلا گیا۔ ۱۱۸۷ھ میں دکن گیا اور وہاں سے سورت اور مکہ معظمہ۔ حج سے واپس آیا تو آخر تک کالپی میں رہا، بہر حال شاہ درانی کے اس حملے کے وقت ہی سے اس کے سیاسی اقتدار میں زوال آگیا اور اس کے بعد اس کی شخصیت کا کوئی اثر ملکی سیاسیات پر باقی نہ رہا۔

شاہ درانی کا یہ وہ مشہور حملہ ہے جس نے مرہٹوں کے قوت و زور، اوالوالعزمی تاخت و تاراج، حوصلہ مندانہ جوش اور حاکمانہ امنگوں کا خاتمہ پانی پت کے میدان میں کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ دہلی کی جو خرابی و بربادی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ اس تباہی کے متعلق میر صاحب اپنے چشم دید حالات اس طرح بیان کرتے ہیں:

"شام کو منادی ہوئی کہ بادشاہ نے امان دے دی ہے۔ لوگ مطمئن تھے کہ تھوڑی رات گئے غارت گروں نے دستِ تطاول دراز کیا شہر کو آگ لگا دی۔ مکانوں کو لوٹا اور جلا کر بھسم کر دیا۔ صبح ہوئی، صبح کیا تھی، صبح قیامت تھی۔ بادشاہ اور روہیلوں کی فوج چڑھ آئی اور قتل و غارت شروع کر دیا۔ دروازے توڑے، آدمیوں کو زنجیر بند کیا۔ اکثروں کو جلایا اور سر تن سے جدا کیا، ایک عالم کو خاک و خون میں نہلایا، تین دن تک شبانہ روز ستم رانی سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کوئی چیز خوردنی و پوشیدنی نہیں چھوڑی۔ چھتیں ڈھا دیں۔ دیواریں گرا دیں، جگر سوختہ اور سینہ خستہ کیا۔ وہ زشت سیرت در و بام پر در آئے، اکابر شہر کو بے ننگ و ناموس اور شیوخ کو تباہ حال کر دیا۔ بزرگ پانی کو ترستے تھے

Marfat.com

گوشہ نشینوں اور عزلت گزینوں پر عرصہ دنیا تنگ تھا۔ وضیع و شریف عریاں تھے اور پردہ نشین بے خانماں۔ اکثر بلا میں گرفتار تھے اور رسوائے کوچہ و بازار۔ صدہا آدمی خدا گیر تھے اور عورتیں اور بچے اسیر۔ شہر پر بلاؤں کا ہجوم تھا اور قتل و غارت عام۔ عزیزوں کا حال ابتر ہو گیا۔ بہت سے جان بلب ہو گئے، ظالموں نے کاری زخم لگائے، فحش و دشنام کے لئے زبان دراز کر دی۔ روپیہ پیسہ لیتے تھے اور لوہے کی سلاخیں دکھا کر ڈراتے تھے، جس کسی پر ہاتھ ڈالا اسے محتاج کر دیا۔ ایک عالم اس عالم سے ناشاد گیا۔ ایک دنیا کی ناموس برباد گئی۔ نئے شہر کو تباہ و تاراج کر کے برباد کر دیا۔ تیسرے روز نسق مقرر ہوا۔ انزلا خاں نسق جی باشی آیا۔ اس کے سپاہی کلاہ اور صدریاں پہنے ہوئے تھے۔ الحاصل قدغنچیوں نے غارت گروں کو شہر سے باحتیاط نکال دیا۔ لیکن وہ سفاک قدیم شہر میں گھس پڑے ایک دنیا کو ہلاک کر دیا۔ سات آٹھ دن یہ خوں ریز ہنگامہ گرم رہا۔ پوشش ستر اور قوتِ یک روزہ کسی کے گھر میں باقی نہ رہی، مردوں کے سر بے کلاہ اور عورتیں بے ردا مال سیاہ ہو گئیں[1]۔"

دہلی کی تباہی کے بعد درانی نے شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے ۱۱۷۴ھ میں جواں بخت بن شاہ عالم بن عالمگیر ثانی کو تخت نشیں کیا اور جب مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر دلی واپس آیا تو اپنی اور اپنے بیٹے کی شادیاں شاہی خاندان کی لڑکیوں سے رچائیں۔ اور شاہ عالم کو جو بنگالے کی طرف چلا گیا تھا، جواں بخت کی جگہ بادشاہ مقرر کیا اور اس کے بیٹے جہاندار شاہ کو ولی عہد اور شجاع الدولہ کو وزیر۔

---

[1] ترجمہ از ذکر میر۔

Marfat.com

۱۱۷۴ھ کے بعد سے شاہ عالم کی آخیر مدت حکومت (۱۲۰۲ھ) تک اہم جنگی مہمات کا خاتمہ ہوگیا۔ خود سلطنت ضعیف ہوگئی تھی اور ہرگز اس لائق نہ تھی کہ جنگ وجدل کا بار اٹھا سکے۔ شاہ عالم کے زمانے میں دو تین لڑائیاں ہوئیں۔ ایک ۱۱۷۵ھ کی جنگ ہے جس میں شجاع الدولہ نے نواح کالپی کا علاقہ اور قلعہ جھانسی کو مرہٹوں سے لے لیا تھا۔ دوسری جنگ بنگالہ ہے، جو شجاع الدولہ اور انگریزوں کے مابین ہوئی اور جس میں اول الذکر کو شکست ہوئی۔ دوسری مرتبہ پھر انھیں فریقوں میں بکسر کی مشہور لڑائی ہوئی اس مرتبہ بھی شجاع الدولہ کو شکست فاش ہوئی۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن جگہ جگہ حکام اور عمال خود سر اور خود مختار ہو گئے تھے۔ دکن کے چھ صوبے تو بہت پہلے ہی سے مطلق العنان تسلیم کر لئے گئے تھے اودھ اور بنگال بھی خود مختار ہو گئے۔ بنگال تو انگریزوں کے دست تصرف سے زیادہ دنوں نہ بچ سکا البتہ دکن اور اودھ کو خوب فروغ ہوا۔ آخر الذکر کو شمالی ہند کی تاریخ میں بطور خاص دخل ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر حکام قابض و متصرف تھے۔ ان کی حالت بھی کم و بیش مطلق العنان والیان ملک کی سی تھی۔ اب مغلیہ قلمرو سے عبارت دہلی اور اس کے اضلاع تھے۔ بنگال و دکن کے وسیع و عریض صوبوں کے قطع نظر حسب ذیل ریاستیں ہمارے مضمون کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔

اودھ

اودھ کے پہلے صوبہ دار برہان الملک تھے۔ ان کے زمانے میں ان کا علاقہ ضلع لکھنؤ کے علاوہ روہیلکھنڈ، گورکھپور، بنارس اور الہ آباد کے اضلاع کے کچھ حصے تھے۔ مستقران کا لکھنؤ ہی تھا۔ ان کے بعد صفدر جنگ صوبہ دار ہوئے جو برہان الملک کے بھانجے اور داماد تھے۔ صفدر جنگ کی وفات پر ۱۱۶۶ھ میں شجاع الدولہ ان کے بیٹے مسند نشین ہوئے جنھوں نے

Marfat.com

۱۱۸۸ھ تک حکومت کی۔ ان کا مستقر فیض آباد تھا۔ انھوں نے ابتداءً بادشاہ دہلی کی طرف سے انگریزوں سے لڑائیاں کیں لیکن مسلسل شکستیں اُٹھائیں۔ اور جب بادشاہِ دہلی انگریزوں کی کمپنی کا وظیفہ خوار ہو گیا تو یہ بھی اپنے صوبے کے انتظام میں مشغول ہو گئے۔ انگریزوں کی مدد سے اپنے علاقہ کا بندوبست کیا۔ ان کے زمانے میں انگریزوں کا اثر اور عمل دخل بڑھنے لگا۔ ان کا کچھ حال گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ یہ بڑے شوقین مزاج تھے۔ فیض آباد کو بالکل دہلی کے نمونے پر آباد کر رہے تھے، اہل کمال کے قدردان تھے اور ماہرین فنون کو اپنے دربار میں بڑی عزت سے دعوتیں دے دے کر بلاتے تھے۔ ۱۱۸۸ھ میں ان کی وفات پر ان کے بیٹے آصف الدولہ تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے اپنا مستقر فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو قرار دیا اور اس کی تزئین و آرائش میں بہت سا روپیہ پیسہ خرچ کر دیا۔ کئی عمارتیں بنائیں، مسجدیں اور پُل تعمیر کرائے۔ بڑا امام باڑہ جو تعمیراتی عظمت و شان کا عمدہ نمونہ ہے انھیں کی یادگار ہے۔ اس سے متصل ایک مسجد بنائی اور رومی دروازہ تعمیر کرایا۔ ایک بہت بڑا محل بنوایا جس میں رزیڈنسی تھی۔ شہر سے باہر بیبیا پور کا محل شکار کے زمانے میں قیام کے لئے تعمیر کرایا۔ ان کے زمانے میں دہلی، فرخ آباد، ٹانڈہ اور دوسرے شہروں کے باکمال صاحبانِ فن لکھنؤ پہنچنے لگے۔ یہ سب کی قدر کرتے تھے اور روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہاتے تھے

فرخ آباد

فرخ آباد میں محمد خاں بنگش کی اولاد حکمراں تھی۔ محمد خاں ابتدا میں ایک جمعدار تھا، سادات بارہہ نے بادشاہی نوکری سے روشناس کرایا۔ ترقی کرتے کرتے قائم جنگ کا خطاب پایا۔ ۱۱۴۳ھ میں صوبہ دار مالوہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا فوج داری فرخ آباد پر مامور ہوا۔ اس نے صفدر جنگ وزیر کے ایما سے بریلی کے پٹھان سردار سعد اللہ خاں ولد علی محمد خاں

Marfat.com

سے جنگ کی اور مارا گیا۔ احمد شاہ بادشاہ نے صفدر جنگ کی سفارش پر فرخ آباد بارہ مواضعات کے ساتھ اس کی ماں کے حق میں بطور انعام آل تمغا بحال رکھا، اور نول رائے کو تحصیل کی وصول یابی کے لئے مقرر کیا۔ قایم خاں کے بھائی احمد خاں نے اس سے جنگ کی جس میں نول رائے مارا گیا۔ صفدر جنگ نے یہ ماجرا سنا تو احمد خاں سے ۱۱۶۳ھ میں تیغ آزما ہوا۔ اس مقابلے میں صفدر جنگ زخمی ہوا۔ دوسرے سال پھر چڑھائی کی، اس مرتبہ احمد خاں عاجز ہو گیا اور مجبوراً صلح کر لی۔ احمد خاں بہت ہر دلعزیز حاکم تھا۔ دہلی کے سیاسی انقلاب سے وہاں کے جو امرا، شرفا اور اہل کمال فلاکت اور تباہی کے شکار ہو جاتے تھے، ان میں سے اکثر اس کی سرکار میں پناہ لیتے تھے۔ یہ ہر ایک کے ساتھ مربیانہ برتاؤ کرتا تھا اور بے تکلیف نوکری ہر ایک کے گھر ماہوار پہنچا دیا کرتا تھا۔ دہلی کے کئی ممتاز اور باعزت امیر اور رئیس اس کی سرکار سے وابستہ تھے۔ دو سال اندھارہ کر ۱۱۸۵ھ میں انتقال کیا۔

کٹھیر عالم گیر کی وفات کے بعد بریلی کے متفند رہندوؤں نے خود مختاری حاصل کر لی تھی لیکن جو بہت جلد خانہ جنگیوں کا شکار ہو گئی۔ علی محمد خاں روہیلہ پٹھانوں کا سردار تھا۔ اس نے بریلی اور مراد آباد کے حاکموں کو شکست دی اور خود کٹھیر علاقے کا حاکم بن بیٹھا۔ ۱۱۵۴ھ کے قریب اس نے کمایوں سے لے کر الموڑہ کے علاقہ تک فتح کر لیا۔ تقریباً دو سال بعد محمد شاہ نے اس پر فوج کشی کی۔ وہ گرفتار کر کے دہلی لایا گیا۔ لیکن چونکہ بادشاہی اُمرا میں سے بعض اس کے طرفدار تھے اس لئے جلد زنداں سے رہا ہو گیا۔ اور ۱۱۸۵ھ میں کٹھیر کی پرانی خدمت پر واپس بھیج دیا گیا۔ ۱۱۶۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے لڑکوں کا اتالیق حافظ رحمت خاں روہیلکھنڈ کا حاکم مقرر ہوا۔ صفدر جنگ نواب اودھ نے قائم خاں فرخ آبادی کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا جس نے شکست کھائی

Marfat.com

اور قتل ہو گیا۔ حافظ رحمت خاں نے شمال میں پیلی بھیت اور ترائی تک کا علاقہ فتح کر لیا صفدر جنگ نے بڑا غضب کیا کہ قائم خاں کا اسباب اس کے قتل کے بعد لوٹ لیا۔ مقتول کا بھائی احمد خاں روہیلوں سے مل گیا اور انتظام کے طور پر نول رائے، دیوانِ صفدر جنگ کو شکست دی۔ الہ آباد کا محاصرہ کیا اور اودھ کے ایک حصّہ پر قبضہ کر لیا۔ صفدر جنگ نے مرہٹوں سے امداد لی اور احمد خاں اور روہیلوں کو آنولہ کے قریب فتح گڑھ اور لسولی کے مقامات پر شکست دی۔ پہاڑیوں کے دامن میں ان کو چار مہینے تک گھیرے رہا کہ اس اثنا میں احمد شاہ درانی کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ دونوں فریق صلح پر مجبور ہو گئے۔ اس صلح کی رو سے حافظ رحمت خاں کو روہیلکھنڈ کا خود مختار حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

نواب شجاع الدولہ کی مسند نشینی (۱۱۶۷ھ) کے بعد حافظ رحمت شاہی افواج سے نواب کے خلاف لڑائی میں مل گیا۔ نواب نے پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم کا لالچ دے کر شاہی افواج کی کمک سے اسے باز رکھا۔ اس نے ۱۱۷۴ھ کی پانی پت کی جنگ سے فائدہ اٹھایا اور اٹاوہ کو زیر نگیں کیا۔ ان پُرآشوب ایام میں جب کہ شجاع الدولہ انگریزی قوت کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔ اس نے اپنے شہر کے لئے مضبوط حصاریں تعمیر کرائیں اور قلعے بنائے۔ ۱۱۸۶ھ میں نجیب الدولہ نے مرہٹہ لشکر کے ساتھ، جو سندھیا اور ہلکر کی ماتحتی میں تھا۔ حافظ رحمت خاں کے خلاف فوج کشی کی۔ روہیلے مجبور ہو گئے کہ چالیس لاکھ روپے دے کر گلو خلاصی کریں۔ شجاع الدولہ چالیس لاکھ کی رقم کا ضامن ہوا۔ اس رقم کے بدلے مرہٹوں نے روہیلکھنڈ کو خالی کیا۔ روہیلوں نے شجاع الدولہ کو رقم ادا نہیں کی۔ شجاع الدولہ چپکا بیٹھا رہا۔ لیکن جب اس کو مرہٹوں سے نجات ملی تو فوراً فوج کشی کی تیاری شروع کر دی۔ وارن ہیسٹنگز سے رسالہ مستعار لیا

Marfat.com

اور لڑائی شروع کردی۔ اس جنگ میں حافظ رحمت خاں مارا گیا۔ علی محمد خاں کا لڑکا فیض اللہ خاں شمال میں بھاگ گیا جہاں وہ روہیلوں کا سردار ہوگیا تھا۔ کئی معاہدوں کے بعد اس نے ایک صلح نامہ لکھدیا جس کی رو سے ۱۷۷۴ء میں پندرہ لاکھ سالانہ کے نو پرگنے قبول کرلئے اور روہیلکھنڈ کا بقیہ علاقہ شجاع الدولہ کو دیدیا۔

جب ہم اس زمانے کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ایک ڈراؤنا اور بھیانک منظر دکھائی دیتا ہے۔ ملکی اور سیاسی امور میں اس قدر اختلال پیدا ہوگیا تھا کہ مغلوں کی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اس کا اثر عام معاشرتی اور تمدنی حالات پر بہت بُرا اثر پڑا۔ تمام ملک میں عام طور سے افلاس اور بدامنی تھی، اور خصوصًا پائے تخت دہلی کی حالت نہایت زبوں تھی۔ کسی طبقے کا کوئی شخص خوش اور مطمئن نہیں تھا۔ مالی خرابی اور کمزوری کے ساتھ جان و مال اور عزت و ناموس کی تباہی نے عام طور سے لوگوں کو بدحال کردیا تھا۔ تمام ملک اور خصوصاً شہر دہلی کنگال اور مفلس ہوگیا تھا، خواب و خور حرام و امن و اطمینان خواب و خیال تھا۔ اُمرا سازشوں اور خودغرضیوں میں گرفتار تھے۔ شریفانہ خصائل اور اعلیٰ خصائل ان سے رخصت ہو رہے تھے۔ ملک اور سیاست کی باگ کم لیاقت اور نااہل مصاحبوں کے ہاتھ میں تھی۔

فوجوں کی حالت بھی بہت گئی گزری ہوگئی تھی۔ نہ تو سواری کے گھوڑے اچھے تھے اور نہ ان کی وردی میں کچھ حال تھا۔ گھوڑے مرجھیرے، کوتل اور لباس دریدہ اور بوسیدہ، سپاہی تنخواہ سے مہینوں محروم رہتے تھے۔ وہ بیچارے اثاثہ بیت حتیٰ کہ ڈھال تلوار تک بنئے کے ہاں رہن رکھ دیتے تھے اور بڑی مشکلوں سے زندگی کے دن کاٹتے تھے۔ صناع اور کاریگر بے روزگار ہوتے جارہے تھے،

Marfat.com

ان کی مصنوعات کو افلاس نے کس مپرسی اور گم نامی سے روشناس اور قدر دانی سے محروم کر دیا تھا۔ یہی حال مزارعین کا تھا۔ علمار و فضلا اپنے علم و فضل کو کوڑیوں کے مول بیچتے پھرتے تھے لیکن کوئی پوچھتا نہ تھا۔ قدر و منزلت اور عزت و احترام کے بجائے بے التفاتی اور بے توجہی اور اغماض و تغافل کام میں لائے جاتے تھے۔ شاعر بیچارے عجب کش مکش اور گو مگو میں تھے جہاں کسی نواب یا امیر کو ذرا بھی فرصت نصیب ہوئی اور اس نے شاعروں کو جمع کرنا شروع کیا۔ کچھ ہی دنوں میں اس کا رنگ بگڑا تو شاعروں کی پوری جماعت بے روزگار ہو گئی، سرپرست اُمرا کے تغیر و تبدل اور سیاسی عروج و اقبال نے ان کو اپنے مداحین کی خاطر خواہ سرپرستی نہ کرنے دی۔ نواب بہادر خواجہ سرا قتل ہوا تو میر تقی میر اور دوسرے شعراء بے سہارا ہو گئے۔ عماد الملک کے پائے اقتدار میں لغزش آئی تو سودا اور دوسرے کئی شاعر بے روزگار ہو گئے۔

مالی کمزوری نے عام اخلاقی معیار بھی گھٹا دیا تھا اور مسلسل و متواتر جنگوں کے دھچکوں نے لوگوں کے سامنے ایک خوف ناک خونین منظر اور دنیا کی بے ثباتی کا ہولناک نقشہ کھڑا کر دیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کی معاشرت، تمدن اور اخلاق ہر چیز پر یاس و ہراس چھا گئے اور زندگی کے ہر شعبہ پر قنوطیت اور خوف و رجا کا رنگ جم گیا۔ علوم و فنون پر اوس پڑ گئی اور ان کے ماہرین کے دل و دماغ خوشی و مسرت کے نور سے محروم ہو گئے۔

دہلی کے سیاسی انقلابات میں شعرا کے قدم اُکھڑے تو وہ پہلے فرخ آباد پہنچے۔ یہاں احمد خاں بنگش کی عمل داری تھی۔ دہلی کے کئی شعراء، علما اور اُمرا اس سے توسل رکھتے تھے۔ اس کا انتقال ہوا اور اس کی اولاد اپنا سیاسی اقتدار قائم نہ رکھ سکی تو تمام متوسلین بے یار و مددگار ہو گئے اور سب فیض آباد اور لکھنؤ سدھارے

Marfat.com

کٹہیر کے علاقے میں نواب علی محمد خاں کی حکومت تھی، اس کا بیٹا محمد یار خاں "امیر" شاعر تھا اور شاعروں کی بڑی دریادلی سے قدر کرتا تھا۔ اس کی سرکار سے کئی شعراء وابستہ تھے۔ اس کی سیاسی قوت میں زوال آیا تو رچی رچائی محفل کی بساط اُلٹ گئی اور تمام افراد منتشر ہو گئے۔ اب شمالی ہند میں بس لکھنؤ ہی ایک ایسا مقام تھا، جہاں سیاسی انقلابات کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا تھا اور ایک حد تک یکسوئی اور اطمینان نصیب تھا۔ وہاں کے والی بڑے سخی اور قدر دان تھے۔ اہل کمال سے قدر دانی کا سلوک کرتے تھے۔ ملک کی تمام آمدنی کے وہ بلا شرکت غیرے مالک تھے۔ جس طرح چاہتے تھے بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن ملک کی حالت بری تھی۔ افلاس و تباہی کا گھن لگ چکا تھا اور زوال و انحطاط کی بلائیں نازل ہو رہی تھیں۔

ان حالات میں جب ہم اُردو شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کو اور بھی زیادہ ٹھٹھرا ہوا دیکھتے ہیں۔ شاعروں کا فرقہ تو یوں بھی بیکار اور نکما سمجھا جاتا ہے۔ کوئی امیر اس وقت تک شاعروں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جب تک کہ اسے ملکی و سیاسی معاملات کی طرف سے کامل اطمینان نہیں ہو جاتا اور پوری فرصت اور فراغت حصے میں نہیں آتی۔ اس یاس انگیز، پُر فتن، نازک اور انقلاب آفرین دور میں شاعروں کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا۔ یہ بے چارے دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور ناکام و نامراد زندگی کے دن کاٹتے تھے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی عام شاعری کا جائزہ لیا جائے اور شمالی ہند اور دہلی کی اُردو شاعری کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس دور سے قبل اردو شاعری کی کیا حالت تھی اور اس زمانے نے کیا رنگ اختیار کیا۔

Marfat.com

(۲)

شمالی ہند میں اردو شاعری کی ابتدا و ترقی

شمالی ہند میں اردو شاعری کا باضابطہ آغاز دراصل بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عالمگیر کی وفات کے پس و پیش ایسے شعرا ر گزرے ہیں جن کے اشعار تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ چنانچہ موسوی خاں فطرت، خواجہ عطا، جعفر، بیدل وغیرہم ایسے شاعر ہیں جن سے چند شعر منسوب ہیں۔ اسی زمانے (۱۱۰۵ھ) میں اسمٰعیل امروہی نے ایک مثنوی "تولد نامۂ بی بی فاطمہ"[۱] لکھی ہے۔ اس کے سوا بعض شاعروں کا کلام بھی دستیاب ہوتا ہے لیکن یہ دراصل ایسی کوششیں تھیں جن کا مستقل اور پائدار اثر قائم نہ ہو سکا، اور ان شعرا نے شمالی ہند میں اردو شاعری کے رائج کرنے میں کوئی قابل لحاظ مدد نہیں دی۔ شمالی ہند اور خصوصاً دہلی میں اردو شاعری کے آغاز کی تاریخ عالمگیر کا چوالیسواں سنہ جلوس (۱۱۱۲ھ) ہے۔ یہ وہ تاریخ ہے جس میں بقولِ قائم، ولی نے دہلی کا سفر کیا اور پہلی مرتبہ وہاں کے شاعروں کے حلقے میں اپنی ریختہ گوئی سے ہل چل ڈال دی۔ اور جب ۱۱۳۲ھ میں بقول حاتم،[۲] ولی کا دیوان دہلی پہنچا تو موزوں طبع شاعروں کو متاثر و متحرک

---

۱ کتب خانہ مولوی عبدالحق صاحب۔ ۲ تذکرہ ہندی۔

Marfat.com

کر دیا۔ یوں تو دکنی شاعروں کے کلام سے شمالی ہند کے شاعر اس سے قبل سے واقف تھے، اور شمالی ہند کے بعض شاعروں کے کلام سے اس کی شہادت بھی ملتی ہے۔ قائم[1] (قائم چاند پوری سے قبل گزرا ہے) نے اپنے مرثیہ میں قادر دکنی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

قائم کا آج ہند میں شہرہ ہوا بلند
دکن میں اس کے شعر کہو قادر استیں

مخزن نکات (مولفہ ۱۱۶۸ھ) میں لکھا ہے کہ پچاس سال قبل شاہی دکنی کے مرثیے ہاتھوں ہاتھ دکن سے شمالی ہند پہنچتے تھے اور عام طور پر پڑھے جاتے تھے لیکن ان کا کوئی بین اثر نہ پڑ سکا۔ یہ صرف ولی کے کلام کی کرامت تھی کہ اس نے شمالی ہند کے شاعروں کو ریختہ کی طرف متوجہ و مائل کر دیا۔ اس کے مقلدین میں آبرو، حاتم، مضمون، مظہر، جان جاں، احسن اللہ، شاکر ناجی، مصطفےٰ خاں، یکرنگ ایسے شعرا ہیں جو اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ولی کے تتبع میں طبع آزمائی کرنے کا ذکر ان میں سے بعض نے کیا ہے چنانچہ حاتم لکھتا ہے :۔ "در ریختہ ولی را استادی داند" آبرو کا ایک شعر ہے :۔

آبرو شعر ہے ترا اعجاز
گو ولی کا سخن کرامت ہے

یہ شاعرانہ تعلی ہے، اس کا ذکر کرنا ہی اس کے اثر کو تسلیم کرنا ہے۔

ولی کی تقلید سے اس کے مقلدین کے کلام میں ایک حد تک ہندی کا عنصر غالب تھا۔ اس ہندی عنصر نے اس قدر شدت اختیار کر لی تھی کہ ایہام کا رواج ہو گیا۔ ایہام کی بنیاد اسی ہندی عنصر پر قائم ہوئی بقول آزاد "سنسکرت میں ایک لفظ کے کئی معنی ہیں اسی واسطے اس میں اور برج بھاشا اس کی شاخ میں ذو معنین الفاظ اور ایہام پر دوہروں کی بنیاد ہوتی تھی۔ فارسی میں یہ صنعت ہے مگر کم۔ اردو میں پہلے پہل شعر کی بنا اسی پر رکھی گئی" ظاہر ہے کہ ایہام کا التزام ایک مصنوعی اور غیر فطری فعل تھا جس نے عام شاعری اور خصوصاً غزل کو اثر اور سادگی کے جوہر سے محروم کر دیا۔

---

[1] حمید نے قایم برہانپوری لکھا ہے۔ جو دوسرا شاعر معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس میں مضامین کے ادا کرنے سے بڑھ کر ذومعنی الفاظ کے استعمال پر شاعر کی پوری قوت اور زور صرف ہو جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کلام بے کیف اور بے لطف ہوتا تھا، اور عام قبولیت حاصل کرنے سے محروم۔ اس دور کے اساتذہ کا کلام اٹھا کر دیکھئے تو شاعرانہ صناعی اور ہنرمندی پر حرف رکھنے کو جگہ نہیں لیکن سادگی اور اثر کافور ہیں۔ الفاظ کا ذخیرہ بافراط موجود ہے ان کے استعمال اور معانی کے مختلف پہلو روشن ہیں عالم لسانیات اور محقق لغات کے لئے ان کا کلام بیش بہا ذخیرہ ہے۔ لیکن کیف ولذت سے خالی ہے۔ ابتداءً تو یہ طرز مقبول ہوئی لیکن بہت جلد یہ غیر فطری التزام وتصنع مردود ٹھہرا۔ ایہام گوئی کے مشہور علم بردار حاتم کو بھی یہ روش چھوڑنی پڑی چنانچہ جب ۱۱۶۹ھ میں اپنے کلام کا انتخاب "دیوان زادہ" کے نام سے کیا تو پرانی طرز کے کلام کو خارج کر دیا اور لکھا ہے :-

کہتا ہے صاف وشستہ سخن بسکہ بے تلاش
حاتم کو اس سبب نہیں ایہام پر نگاہ

ایہام گوئی کے خلاف تحریک کا آغاز دراصل ان شعرا نے کیا جو ایہام گو اساتذہ کے بعد فوراً مجلس شاعری میں جلوہ افروز ہوئے۔ ان میں مظہر، سودا میر اور درد وغیرہم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان کے دور میں قدیم روش شاعری یک قلم متروک ہوگئی۔ اس عہد کی ابتدا میں بھی ایک طبقہ ایسا موجود تھا جو ایہام گوئی کا قائل تھا اور شاعری میں اس التزام کو ملحوظ رکھنے پر مٹا ہوا تھا۔ میر کا شعر ہے ؂

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایہام کے ابتدائی دور میں ایہام کے ماننے

Marfat.com

والے موجود تھے اور اس صنعت کو شعر کی دلچسپی اور لطف کا موجب سمجھتے تھے۔
اس دور کے بھی بعض شعرا نے اس طرز پر طبع آزمائی کی ہے۔ سوداؔ کی ایک غزل
اسی رنگ میں ہے، لیکن اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ یہ ابتدائی دور کے ایہام گو
علم بردار مضمونؔ اور آبروؔ کی طرز ہے۔ مجھے اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

اسلوب شہر کہنے کا تیرے نہیں ہے یہ
مضمونؔ و آبروؔ کا ہے سوداؔ یہ سلسلہ

آبروؔ کی طرز میں ایک غزل لکھی ہے:۔

ہو شاد اس غزل سے روح آبروؔ کی سوداؔ
تو اس زمیں میں ناداں طور اپنا کیوں نہ بدلے

میر حسنؔ کا زمانہ کسی قدر بعد کا ہے، لیکن اس نے بھی ایہام میں طبع آزمائی
کی ہے، چنانچہ اپنے تذکرہ میں اپنے چند شعر بطور نمونہ نقل کئے ہیں، جن کی نسبت
لکھا ہے "چند اشعار بطور قدمائے ایہام بندان گفتہ شد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
ایہام گوئی کا اثر کچھ نہ کچھ باقی تھا اور شاعر کم از کم بطور تفریح ایہام میں طبع آزمائی
کرتے تھے لیکن اسی زمانے میں لوگ اس سے بیزار ہوتے جاتے تھے جیسا کہ سوداؔ کے
اوپر کے دو شعر سے واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان شعراء کے حلقے میں یہ طرز مردود
ٹھہری اور اس نے غیر فطری ہونے پر نظر کر کے اس کے خلاف شاعروں نے علم احتجاج
بلند کیا۔ سوداؔ نے صاف لکھا ہے:۔

یک رنگ ہوں آتی نہیں خوش مجھ کو دو رنگی
مل کر سخن و شعر میں ایہام کا ہوں میں

ایہام گوئی کی بے وقعتی میر صاحب کی اس رائے سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔
جو انھوں نے احسن اللہ کے اشعار کے حق میں ان الفاظ میں صادر کی ہے:۔
"طبعش مائل بہ ایہام بود ازیں جہت شعر اُو بے رتبہ ماند"

Marfat.com

قائم نے ایہام گوئی کو "ستم" کہا ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔ "ایں ستم کہ شاعران ابتدائی زمانہ محمد شاہ باعتقادِ خود تلاشِ الفاظِ تازہ دایہام نمودہ شعر را از مرتبۂ بلاغت انداختند تا بمعنی چہ رسد۔ غرض ناگفتہ بہ"

مظہر، سودا، میر وغیرہم نے جب اس طرز کو چھیڑ ناپسند نہیں کیا اور ایک نئی روش زیادہ وسعت اور پھیلاؤ کے ساتھ اختیار کی تو ان کو زیادہ دشواری اور دقت پیش نہیں آئی اس لئے کہ قدیم طرز سے عام بیزاری پھیل گئی تھی، زبان بڑی حد تک بن چکی تھی، الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ زبان کے ابتدائی قوا عد اساتذہ کے کلام سے مستنبط تھے، فارسی عروض مدتوں پہلے اردو شاعری کا بنیادی عنصر بن چکی تھی۔ نئے دور کے مذاق نے کئی الفاظ و محاورات کو متروکات میں داخل کر دیا تھا یہاں تک کہ "کہنہ گو و مشاق" بوڑھا استاد حاتم بھی اس اثر سے نہ بچ سکا۔ اسے بھی ۱۱۶۹ھ میں اپنا دیوان (دیوان زادہ) نئی طرز میں مرتب کرنا پڑا، اور خود اپنے تئیں بقول مصحفی، حاتمِ ثانی کہنا پڑا۔ ولی کی استادی کا اثر جس کا خود اس نے اعتراف کیا ہے، زبان و خیال کے اعتبار سے کم ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ قدیم زبان بڑی حد تک متروک اور ہند کی زبان میں طبع آزمائی شروع ہوگئی۔ حاتم نے لکھا ہے :۔

ہند کی گفتگو انوکھی ہے   چوب ہے سب اُدھر یہاں کی زباں

قائم لکھتا ہے :۔

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اِک بات لچر سی بزبان دکنی تھی!

میر حسن نے بھی قدیم زبان کے ترک کرنے اور معانی و مضامین کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :۔ "چوں بنیادِ ریختہ از زبانِ دکن است بنا بریں صاحبِ سخنانِ ایں فن و معنی شناسانِ مغزِ سخن طرزِ زبانِ ہر دیار را معیوب نمی دانند

Marfat.com

پیروی معانی می کنند " قدیم زبان میں اصلاح کا حال مخزن نکات اور دیوان زادۂ حاتم کے دیباچہ سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح غیر مانوس ہندی عناصر کو خارج کر کے مروجہ زبان کے مطابق فارسی اجزا شامل کیے گئے ۔

قائم ۱۱۶۸ھ میں لکھتا ہے ۔

" بر متتبعانِ فنِ ریختہ مخفی و محتجب نماند انچہ الحال اشعار و احوال شعرائے متاخرین نوشتہ می آید ۔ طرز کلام اینہا مانا بردیۂ فارسی است چنانچہ جمیع صنائع شعری کہ قرار دادۂ اساتذۂ اسلاف است بکار می برند و اکثرے از ترکیبات فرس کہ موافق محاورۂ اردوئے معلیٰ مانوسِ گوش می یابند منجملہ جواز البیان می دانند الا ترجمانِ زبانِ مغل بریختہ کردن مقبوح است چہ دریں صورت صحت زبان یکی از ہر دو نمی ماند اگر بعضے از اصطلاح کہ زبانِ زدِ مردم فصحائے ایں دیار بود کردہ آید چنداں مضائقہ ندارد اما اتباع و تقلید کسانِ طبقۂ اولی کہ یک مصرعِ شان ریختہ و دیگرے فارسی است و در بعضے مقام ریختہ فارسی بالفاظ غیر مانوس مخلوط ہم ساختہ مذموم محض می انگارند بہرحال ایں منتخب طویل الذیل موقوف بر سلیقۂ شاعر باید نمود "

حاتم ۱۱۶۹ھ میں اس خیال کو کسی قدر وضاحت سے اس طرح پیش کرتا ہے ۔

" لفظ ، در ، و بر ، و از ، و داو ، کہ فعل و حرف باشد در دیوانِ خود تقید دارد دریں دلا اندہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را نظر انداختہ لسانِ عربی و زبان فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشد و روزمرہ دہلی کہ مرزایانِ ہند و فصیحان رند در محاورہ دارند منظور داشتہ ، سوائے آں زبانِ ہر دیار تا بہ ہندوی کہ آں را بھاکا گویند موقوف کردہ ۔ محض روزمرہ کہ عام فہم و خاص پسند بود اختیار نمود ..... ایں قاعدہ (قاعدۂ متروکات) را کجا شرح دہد ۔ غرض کہ خلافِ محاورہ و غیر مصطلح و غلطی روزمرہ و نقصانِ فصاحت را دخل نہ باشد "

Marfat.com

قائم اور حاتم کے ان بیانات سے قدیم زبان میں اصلاح کا اندازہ ہوتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندی عنصر کم ہوتا گیا اور فارسی عربی کے اجزا مستحکم ہوتے گئے۔ اس باب میں مظہر جانِ جاں نے اس قدر غلو کیا ہے کہ اس زمانے میں ان کی اولاد کو اہلِ فن نہ ریختہ کہتے تھے اور نہ فارسی بلکہ ان کی اردو کا حال بقول سودا:۔ "کتا دھوبی کا کہ گھر کا نہ گھاٹ کا" تھا۔[1]

یہیں سے فارسی اور ہندی کے عناصر میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں میر کے اس بیان پر نظر رکھنی چاہیے جس میں انھوں نے ریختہ کی کئی اقسام کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اس طرز کا ذکر کیا ہے جو اس دور میں رائج ہوئی۔ اس بیان سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ریختہ گوئی نے رفتہ رفتہ کیا صورت اختیار کی اور اس دور میں آکر اس کا کیا رنگ ہو۔ یہ بیان چونکہ اس دور کے ایک مشہور استاد کا ہے اس لئے ہر طرح لائق غور ہے۔ میر صاحب نے لکھا ہے:۔

"ریختہ کی چند قسمیں ہیں ..... پہلی یہ کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی ہو۔ مثلاً قطعۂ امیر خسرو۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے سنوارِ یے پکارا

نقدِ دلِ من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنورا

دوسری قسم یہ ہے کہ آدھا مصرعہ ہندی ہو اور آدھا فارسی جیسا کہ میر معز کا شعر ہے:۔

از زلفِ سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے — در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

---

[1] یہ غالباً مظہر کے ابتدائے کلام کے متعلق رائے ہے ورنہ ان کا بعد کا کلام بہت پاک صاف اور شستہ و رفتہ ہے۔

Marfat.com

تیسری قسم یہ ہے کہ فارسی کے حروف و افعال استعمال کئے جائیں۔ یہ قبیح ہے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ ایسی فارسی ترکیبیں لائی جائیں جو زبان ریختہ کے مناسب ہوں۔ یہ جائز ہے۔ لیکن اسے غیر شاعر نہیں جانتا، ایسی ترکیبیں کہ جو ریختہ کے لئے نامانوس ہوں معیوب ہیں، اس کا جاننا بھی سلیقۂ شاعری پر موقوف ہے۔ میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اگر فارسی ترکیب گفتگوئے ریختہ کے موافق ہو تو مضائقہ نہیں۔ پانچویں قسم ایہام کی ہے کہ اس فن میں جس کا رواج شاعرانِ سلف میں تھا۔ اب طبائع اس صنعت میں کم مصروف ہیں لیکن شستگی سے استعمال ہوتی ہے، ایہام کے معنی یہ ہیں کہ وہ لفظ ذو معنی ہو جس پر شعر کی بنیاد ہوتی ہے۔ ایک معنی قریب ہوں اور دوسرے بعید۔ معنی بعید سے شاعر کی مراد ہو اور قریب سے نہیں۔ چھٹی قسم وہ اندازِ شاعری ہے جسے ہم نے اختیار کیا ہے، یہ انداز تمام صنعتوں مثلاً تجنیس، ترصیع، تشبیہ، صفائے گفتگو، فصاحت بلاغت، ادا بندی خیال وغیرہ پر محتوی ہے۔"[1]

اس خیال کو گردیزی اور قائم نے بھی اپنے تذکروں میں پیش کیا ہے۔

ریختہ کی یہ تعریف و تحدید ممکن ہے کہ تحقیقی نقطۂ نظر سے بالکل صحیح ثابت نہ ہو۔ لیکن اس قدر تو یقینی ہے کہ اس دور کے اساتذہ نے اردو شاعری کا انداز ہی بدل دیا اور اس میں وہ تمام ضروریات اور لوازمات اختیار کر لئے جو شاعری کو سنوارنے اور بنانے میں کام آتے ہیں، ان تمام التزامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کا اثر بہ شدت داخل ہو رہا تھا، لیکن زبان کو غیر مانوس ترکیبوں اور لغات سے پاک کر کے ہندی اور فارسی عناصر میں توازن و اعتدال بھی پیدا کیا جا رہا تھا۔

ہمارا جو موضوع ہے وہ اسی دور کے ایک نامور علم بردار مرزا رفیع سودا کی

---

[1] ترجمہ از نکات الشعرا۔

Marfat.com

حیات اور شاعری کی تحقیق و تنقید ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اپنے موضوع پر آئیں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں اردو شاعری نے شمالی ہند میں کیا ترقی کی۔

شمالی ہند میں جب اُردو شاعری کا آغاز ہوا تو گنتی کے صرف چند شاعر تھے جس سے ظاہر ہے کہ اُردو شاعری ابھی زیادہ مقبول نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ایہام گوئی کے خلاف کوشش شروع ہوئی تو شاعروں کی تعداد میں ایک غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ اس کا ثبوت ان تذکروں سے آسانی سے مل جاتا ہے جو اس دور میں لکھے گئے ہیں۔ ۱۱۶۵ھ میں میر نے اپنے تذکرے نکات الشعراء میں ایک سو تین شاعروں کا ذکر کیا ہے اور ۱۱۶۶ھ میں گردیزی نے اٹھانوے کا جن میں چھبیس شاعر ایسے ہیں، جو میرؔ کے تذکرے میں شامل نہیں ہیں۔ ۱۱۸۸ھ میں قدرت اللہ شوقؔ نے دو سو اٹھاسی شاعروں کا ذکر کیا ہے اور میر حسن نے قبل ۱۱۸۸ھ ما بعد ۱۱۹۳ھ دو سو اٹھاسی کا۔ شورش نے ۱۱۹۳ھ میں تین سو چودہ شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس کے بعد شاعروں کی تعداد میں اس شدت سے اضافہ ہونے لگا کہ حصر و شمار آسان نہیں۔ اس تعداد اور تدریجی ترقی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُردو شاعری نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں غیر معمولی مقبولیت اور ترقی حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت ان مجلسوں کی کثرت سے بھی ملتا ہے جن میں ریختہ گو شاعر اپنا کلام سناتے تھے۔ فارسی گویوں کے لئے غزلوں کو منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ مشاعرے تھے۔ اس زمانے میں کئی جگہ مشاعرے ہوتے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور سالانہ مشاعرہ مرزا بیدل کے عرس کے موقع پر ہوتا تھا۔ اس زمانے کے شاعروں کے کلام اور دیگر تحریروں سے اس کا حال معلوم ہوتا ہے[5]۔ فارسی گویوں کے مشاعروں کے توڑ پر ریختہ گویوں نے

۵؎ ملاحظہ ہو ہجو مولوی ندرت از سوداؔ۔ رقعات انند رام مخلص۔ خزانہ عامرہ۔

Marfat.com

مراختہ (صحبت ریختہ گویاں) کی بنا ڈالی تھی۔ چنانچہ مراختے کئی جگہ ہوتے تھے، مراختہ خان آرزو، یہ ہر قمری مہینے کی پندرہویں تاریخ کو خان آرزو کے مکان پر منعقد ہوا کرتا تھا۔ حاکم لاہوری نے اپنے تذکرہ "مردم دیدہ" میں اس کا ذکر کیا ہے، مراختۂ خواجہ میر درد، یہ بھی ہر مہینے کی پندرہویں کو درد کے مکان پر منعقد ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خان آرزو کے مراختہ کا سلسلہ بلند ہوا تو انھوں نے اپنے ہاں یہ صحبت گرم کی۔ کچھ دنوں یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد درد نے یہ محفل اپنے ہاں رچانی بند کر دی اور میر تقی میر سے کہا کہ ان کے ہاں مراختے منعقد ہوا کریں۔ چنانچہ میر کے ہاں یہ صحبت گرم ہونے لگی۔ ان کے سوا میر نے اپنے تذکرے میں چند اور مراختوں کا ذکر کیا ہے۔ مراختۂ میر سجاد، مراختہ جعفر علی خاں زکی، مراختۂ میر علی نقی وغیرہ شاعروں کی ترقی پذیر کثرت اور مجالسِ ریختہ کی ہنگامہ آرائی پر نظر کر کے ماننا پڑتا ہے کہ فارسی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ریختہ گوئی کا ہر طرف بازار گرم تھا۔ اس غیر معمولی ترقی و ترویج میں جن شاعروں نے کام کیا ہے۔ ان میں سودا بطورِ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

(۱)

حیات

مرزا محمد رفیع سوداؔ کے اجداد مغل نژاد مرزایانِ کابل سے تھے، جن کا پیشہ سپہ گری تھا۔

سوداؔ کے والد مرزا شفیع تھے جو اپنے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر بطریق تجارت ہندوستان آئے اور "عملِ تجارت[1]" میں مشہور ہوئے۔ ولایت سے آئے تھے، مغل تھے۔ تجارت نے تمول دیا تھا اس لئے فارغ البال تھے اور اعزاز و امتیاز سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نعمت خاں عالی کی دختر سے ان کی شادی[2] ہوئی جس کے بطن سے سوداؔ پیدا ہوئے۔ سنہ پیدائش مشتبہ ہے۔ آزاد نے سنہ ۱۱۲۵ھ لکھا ہے۔ قائم نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ کے زمانے (سنہ ۱۱۱۹ تا سنہ ۱۱۲۴ھ) میں مرزا رفیع بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گئے تھے۔ اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کریں تو اس زمانے میں اس کی عمر فوجی ملازمت کے لئے کم از کم ۱۸ سال ہوگی اور اس لحاظ سے سنہ ولادت سنہ ۱۱۰۶ھ سے قبل ہو سکتا ہے۔ میر حسن نے سنہ ۱۱۸۵ھ اور سنہ ۱۱۸۸ھ کے مابین لکھا ہے کہ اس کی عمر ۷۰ سال کی ہوگی اس اعتبار سے اس کا سال ولادت سنہ ۱۱۱۵ھ اور سنہ ۱۱۱۸ھ کے درمیان پڑتا ہے۔ ہمارے خیال میں قائم کا بیان زیادہ معتبر ہے۔ کابلی دروازے

---

[1] مخزن نکات۔ [2] تذکرۂ شاہ کمال۔

Marfat.com

کے علاقے میں گھر تھا[1]۔ جہاں سودا کا بچپن گزرا۔ اس گھر کا ایک بڑا پھاٹک تھا جس میں آگے چل کر سودا کی نشست رہنے لگی تھی وہ دروازہ تباہی دہلی میں تباہ ہوا اس کے بچپن کے حالات ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں لیکن قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ بچپن میں کسی قدر تیز اور شوخ ہوگا۔ ابتدائی تعلیم اس زمانے کے رواج کے مطابق مکتب میں ہوئی تھی۔

آں بہارِ عمر کو سودا بایاد مے کہ من
صبح می رفتم سوئے مکتب گلستاں در بغل

اس کی تصانیف اور کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم باضابطہ اور عمدگی سے ہوئی تھی۔

اس کا بچپن خوش حالی اور فارغ البالی میں گزرا۔ کچھ عرصے کے بعد جب باپ کا انتقال ہوا تو ترکہ میں بہت کچھ نقد وصول ہوا، جسے اس نے نہایت قلیل مدت میں شاعر مزاجی کے اقتضا سے یارباشی اور احباب پرستی کی نذر کر دیا "زرے کہ از ترکہ وے (پدرش) بدست مرزا افتاد در مدت قلیل بقتضائے شاعر مزاجی بہ سبیلِ دوستیہا بباد داد[2]"۔ خود اس نے اپنی شاعر مزاجی اور خوش مستی کی طرف ایک شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

صحبت شعر و بکف جام و صراحی در دست
اس سوا مرد اکو کچھ کام نہیں دنیا سے

اس میں جام بکف اور صراحی در دست کا اشارہ یارباشی اور احباب پرستی کی طرف ہے۔ اس زمانے میں شعر و شاعری کے چرچے اور شاعرانہ محفلوں کی ہنگامہ آرائی اچھے اچھے ثقات اور خشک دل مولویوں کو بھی متاثر کیے بغیر نہ رہ سکی

---

[1] آب حیات۔ [2] مخزن نکات۔

Marfat.com

سوداؔ تو نوجوان اور شاعر مزاج تھا وہ زیادہ متاثر ہوا اور شعر و سخن میں مگن رہنے لگا۔ جو کچھ ترکہ میں ملا تھا پھونک ڈالا۔ اب معاش کے ذرائع تنگ تھے۔ فوج میں نوکری کرنی پڑی۔ میرؔ نے اسے نوکر پیشہ اور گردیزی نے سپاہی پیشہ لکھا ہے۔ حمید اورنگ آبادی اسے منصب دار بتاتا ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ سوداؔ نے ابتداءً فوج میں نوکری کرلی تھی۔ قائمؔ نے بھی لکھا ہے کہ وہ بہادر شاہ کی فوج کے ساتھ دکن گیا تھا۔ مرزا ابوطالب متوطن پرینڈہ نواح اورنگ آباد کے ذکر میں قائمؔ لکھتا ہے، مرزا ابوطالب المتخلص بہ طالب مردے بود ہفتاد سالہ از متوطنان قصبۂ پرینڈہ[1] نواح اورنگ آباد است۔ در لشکر بہادر شاہ سابقۂ آشنائی با عمرے بزرگوار حضرتم مرزا رفیع صاحب بہم رسانده ہمراہ لشکر ظفر اثر بہ رفاقتِ ایشاں برائے کار جاگیر خود بہ دار الخلافت شاہ جہاں آباد رسیده تا مدتے کہ اقامت نمود ہم خانۂ ایشاں بود۔ خود سوداؔ نے اس قصیدے میں جو حضرت علیؓ کی منقبت میں لکھا ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

کہی جاتی نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے
جس طرح کی میری اوقات میں ڈالی ہل چل

لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا لشکر میں
پال بے چوب تلے اپنے بغیر از پرتل

معلوم ہوتا ہے کہ فوج کی نوکری سے جلد دست برداری حاصل کرلی تھی، اور معاش کے دوسرے ذرائع اختیار کئے۔

یہ چونکہ ذی عزت باپ کا بیٹا اور نامور نانا کا نواسا تھا اس لئے اُسے آسانی

---

[1] تذکرہ میں بلنڈہ ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے اس نام کا کوئی مقام اس زمانے میں صوبۂ اورنگ آباد خجستہ بنیاد میں نہیں تھا۔ البتہ پرینڈہ اس زمانے میں ملکی تقسیم کی رو سے صوبۂ اورنگ آباد میں شامل تھا۔ یہ مقام آج کل سرکار عالی کے ضلع عثمان آباد میں ہے۔

Marfat.com

سے امرا و سلاطین کا تقرب نصیب ہوا " ترکہ بباد دادہ بہ مصاحب پیشگی برآمد، قبول ملوکِ نامدار و تقرب سلاطینِ عالی مقدار ادرا میسر گشت[1] " گویہ مصاحب پیشگی پر اُتر آیا لیکن مصاحب بننا بھی آسان نہ تھا۔ اس زمانے کے امرا و محمد حسین کا حال خود سودا نے لکھا ہے :-

پس فرض کیا کیا ہے کہ اشعارِ رتبہ دار
بے حیا کے تو پڑھا کرے ان ناکساں تلک
جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لاویں زباں تلک
نزدیک جن کے ہے وہ بڑا صاحب کمال
منصب کا جس کے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک
گو بو علی سلام کرے آن کر انھیں
سینہ پہ وے ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک
چاہیں کہ ہم کلام ہوں اس سے تو یہ کہیں
پہنچے ہے تیرا سلسلہ کس خاندان تلک
آدم تک اُن کے پاس غرض آدمی نہیں
پہنچا وے تا نسب کو نہ شائستہ خاں تلک

خاندانی اور نسلی اعزاز و امتیاز کے ساتھ سودا میں ذاتی اوصاف بھی تھے اور سب سے بڑا وصف تو یہ تھا کہ وہ بڑا شاعر تھا۔ اسی لئے اسے یہ اعزاز نصیب ہوا۔ علی لطف نے لکھا ہے ۔ طبع رسا کی مربی گری سے انیس و جلیسِ سلاطین نامدار اور وزرا عالی تبار کے رہے "۔

---

[1] مخزن نکات۔

Marfat.com

سوداؔ نے دہلی میں پرورش پائی تھی۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانے میں وہاں شعر و شاعری کے چرچے عام تھے۔ شاعری اُس زمانے میں لوازمِ شرافت سے تھی۔ ابتداءً ماحول نہایت خوشگوار اور موافق تھا۔ اس کی طبیعت کو شعر و سخن سے فطری مناسبت تھی، صرف رہنمائی کے لئے استاد کی ضرورت تھی۔ اس زمانے میں مرزا محمد زماں عرف سلیمان قلی خاں "وداد" مشہور اُستاد تھے۔ ان کے دادا اصفہان سے آئے تھے، یہ خود دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ نواب موسوی خاں کے ساتھ بڑے اعزاز سے زندگی بسر کرتے تھے۔ تین سو روپے ماہانہ پاتے تھے اور شعر کہہ کر دل خوش کرتے تھے[۱]

سوداؔ نے ابتداءً فارسی میں طبع آزمائی کی اور انھیں سے اصلاح لینی شروع کی۔

سوداؔ کی شاعری کے آغاز کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن ۱۱۴۳ھ اور ۱۱۵۰ھ کے درمیان اس کی اُردو شاعری نے فروغ پایا تھا۔ اور اس کا کلام اپنے وقت کے سخن فہموں میں روشناس ہو چکا تھا جیسا کہ اس نے سبیل ہدایت اور رسالۂ عبرت الغافلین میں جو ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۵ھ کے مابین لکھنؤ میں لکھا گیا ہے، اپنی شاعرانہ شہرت کی مدت علی الترتیب چالیس اور پینتالیس سال بتائی ہے۔ شاعری میں اس نے سوداؔ تخلص اختیار کیا اس کی نسبت "بعض[۲] کا قول ہے کہ باپ کی سوداگری سودا کے لئے وجہِ تخلص ہوئی لیکن بات یہ ہے کہ ایشیا کے شاعر ہر ملک میں عشق کا دم بھرتے تھے اور سودا دیوانگی عشق کے ہمزاد ہیں اس لئے وہ بھی ان لوگوں کے لئے باعثِ فخر ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے سوداؔ تخلص کیا اور سوداگری کی بدولت ایہام کی صنعت رد کن میں آ گئی"۔ اسپرنگر نے بھی قائم کے حوالے سے باپ کی سوداگری کو وجہِ تخلص بتایا ہے۔ قائم کا تذکرہ چھپ چکا ہے اس میں یہ مذکور نہیں۔

اُس زمانے میں ایک اور فاضل عالم خان آرزو تھے۔ ان کے فضل و کمال سے

۱؎ عقدِ ثریا، آبِ حیات۔ ۲؎ آبِ حیات۔

Marfat.com

دلی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے علما اور شعرا فیض پاتے تھے۔ ان کے ہاں مراختہ کی محفل منعقد ہوتی تھی۔ سودا ان کا شاگرد تو نہ تھا مگر بقول آزاد ان کی "صحبت سے فائدے بہت حاصل کئے۔ چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے، خان آرزو نے کہا مرزا! فارسی اب تمھاری زبان مادری نہیں، اس میں ایسے نہیں ہو سکتے کہ تمھارا کلام اہل زبان کے مقابل میں قابل تعریف ہو۔ طبع موزوں ہے، شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے، تم اردو کہا کرو تو یکتائے زمانہ ہوگے۔ مرزا بھی سمجھ گئے اور دیرینہ سال استاد کی نصیحت پر عمل کیا۔" قدیم تذکرہ نگار اس باب میں خاموش ہیں آزاد کے بیان کا ماخذ معلوم نہیں، لیکن سودا کے ایک داخلی بیان سے ثابت ہے کہ وہ فارسی میں طبع آزمائی کو تضیع اوقات سمجھتا تھا۔ اس کا ایک قطعہ ہے جس میں فاخر مکیں پر طنز کرتے ہوئے ایک فارسی داں کا قول بیان کیا ہے:-

میں ایک فارسی داں سے کہا کہ اب مجھ کو
ہوئی ہے بندشِ اشعار فرسی ذہن نشیں
جو آپ کیجئے اصلاح شعر کی میرے
نہ پائیے غلطی تو محاورہ میں کہیں
ہے اور زیر فلک ذات میرزا فاخر
سلامت ان کو رکھے حق سدا بروئے زمیں
سو کب انھوں کو ہے اصلاح کا کسو کی دماغ
قبول کب کرے ان کی متانتِ رنگیں
کہا یہ بعد تامل کہ دوں جواب تجھے
جو میری بات کا لائے یار تجکو ہوئے یقیں
جو چاہے یہ کہ کہے ہند کا زباں داں شعر
تو بہتر اس کے لئے ریختے کا ہے آئیں

Marfat.com

دگر نہ کہہ کے وہ کیوں شعر فارسی ناحق
ہمیشہ فارسی داں کا ہو موردِ نفریں

کوئی زبان ہو لازم ہے خوبیٔ مضموں
زبانِ فرس پہ کچھ منحصر سخن تو نہیں

اگر فہیم ہے تو چشم دل سے کر کے نظر
زباں کا مرتبہ سعدی سے لے کے تا بہ حزیں

کہاں تک ان کی زباں تو درست بولے گا
زبان اپنی میں تو باندھ معنیٔ رنگیں

دیارِ ہند میں دو چار ایسے ہو گزرے
جنھوں نے باز رکھا مضحکے سے اپنے تئیں

چنانچہ خسرو و فیضی و آرزو و فقیر
سخن انھوں کا مغل کے ہے قابل تحسیں

سوائے ان کے کوئی اور بھی ہو پر شاعر
سوادِ ہند میں وہ ہی ہیں، بامزہ نمکیں

اس سے ظاہر ہے کہ خان آرزو کا مشورہ نہیں تھا۔ اگر وہ مشورہ دیتے تو اس طرح فخریہ مسلم الثبوت اساتذہ میں اپنا شمار نہ کرتے۔ اردو میں طبع آزمائی کے مشورے کی اس زمانے میں کوئی ضرورت نہ تھی۔ خود اردو کی مقبولیت اور لوگوں کے بڑھتے ہوئے عام رجحان نے فارسی کا بت توڑ دیا تھا۔ نووارد سے ایرانی بھی اس سے نہ بچ سکے۔ سودا تو ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اور پورا ہندوستانی تھا۔ ماحول کے عام مذاق کے اثر سے اس نے فارسی کو کم التفاتی سے دیکھا۔ اس نے اپنے قطعے میں جس بنیادی خیال کو پیش کیا ہے اسی کی بنا پر فارسی کی بجائے

Marfat.com

اُردو میں طبع آزمائی کرنے کو ترجیح دی ہے۔ یہ اس کے حق میں مفید ہوا ورنہ وہ ایک ایسی زبان کے پیچھے اپنے دل ودماغ کی قوتیں زائل کر دیتا جس میں بہ ہزار فکر و کاوش کوئی نئی بات پیدا نہیں کی جا سکتی تھی۔

اُردو میں طبع آزمائی کا خیال پیدا ہوا تو استاد کی تلاش ہوئی۔ اس زمانے میں حاتم دلی کے مشہور استاد تھے۔ ان کی شہرت عام تھی۔ اچھے اچھے سخنوران کی شاگردی کا دم بھرتے تھے اور وہ خود بھی اس کی طرف فخریہ اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے :-

تمام ہند میں دیوان کو ترے ، حاتم ،
رکھے ہیں جان سے اپنی عزیز عام اور خاص

رحاتم ، کا شعر تیس برس سے ہے ہند میں
صاحب قراں ہے ریختہ گوئی کے فن کے بیچ

آٹھ تیس برس ہوئے کہ "حاتم" مشاق د قدیم دکہنہ گو ہے

سودا بھی ان کی شہرت سن کران کا شاگرد ہوا۔ طبیعت میں خداداد ملکہ تھا، اور سخن سے فطری لگاؤ، اس لئے بہت جلد چمکا۔ شاہ حاتم اپنے شاگرد سے بہت خوش تھے۔ چند ہی دنوں میں اس کے اوصاف شاعرانہ پر ناز کرنے لگے اور آخر تک اس کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے مجموعہ کلام (دیوان زادہ) پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں اپنے شاگردوں کی فہرست لکھی تو سودا کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا ہے کہ اس سے فخر کی خوشبو آتی ہے۔ قاسم نے میاں ہدایت کی زبانی ایک روایت[1] بیان کی ہے کہ شاہ حاتم جب سودا کی غزل کو اصلاح دیتے تھے تو اکثر یہ شعر

---

[1] مجموعۂ نغز؛ آب حیات۔

Marfat.com

پڑھا کرتے تھے۔

از ادب صائب، خموشم ورنہ در ہر داد ئے
مرتبہ شاگردیٔ من نیست استاد مرا

اور احباب سے کہتے تھے کہ یہ شعر صائب نے میری استادی اور مرزا رفیع کی شاگردی کے حق میں کہا ہے۔ لکھنؤ سے مرزا کے قصیدے اور غزلیں آئیں تو آپ دوستوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور خوش ہوتے۔

سودا اردو میں طبع آزمائی کرنے لگا تو اس کے جوہر خوب کھلنے لگے، شہر میں شہرت ہونے لگی۔ یہ مشاعروں میں اپنی غزل پڑھنے لگا۔ اس زمانے میں سب سے زیادہ مشہور محفل مراختہ خان آرزو کی تھی۔ اس میں اچھے اچھے استاد شریک ہوتے تھے۔ سودا بھی اس میں غزلیں پڑھتا تھا چنانچہ مشہور واقعہ ہے[۱] کہ اس مشاعرے میں اس نے اپنی ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے۔

آلودہ ز قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

خان آرزو نے فوراً ایک فی البدیہہ شعر موزوں کیا۔

شعر سودا حدیثِ قدسی ہے　　　چاہیئے لکھ رکھیں فلک پہ ملک

مدعا اس کا یہ تھا کہ سودا نے قدسی کے اس شعر کا ترجمہ کیا ہے:۔

آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبیں را　　　اختر ز فلک می نگرد روئے زمیں را

"سودا بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے، خاں صاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکریے کے ساتھ خوشی ظاہر کی گویا حقیقتاً خان صاحب نے ان کے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا[۲]"

---

[۱] مجموعۂ نغز؛ تاریخ شعرائے اردو؛ آب حیات۔ [۲] آب حیات۔

Marfat.com

سودا کو جب زرا زیادہ شہرت اور قبولیت نصیب ہوئی تو اس کی زندگی نے نیا رخ بدلنا شروع کیا، مقتدر اُمرا اور سلاطینِ وقت تک اس کی رسائی ہونے لگی۔ ہم اوپر قائم کا بیان لکھ چکے ہیں کہ اس کو قبول ملوک نامدار اور تقربِ سلاطین عالی مقدار میسر ہوا۔ اس کا صاف مدعا یہ ہے کہ اس کی شاعری نے بہت جلد عام شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی تھی جس کی بنا پر وہ سلاطین و امرار سے روشناس ہوا۔ قائم نے جن سلاطین و ملوک کا ذکر کیا ہے ان سے مراد غالباً احمد شاہ اور عالمگیر ثانی ہیں۔ احمد شاہ سے قبل محمد شاہ کے آخری زمانے میں سودا کی شاعری نے فروغ پایا۔ چنانچہ محمد شاہی خواجہ سرا بسنت خاں کی مدح میں جو دو قصیدے ہیں ان سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ احمد شاہ کی مدح میں سودا کا کوئی قصیدہ نہیں لیکن عجیب بات ہے کہ میر صاحب نے اسی زمانے میں لکھا ہے: "ملک الشعرائی ریختہ اورا شاید"۔ عالمگیر ثانی کی مدح میں سودا نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے عہد میں قائم لکھتا ہے: "بالفعل (سنہ ۱۱۶۸ھ) بخطاب ملک الشعرائی کہ مہین پایہ سخنوراں است عز و امتیاز دارد"۔ میر و قائم کے بیانات سے ظاہر ہے کہ سودا کو دربار دہلی سے سنہ ۱۱۶۸ھ سے قبل ملک الشعرائی کا خطاب مل چکا تھا۔ لیکن ایک مشہور روایت سے (جس کو محمد انوار حسین تسلیم سہسوانی نے بھی کلیات سودا مطبوعۂ نول کشور سنہ ۱۲۸۹ھ کے خاتمہ پر نقل کیا ہے) یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی حزیں نے سودا کو ملک الشعرائی کا خطاب دیا تھا۔ جب سنہ ۱۱۴۷ھ شیخ ہندوستان آیا تو کچھ عرصے تک دہلی میں بھی رہا۔ ایک روز سودا ملنے گیا، شعر پڑھنے کی اجازت حاصل کی اور اپنا یہ شعر پڑھا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شیخ نے پوچھا "تڑپے ہے" کے کیا معنی؟ کہا "می تپد"۔ شیخ نے پھر شعر پڑھوایا اور زانو پر مار کر کہا "مرزا رفیع قیامت کردی۔ یک مرغ قبلہ نما باقی بود آنرا ہم

Marfat.com

نہ گزاشتی " یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے، فرطِ مسرت سے بغل گیر ہوئے اور اس خطاب سے سرفراز کیا۔ اس روایت کی ہلکی سی تائید سودا کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

ممکن نہیں یہ روحِ مقدس سے حزیں کے
ایسی جو غزل ہوئے تو سودا صلہ دے چھوڑ

اگر یہ روایت صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ سودا کو یہ خطاب محمد شاہ کے آخری زمانے میں ملا اس لیے کہ شیخ کا قیام اسی زمانے میں دہلی میں تھا اور ممکن ہے کہ میر قائم نے اسی واقعہ کی بنا پر لکھا ہو، لیکن شیخ سے ایسی توقع رکھنا بے جا ہے کہ اس نے ایک ریختہ گو ہندوستانی شاعر کو محض ایک شعر کے سننے پر اتنی عزت بخشی ہو۔ اس کی کتاب (احوالِ حزیں) اپنے وقت کی " مدر انڈیا " ہے کیا تعجب ہے کہ اس نے سودا کو " در پوچ گویانِ ہند بد نیستی " کہا ہو جیسا کہ مشہور ہے۔ بہر حال میر قائم کے بیانات اور یہ روایت ثابت کرتے ہیں کہ ملک الشعرائی کا خطاب کم سے کم ۱۱۶۵ھ سے قبل سودا کو مل چکا تھا۔ مصحفی کا بیان ان سب سے مختلف ہے۔ اس نے لکھا ہے " بعضے او (سودا) را دریں فن بملک الشعرائی پرستش می کنند " مصحفی کا یہ مبہم بیان ان مستند بیانات کی موجودگی میں کچھ قابلِ لحاظ نہیں۔ آزاد دہلوی نے شاہ عالم بادشاہ کے متعلق اس خطاب کے سلسلے میں جو افسانہ گھڑا ہے وہ ان بیانات کی موجودگی میں بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال جب سودا کو شہرت نصیب ہوئی تو اس کے کئی قدردان پیدا ہو گئے۔ اس کا سب سے پہلا سرپرست امیر محمد شاہی عہد کا خواجہ سرا بسنت خاں تھا۔ خود سودا نے لکھا ہے :-

جو کچھ کہا ہے تو نے یہ تجھ کو سب مبارک
میں اور میرے سر پر میر البسنت خاں ہو

Marfat.com

کس واسطے کہ مجھ کو اتنا ہی چاہیے ہے
جامہ ہو ایک تن پر کھانے کو نیم ناں ہو

سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفرانِ نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو

اتنی ہی آرزو ہے کچھ عمر ہو جو باقی!
مصرف جہاں میں اُس کا تیرے قدم کے یہاں ہو

کب جا سکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پر وہ سنگ آستاں ہو

محمد شاہ (متوفی ۱۱۶۱ھ) کے بعد جب احمد شاہ کا دور آیا تو سودا دہلی ہی میں تھا اور اس عہد کے امیروں کی سرپرستی میں لبسر کرتا تھا۔ احمد علی خاں سیف الدولہ سادات خاں ذوالفقار جنگ کے بھانجے تھے اور احمدیوں کے بخشی، ان کی مدح میں سودا کے تین قصیدے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے حال پر بطور خاص مہربان تھے۔

کہنے لگا کہ تجھ سے تعجب ہے یہ سخن
اتنا تو ہو کے عاقل ودانا د ہوشیار

یہ رمز اب تلک نہیں سمجھا ہزار حیف
ہے یہ وہ جس کے خوانِ کرم کا تو ریزہ خوار

یعنی وہ سیف دولہ بہادر کہ جس کی تیغ
کرتی رہی سدا سرِ اعدا پہ کارزار

اسی زمانے میں نواب عماد الملک کا ستارہ چمکا۔ انھوں نے احمد شاہ بادشاہ کو ۱۱۶۷ھ میں بصارت سے محروم کیا اور عالمگیر ثانی (جہاندار) کو تخت پر بٹھایا۔

Marfat.com

خود خلعت وزارت پہنا، ملکی سیاسیات میں اُن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ سوداؔ کے یہ بھی سرپرست تھے، اُن کے زمانے میں اِسے ہر طرح کی فارغ البالی حاصل تھی ان کی مدح میں لکھا ہے :-

اس کے مصرف کے جو دیہات ہیں بس اُن میں سے
اپنے مداح کو بھی کر دے مقرر صحنک

تو ہی ٹک دل میں کر اب عرض کا میری انصاف
جائے کس در پہ کوئی پہنچ کے ایسے در تک

ذیل کے اشعار سے عماد الملک کی غیر معمولی سیاسی اہمیت اور شخصیت کا اندازہ ہو گا۔ سلطنت کے بنیادی کاموں میں ان کا زبردست ہاتھ تھا۔ وزیر تھے اور امورِ مملکت میں بطورِ خاص دخیل :-

نہیں ہے معجز عیسیٰ سے کم تیری تدبیر
کیا ہے زندہ سیر نو سے جن نے عالم گیر

سنا نہیں ہے کہ غازیٔ دیں عماد الملک
جو میر بخشی تھا وہاں کا سو اب ہوا ہے وزیر

اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے اے ناداں
تو ہو سکے گی پھر اس وقت اس کی کچھ تدبیر

کرے ہے عرض یہ سوداؔ ہمیشہ عالم کا
رہے تو کارکشا اے امیر ابنِ امیر

آج اُس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بہ صورت ہے وہ انسان و بہ سیرت ہے ملک

Marfat.com

یعنی نواب سلیماں فرو نام آصف جاہ
عہد میں جس کے یہ غیور بزرگ و کوچک

کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا دخل
مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولد کودک

یہ صحیح ہے کہ سوداؔ کی ان امیروں کی سرپرستی میں اطمینان اور فارغ البالی سے گزرتی تھی۔ ان کی قدردانیوں نے اُس کو کبھی انتشارِ طبع اور پریشانی خاطر کا شکار نہ ہونے دیا۔ لیکن یہ رنگ زیادہ دنوں جما ہوا نہ رہا، اور بہت جلد بگڑ گیا۔ والیٔ ملک کی نادانی و نااہلی نے سلطنت کو غیر محفوظ اور متزلزل کر دیا تھا۔ سوداؔ صاحبِ تخت و تاج سے نالاں تھا، یہ دراصل ان لوگوں کے حامیوں اور ساتھیوں میں تھا جو اپنے وقت کے دربار کے زبوں حال سے مطمئن نہ تھے۔ اسی لئے وہ دہلی سے بھاگنا چاہتا تھا۔ اس بیزاری کی شہادت میں وہ مخمس پیش کیا جاسکتا ہے جس میں سوداؔ نے والیٔ ملک کی ناگفتہ بہ حالت اور اعیانِ مملکت کے حال زبوں کی ننگی تصویر کھینچی ہے بادشاہ اور درباردارں کی ہجو کہی ہے لیکن دلّی سے بیزاری کا رنگ نمایاں ہے:۔

امیر اب جو ہیں دانا انھوں کا ہے یہ حال
ہوے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کی چال

بچھے ہے سوزنی خوجہ کھڑا اچھلے ہے رومال
حضور بیٹھے ہیں ایک دو ندیم اہل کمال

دھری ہے روبرو ایک پیک دان اور تنبول

جو کوئی ملنے کو آن کے انھوں کے گھر آیا
ملے یہ اس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا
انھوں نے پھیر کے اُدھر سے منہ یہ فرمایا

Marfat.com

خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لئے جمع ہوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کا فکر اس طرح کریں ہیں مشیر
وطن پہنچنے کی بخشی کو سوجھی ہے تدبیر
کھڑا یہ اٹکلے دیوان خاص بیچ وزیر
کہ شامیانے کے بانسوں پہ ہیں روپے کے خول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ رو دیئے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

یہ بیّن ثبوت اس بات کا ہے کہ سودا دل سے دلی کو ترک کرنا چاہتا تھا، لیکن کچھ دنوں جو وہاں ان دل شکن حوادث وانقلابات کے باوجود ٹھہر گیا محض دوست احباب کے اصرار سے۔ چنانچہ ایک رباعی میں خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خواجہ میر درد کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔[1]

نادیدنی از بسکہ ہے رُوئے عالم | ہے کفر ملاقات جو کیجے باہم
کرتا ہوا کہیں جانے کا جس وقت ہیں عزم | درد آن کے سودا میرے پکڑے ہے قدم

وہ حوادث وانقلابات سے گھبرا گیا تھا اور موقع کا طالب تھا اور یہاں نہ ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی طرح دہلی سے باہر کوئی پُر امن جگہ مل جائے، اتفاق سے اسے ایک موقع ہاتھ آیا۔ جب[2] شاہ درانی کے مشورے سے ۱۱۶۷ھ میں عماد الملک دو شہزادوں کو

---

[1] مخزن نکات۔

لے کر دو آبے سے زرِ خطیر وصول کرنے گئے اور فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے پاس ٹھہرے تو سودا بھی ہمراہ تھا۔ بنگش نے نواب عماد الملک اور شہزادوں کا بڑا احترام کیا۔ شجاع الدولہ کے خلاف ان کی مدد کی۔ اُس کا دیوان مہربان خاں تھا جو کمالِ نیک نامی سے اوقات گزارتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کمال عزت تھی، یہاں تک احمد خاں بنگش اسے اپنا بیٹا کہتا تھا۔ مجلسِ رنگیں و بزمِ ارم تزئین رکھتا ہے اور ہر صادر و وارد کے ساتھ اپنی استعداد اور حوصلے کے مطابق سلوک کرتا ہے، اہلِ سخن کے ساتھ سرگرمِ سخن رہتا ہے اور ہر صاحب فن کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے جس طرح جسم میں جان۔ زیورِ اخلاق سے آراستہ ہے، موسیقی اور ہندی شاعری (کہ عبارت ہے کبت سے) بہرہ رکھتا ہے۔ امارت ظاہری اس مرتبہ پر پہنچ گئی ہے کہ امرا سے حال و سابق کا انیس و جلیس ہوگیا ہے[1]۔ اس کے سوا موزوں طبع تھا۔ شاعری میں سوز سے اصلاح لیتا تھا۔ دوسرے کئی ریختہ گو شاعر پہلے ہی سے اس کی سرکار میں موجود تھے اور اب جب کہ نواب غازی الدین خاں کے ساتھ سودا پہنچا تو اس نے نواب موصوف سے درخواست کی کہ مرزا کو اس کی رفاقت میں رکھنے کی اجازت دیں[2]۔ سودا کی شاعری کا شور یہ پہلے ہی سن چکا تھا اور اب جبکہ ملاقات ہوگئی تو اور زیادہ متاثر ہوا اور بڑے اشتیاق و اصرار سے مرزا کو اپنی رفاقت میں رکھنے کی اجازت حاصل کر لی۔

جب تک دربار دہلی میں ذرا بھی جان تھی اور اُمرا و رؤسا کی عظمت و شان برقرار تھی اس وقت تک سودا کی بھی چین سے گزرتی تھی۔ معاش کا کوئی دغدغہ نہ تھا۔ اور اسی لئے دہلی چھوڑنے کا کبھی دل میں وسوسہ نہ آیا، لیکن جب یہ رہا سہا رنگ بھی بگڑا اور سرپرست امرا کا سیاسی اقتدار معرضِ خطر و زوال میں نظر آنے لگا اور روز بروز ابتری پھیلنے لگی تو اس کے بھی پائے ثبات میں لغزش آئی۔

---

[1] تذکرۂ میر حسن۔ [2] مخزن نکات۔

Marfat.com

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کر آب بحث ہے جب تک ہے تاک بیں صہبا

اس سے بڑھ کر ترک دہلی کا بہانہ اور کیا ہو سکتا تھا، چنانچہ جب اس نے مہربان خاں کا اصرار حد سے گزرا دیکھا تو ٹھہر گیا۔ یہاں ٹھہرنے کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ خود مہربان خاں صاحبِ ذوق شاعر اور شاعر پرست تھا، رندؔ اس کا تخلص تھا۔ موسیقی وغیرہ میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ سوداؔ قدر دانی کا بھوکا تھا اور موسیقی کا بڑا ماہر۔ سوزؔ جیسا باکمال شاعر یہیں تھا۔ ان حالات میں فرخ آباد کا قیام اس کے لئے نامناسب نہ تھا۔

فرخ آباد میں سوداؔ کا قیام ۱۱۸۵ھ سے کچھ پہلے تک رہا۔ یہاں اس نے بڑے اعزاز سے گزاری اور ہر طرح خوش اور مطمئن رہا، اپنے شاعرانہ کمال سے نزدیک و دور مشہور و مقبول ہوتا رہا۔ اسی شہرت و مقبولیت کا اثر تھا کہ جب ۱۱۶۶ھ میں شجاع الدولہ مسند نشین ہوئے اور اودھ کی حکومت کی باگ ان کے ہاتھ میں آئی تو کچھ دنوں کے بعد سوداؔ کو "کمال اشتیاق سے برادرِ من مشفقِ من لکھ کر خط مع سفر خرچ بھیجا، سوداؔ نے فقط اس رباعی پر حسنِ معذرت کو ختم کیا[1]۔"

سوداؔ پئے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ باں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

آزادؔ نے لکھا ہے کہ دلی چھوڑنا گوارا نہ تھا اس لئے معذرت میں یہ رُباعی لکھ بھیجی۔ یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ شجاع الدولہ کی مسند نشینی کا وہ زمانہ ہے جس میں ان کو اہم ملکی معاملات و مہمات سے سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ دوسرے سوداؔ کے سرپرست عماد الملک سے ان کی مخالفانہ چشمک تھی۔ ان کی تخت نشینی کے بعد ہی

---

[1] آب حیات۔

Marfat.com

عماد الملک نے احمد شاہ ابدالی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شجاع الدولہ سے زرِ خطیر وصول کرکے پیش کریں گے۔ چنانچہ اس غرض سے انھوں نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ دوآبے کا سفر کیا۔ سودا بھی ساتھ تھا۔ فرخ آباد سے آگے مہربان خاں کے اصرار نے اس کو آگے بڑھنے نہ دیا جس رباعی کو اس دعوت کی معذرت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے وہ رباعی ۱۱۷۴ھ کے مکتوبہ کلیات میں موجود نہیں۔ ان حالات میں شجاع الدولہ کا دہلی میں دعوت بھیجنا قرینِ صحت نہیں معلوم ہوتا۔ یہ ممکن ہے کہ قیام فرخ آباد کے دوران میں یہ طلبی ہوئی ہو۔ اس لئے کہ اس وقت تک شجاع الدولہ کے حصے میں بڑی حد تک فرصت و فراغت آچکی تھی اور یہی زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو فرخ آباد میں یہ دعوت پہنچی اور اس نے اس کے جواب میں یہ رباعی لکھ بھیجی۔ اس لئے کہ اس میں در بدر کی آوارگی کا اشارہ کیا گیا ہے۔ فرخ آباد جانے سے پہلے اس کو تلاش معاش میں کسی دوسری جگہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہاں سے دوسری جگہ جانا آوارگی تھی۔ شجاع الدولہ کے علاوہ محمد یار خاں خلف علی محمد خاں والیٔ ملک روہیلکھنڈ وغیرہ نے بھی اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی لیکن فرخ آباد میں وہ اس قدر خوش تھا کہ اس دعوت کو بھی رد کر دیا۔ اگر یہاں خوش نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ دونوں جگہوں میں سے کہیں چلا جاتا اس لئے کہ یہ دونوں شعر و سخن کے قدر دان تھے۔ شجاع الدولہ کی سخاوت و قدر دانی مشہور رہے۔ محمد یار خاں بھی صاحب ذوق حاکم تھا موسیقی کا بڑا ماہر اور شعرا کا زبردست پرستار تھا۔ اس کی سرکار میں کئی شاعر جمع تھے چنانچہ قدسی لاہوری، میر محمد نعیم، پروانہ علی شاہ پروانہ مرادآبادی، میاں عشرت ہزال، حکیم کبیر اور میاں مصحفی اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ سودا اور سوز کے دعوت رد کرنے پر اس نے قائم کو بلاکر سو روپے کے مشاہرہ پر اپنے ہاں رکھ لیا تھا۔ خود بھی اچھا شاعر تھا اور شاعروں کی حد سے زیادہ قدر کرتا تھا۔

Marfat.com

نامور شعرائے ریختہ کی تصویروں کا مرقع ایک سحر کار مصور عاقل خاں سے تیار کرایا تھا۔[1]
ایسے قدردان حاکموں کی دعوت قبول نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ فرخ آباد
میں ہر طرح خوش تھا۔ یہاں کی خوش حالی اور اطمینان کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ
مہربان خاں سے اس کے تعلقات تقریباً استاد شاگرد کے تھے۔ اس کی حالت بد قسمت
درباری شاعر کی سی نہ تھی۔ بلکہ اس کو اپنے کمال کی حقیقی اور واجبی داد ملتی تھی۔ چنانچہ
جو نظمیں مہربان خاں کی تعریف میں لکھی ہیں ان کے انداز سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے۔
فرخ آباد کی قدردانی اور رتبہ شناسی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب محمد یار خاں
کی دعوت کو سودا نے قبول نہیں کیا تو اس کے درباری شاعروں کے حلقے میں غالباً اس
کا بڑا چرچا ہوا اور کچھ بعید نہیں کہ اسی لئے فدوی لاہوری وہاں سے سودا کے مقابلے
کے لئے فرخ آباد آیا لیکن جیسا کہ میر حسن نے لکھا ہے ذلت اٹھا کر واپس ہوا۔ چنانچہ
خود سودا نے بھی لکھا ہے:۔

اے بیابانِ نخسیت کے غول	بستیوں کو نہ کر تو ڈانوا ڈول
فرخ آباد کے محلوں میں	حد سے باہر تو کر چکا ہے کلول
جلد یہاں سے نکل وگرنہ ترا	بھرم اس طرح سے ہیں دوں گا کھول

فرخ آباد میں کم و بیش سترہ سال بڑی عزت و آبرو میں گزار دیئے یہاں نہ صرف
مہربان خاں اس کی قدردانی اور مزاج داری کرتا تھا بلکہ خود بنگش بھی اس پر مہربان
تھا۔ چنانچہ وہ قصائد وغیرہ جو اس کی تعریف میں ہیں اس پر شاہد ہیں۔ کہا جاتا ہے
کہ نواب احمد خاں بنگش کے انتقال پر سودا فرخ آباد سے فیض آباد گیا۔ یہ صحیح نہیں بلکہ
اس کی وفات (۱۱۸۵ھ) سے کچھ قبل اس نے فرخ آباد کو خیرباد کہی۔ نواب احمد خاں اپنی
وفات سے دو سال قبل بصارت سے محروم ہو گیا تھا۔ یہ دو سال اس کے نہایت ابتری

---

[1] تذکرۂ ہندی۔

Marfat.com

میں گزرے اور اسے حکومت کے کاروبار کو پوری طرح دیکھنے بھالنے کا موقع نصیب نہ ہوا۔ سودا کا سرپرست امیر مہربان خاں دیوان بھی اپنے سرکاری فرائض کی بہ نسبت نواب کے علاج معالجہ میں زیادہ مصروف تھا۔ نواب کی بیماری اور اس کے ادہام پرستانہ معالجے نے فرخ آباد کے پناہ گزیں شعراء کو نئی گردش کا پیغام سنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سودا نے اس کی وفات سے قبل نہ کہ بعد وفات فرخ آباد کو خیرباد کہی اس کا ثبوت خود اس کے کلام میں موجود ہے۔ مہربان خاں کے اشعار کی تعریف میں ایک مثنوی لکھی ہے اس میں اپنے رخصت ہونے کا ذکر کیا ہے اور دُعا دی ہے کہ تو نواب کے سائے میں پھلے پھولے اور سوز کی سفارش کی ہے کہ وہ ایک طائرِ خوش نوا ہے جو اتفاق سے تیری محبت کے جال میں گرفتار ہے۔ اگر وہ یہاں سے چھوٹا تو پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا:۔

شعر کے بحر میں ترا اوستاد ، کشتیٔ ذہن کو ہے بادِ مراد
اُس کو ہر طرح تو غنیمت جان پھر ملے گا نہ سوز سا انسان
کیسے ہی رام ہوں کسی کے ساتھ پنچھی پھڑکے ہوئے نہ آویں ہاتھ

کر چکا میں دُعا پہ ختم کلام پہنچے رخصت کا میری تجھ کو سلام
حشر تک زیرِ سایۂ نواب رہیو جوں آفتاب عالم تاب

ان اشعار سے صاف روشن ہے کہ سودا نے احمد خاں کی وفات (۱۱۸۵ھ) سے قبل فرخ آباد کو الوداع کہی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ ۱۱۸۳ھ تک تو ضرور فرخ آباد میں موجود تھا اس لئے کہ اس کے ایک خط کا ذکر شفیق نے گل رعنا میں کیا ہے جو غرۂ ربیع الآخر ۱۱۸۳ھ کو فرخ آباد سے ذکا کے نام لکھا تھا۔ ایسی صورت میں فرخ آباد چھوٹنے کی تاریخ ۱۱۸۳ھ اور ۱۱۸۵ھ کے درمیان پڑتی ہے۔ فرخ آباد سے نکل کر

Marfat.com

سودا فیض آباد پہنچا جو نواب شجاع الدولہ کی راج دھانی تھی۔ نواب اس کا بڑا احترام کرتا تھا اور اپنی سرکار میں اس کے رہنے کو غنیمت جانتا تھا[لے]۔ سودا نے کئی قصیدے اور قطعے وغیرہ مختلف تقریبوں سے اس کی شان میں کہے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ یہاں بڑی حد تک خوش اور فارغ البال تھا۔ دلی سے بہت سے مشاہیر اور صاحبان فن و کمال یہاں آکر جمع ہو گئے تھے۔ یہاں کی محفل نے بالکل دلّی کا سا رنگ اختیار کر لیا تھا اور سودا کے قیام سے شعر و شاعری کا بازار گرم ہو گیا تھا[لے]۔ اس لئے اس کے واسطے یہ ماحول کچھ نیا، اجنبی اور ناموافق نہ تھا۔ تین چار سال گزرنے بھی نہ پائے تھے کہ ۱۱۸۸ھ میں نواب شجاع الدولہ کا انتقال ہو گیا۔

نواب آصف الدولہ مسند آرا ہوئے۔ انھوں نے فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو مرکزِ حکومت قرار دیا۔ فیض آباد کی رچی رچائی محفل لکھنؤ میں جمی۔ سودا کو بھی وہاں جانا پڑا یہاں کا رنگ ہی کچھ اور تھا، آصف الدولہ کی نئی نئی حکومت تھی۔ رنگ رلیوں اور خوش مستیوں کا زمانہ تھا۔ نام و نمود اور شان و شکوہ کی دھن میں روپیہ پانی کی طرح بہتا تھا، یہاں بھی سودا کی عزت و توقیر میں فرق نہ آنے پایا بلکہ ایک حد تک اس کے اعزاز میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کا حال سودا کے رسالۂ عبرت الغافلین اور اس کے شاگرد حکیم اصلح الدین کے اس قصیدے سے معلوم ہو گا جو مصحفی کی ہجو میں تحریر ہوا ہے۔ آزاد دہلوی نے رسالۂ مذکور اور اس قصیدے کا خلاصہ آب حیات میں درج کیا ہے جو یہاں بجنسہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

"اشرف علی خاں نام ایک شریف خاندان شخص تھے، انھوں نے فارسی کے تذکروں اور استادوں کے دیوانوں میں سے پندرہ برس کی محنت میں ایک انتخاب مرتب کیا اور تصحیح کے لئے مرزا فاخر مکیں کے پاس لے گئے کہ ان دنوں فارسی کے

لے تذکرۂ ہندی لے تذکرۂ شاہ کمال۔

Marfat.com

شاعروں میں نامور ہی تھے۔ انھوں نے کچھ انکار کچھ اقرار اور بہت سی تکرار کے بعد انتخاب مذکور کو رکھا اور دیکھنا شروع کیا۔ مگر جابجا استادوں کے اشعار کو کہیں بے معنی سمجھ کر کاٹ ڈالا کہیں تیغ اصلاح سے زخمی کر دیا۔ اشرف علی خاں صاحب کو جب یہ حال معلوم ہوا تو گئے اور بہت سی قیل و قال کے بعد انتخاب مذکور کو لے آئے۔ کتاب اصلاحوں سے چھلنی ہوگئی تھی اس لئے بہت رنج ہوا۔ اسی عالم میں مرزا کے پاس لاکر سارا حال بیان کیا اور انصاف طلب ہوئے، ساتھ اس کے یہ بھی کہا کہ آپ اسے درست کر دیجئے۔ انھوں نے کہا مجھے فارسی زبان کی مشق نہیں، اُردو میں جو چند لفظ جوڑ لیتا ہوں خدا جانے دلوں سے کیونکر قبولیت کا خلعت پالیا ہے۔ مرزا فاخر مکین فارسی داں اور فارسی کے صاحبِ کمال ہیں انھوں نے جو کچھ کیا سمجھ کر کیا ہوگا۔ آپ کو اصلاح منظور ہے تو شیخ علی حزیں مرحوم کے شاگرد شیخ آیت اللہ ثنا، میر شمس الدین فقیر کے شاگرد مرزا بچھو ذرہ تخلص موجود ہیں۔ حکیم بوعلی خاں ہاتف بنگالہ میں، نظام الدین صانع بلگرامی فرخ آباد میں۔ شاہ نور العین واقف شاہ جہاں آباد میں ہیں ۔ یہ ان لوگوں کے کام ہیں۔

جب مرزا نے ان نامور فارسی دانوں کے نام لئے تو اشرف علی خاں نے کہا کہ ان لوگوں کو مرزا فاخر خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ غرض کہنے کے اصرار سے مرزا نے انتخاب مذکور کو رکھ لیا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو جو باکمال سلف سے آج تک مسلم الثبوت چلے آتے ہیں ان کے اشعار تمام زخمی تڑپتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر مرزا کو بھی رنج ہوا۔ بموجب صورت حال کے رسالہ "عبرت الغافلین" لکھا اور مرزا فاخر کی غلط فہمیوں کو اصولِ انشا پردازی کے بموجب کماحقہ ظاہر کیا۔ ساتھ اس کے ان کے دیوان پر نظر ڈال کر اس کی غلطیاں بھی بیان کیں اور جہاں ہو سکا اصلاح مناسب دی۔

مرزا فاخر کو بھی خبر ہوئی۔ بہت گھبرائے اور چاہا کہ زبانی پیاموں سے ان داغوں

کو دھوئیں، چنانچہ بقاء اللہ خاں بقا کو گفتگو کے لئے بھیجا۔ وہ مرزا فاخر کے شاگرد تھے اور بڑے مشاق اور باخبر شاعر تھے۔ مرزا سے ان سے خوب خوب گفتگوئیں رہیں اور مرزا فاخر کے بعض اشعار جن کے اعتراضوں کی خبر اڑتے اڑتے اُن تک بھی پہنچ گئی تھی ان پر رد و قدح بھی ہوئی چنانچہ ایک شعر ان کا تھا۔

گرفتہ بود دریں بزم چوں قدح دلِ من　　شگفتہ روئی صہبا شگفتہ کرد مرا

مرزا کا اعتراض تھا کہ قدح کو گرفتہ دل کہنا بے جا ہے۔ اہلِ انشا نے ہمیشہ قدح کو کھلے ہوئے پھول سے تشبیہ دی ہے یا ہنسی سے کہ اسے بھی شگفتگی لازم ہے۔ بقا نے جواب میں شاگردی کا پسینہ بہت بہایا اور آخر میں باذل کا ایک شعر بھی سند میں لائے۔۔۔۔۔۔ مرزا رفیع سن کر بہت ہنسے اور کہا کہ اپنے اُستاد سے کہنا کہ اُستادوں کے شعروں کو دیکھا کرو تو سمجھا بھی کرو، یہ شعر تو میرے اعتراض کی تائید کرتا ہے۔۔۔

۔۔۔۔۔ غرض یہ تدبیر پیش نہ گئی تو مرزا فاخر نے اور راہ لی۔ ان کے شاگرد لکھنؤ میں بہت تھے، خصوصاً شیخ زادے کہ ایک زمانے میں وہی ملک اودھ کے حاکم بنے ہوئے تھے اور سینہ زوری اور سرشوری کے بخار ابھی تک دماغوں سے نہ گئے تھے۔ ایک دن سودا تو بے خبر گھر میں بیٹھے تھے وہ بلوہ کر کے چڑھ آئے۔ مرزا کے پیٹ پر چھری رکھ دی اور کہا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سب لو اور ہمارے اُستاد کے سامنے چل کر فیصلہ کرو مرزا کو مضامین کے گل پھول اور باتوں کے طوطے مینا تو بنانے آتے تھے مگر یہ مضمون ہی نیا تھا سب بھول گئے۔ بیچارے نے جزدان غلام کو دیا خود میانے میں بیٹھے اور ان کے ساتھ ہوئے۔ گرد وہ لشکر شیطان تھا یہ بیچ میں تھے۔ چوک میں پہنچے تو انھوں نے چاہا کہ یہاں انھیں بے عزت کیجئے، کچھ تکرار کر کے پھر جھگڑنے لگے۔۔۔۔۔۔

اتفاقاً سعادت علی خاں کی سواری آنکلی۔ مجمع دیکھ کر ٹھہر گئے اور حال دریافت کر کے سودا کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بیٹھا کر لے گئے۔ آصف الدولہ مرحوم صدر میں دسترخوان پر

Marfat.com

بیٹھے تھے سعادت علی خاں اندر گئے اور کہا کہ بھائی صاحب بڑا غضب ہے، آپ کی حکومت اور شہر میں یہ قیامت۔ آصف الدولہ نے کہا کیوں بھئی خیر باشد۔ انھوں نے کہا کہ مرزا رفیع جس کو باوا جان نے برادرِ من اور مشفقِ مہربان کہہ کر خط لکھا، آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ آیا، آج وہ یہاں موجود ہے اور اس حالت میں ہے کہ اگر اس وقت میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس بیچارے کو بے حرمت کر ڈالا تھا۔ پھر سارا ماجرا بیان کیا۔ آصف الدولہ فرشتہ خصال گھبرا کر بولے کہ بھئی مرزا فاخر نے ایسا کیا تو مرزا کو کیا کیا گویا ہم کو بے عزت کیا۔ باوا جان نے ان کو بھائی لکھا تو وہ ہمارے چچا ہوئے۔ سعادت علی خاں نے کہا اس میں کیا شبہ ہے۔ اسی وقت باہر نکل آئے۔ سارا حال سنا بہت غصے ہوئے اور کہا کہ شیخ زادوں کا محلہ اکھڑوا کے پھینک دو اور شہر سے نکلوا دو۔ مرزا فاخر کو جس حال میں ہو اسی حال میں حاضر کرو۔ سودا کی نیک نیتی دیکھنی چاہیے۔ ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جناب عالی ہم لوگوں کی لڑائی کاغذ قلم کے میدان میں آپ ہی فیصل ہو جاتی ہے حضور اس میں مداخلت نہ فرمائیں۔ غلام کی بدنامی ہے جتنی مدد حضور کے اقبال سے پہنچی وہ کافی ہے۔ غرض مرزا رفیع باعزاز و اکرام وہاں سے رخصت ہوئے۔ نواب نے احتیاطاً سپاہی ساتھ کر دئے۔ حریفوں کو جب یہ راز کھلا تو امرائے دربار کے پاس دوڑے۔ صلاح ٹھہری کہ معاملہ روپیہ یا جاگیر کا نہیں تم سب مرزا فاخر کو لے کر مرزا رفیع کے پاس جاؤ اور خطا معاف کروالو۔ دوسرے دن آصف الدولہ نے سرِ دربار مرزا فاخر کو بھی بلایا اور کہا کہ تمھاری طرف سے بہت نازیبا حرکت ہوئی۔ اگر شعر کے مرد میدان ہو تو اب روبرو سودا کے ہجو کہو۔ مرزا فاخر نے کہا۔ "ایں از ما نمی آید" آصف الدولہ نے کہا "ایں از شما می آید کہ ایں شیاطینِ خود را برسر مرزائے بے چارہ فرستادید از خانہ ببازارش کشیدند و می خواستند آبرویش بخاک بریزند"۔ پھر سودا کی طرف اشارہ کیا یہاں کیا دیر تھی فی البدیہہ یہ رباعی

پڑھی ہے

توفخرِ خراسائی وفا ساقط ازو　　گوہر بہ دہاں داری ورا ساقط ازو

روزان وشباں زحق تعالیٰ خواہم　　مرکب دحدت خدا دبا ساقط ازو

اس واقعہ کا انجام بقولِ آزاد " یہ ہوا کہ علاوہ انعام واکرام چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ہوگیا اور نواب نہایت شفقت کی نظر فرمانے لگے۔ اکثر حرم سرا میں بیٹھے ہوتے اور مرزا کی اطلاع ہوتی باہر نکل آتے تھے۔ شعر سن کر خوش ہوتے اور انھیں انعام سے خوش کرتے تھے[۵۱]۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ نواب نے خطاب ملک الشعرائی سے سرفراز کیا تھا یہ بیان قطعاً غلط ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو صفحات ۵۶-۵۷ مقالہ ہذا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نواب حد سے زیادہ قدردانی کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مرزا کا کلیات ہمیشہ نواب کے پلنگ پر مطالعہ کے لئے دھرا رہتا تھا[۵۲]۔

آزاد کے سوا علی لطف اور اسپرنگر نے بھی چھ ہزار سالانہ کی جاگیر کا ذکر کیا ہے لیکن سودا کو نقد رقم حاصل کرنے میں درباری کارکنوں اور عاملوں کی بڑی منت سماجت کرنی پڑتی تھی اور خزانے سے رقم اس دشواری اور ذلت سے ملتی تھی کہ اس نے اس کی بار بار شکایت کی ہے۔ اور نقد رقم کے عوض جاگیر سے سرفراز کرنے کی درخواست کی ہے۔

اِس نظم سے غرض ہے مجھے عرض مدعا
مقصد مرا قلیل ہے پہنچے بانصرام

اپنی تری جناب میں اتنی ہی عرض ہے
کس کس کا ملتجی ہوں کہا کر ترا غلام

---

۵۱ آبِ حیات　　۵۲ تذکرۂ شاہ کمال

Marfat.com

انصاف ہے کہ ہو وہ عطا اس جناب کی
اور ان کی ہیں سماجت و منت کروں مدام

دیہات جو ہیں مصرفِ مطبخ کے اس میں سے
اس نقدی کے عوض ہو مجھے صحنکِ طعام

لکھنؤ میں آصف الدولہ کے سوا سودا کے اور بھی ممدوح تھے جن میں سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نائب سلطنت زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی نسبت شاہ کمال نے لکھا ہے "مرزا حسن رضا خاں صاحب دیوان خوش فکر شاعر ہے۔ اپنا دیوان بہ ثبت دستخط مجھے لکھنؤ میں دیا تھا۔ سودا سے مشق سخن کرتا تھا اور مجھ سے اتحاد و ربط رکھتا تھا۔ ایام طفلی سے لے کر یہاں (حیدر آباد) آنے تک لکھنؤ میں سالہا سال ملاقات اور یک جا قیام کا اتفاق تھا"[ل] سودا تو اس کا استاد ہی تھا اس کے سوا اور کئی شاعر اس کی سرکار سے وابستہ تھے۔ میر حسن اور دوسرے کئی شعراء اس سے توسل رکھتے تھے۔ یہ خود شاعر تھا۔ اور رضا تخلص کرتا تھا۔ شاہ کمال نے اس کے دیوان کا اچھا خاصا انتخاب اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔ سودا نے اس کی مدح میں چند قصیدے اور چند قطعے وغیرہ کہے ہیں۔ ایک قصیدے میں مقررہ رقم کے بآسانی نہ ملنے کی شکایت کی ہے :-

پھر آ کروں ہیں لئے مشت استخواں اپنے
میانے ہیں پڑے عمال زیر کہنہ رواق

سو اب تو اس سے بھی نوبت گزر گئی ہے مگر
گلے میں کرتا، بپا کفش، ہاتھ میں چماق

سپہر تجھ کو ہے سر رشتہ سب کی حرمت کا
کیا ہے اتنی وہ مخلوق کا ہے جو خلاق

[ل] ترجمہ از تذکرہ شاہ کمال۔

Marfat.com

سو طالب اتنی ہی حرمت کا اب نہیں جس سے
کروں معاش بسر اپنا میں بہ تمم طراق

عوض میں دے مجھے اس نقدی کے تو ایسا گاؤں
بسر ہو عمر مری جس سے زیر کہنہ رواق

نہ شکل نور علی خاں ہوں کھا کے میں فربہ
نہ سوکھ کر ہوں طرح بیرزا رفیع کے قاق

بہ نان و دال میں سازش کر ایک گوشہ میں
مدام مدح میں تیری لکھا کروں اوراق

معلوم نہیں کہ مقررہ نقد رقم کے عوض کوئی گاؤں جاگیر میں ملا کہ نہیں. علی لطف نے لکھا ہے کہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی اور چھ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کر دی۔

دوسرے ممدوح مسٹر رچرڈ جانسن رزیڈنٹ لکھنؤ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہر دلعزیز انگریز تھے "ہندوستان کے وہ باشندے جو ان سے شناسائی رکھتے تھے ان کا کمال احترام کرتے تھے"[۱] یوں بھی دربار اودھ میں انگریزوں کا دخل بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کے سیاسی اقتدار کے لئے خود شجاع الدولہ نے بہت پہلے میدان صاف کر دیا تھا، وہ روز بروز چھا رہے تھے۔ سودا نے جو قصیدہ مسٹر جانسن کی مدح میں لکھا ہے اس سے ایک انگریز رزیڈنٹ کے اقتدار کا پتا چلتا ہے۔

تیری وہ ذات گو تو نہیں ہے شہ فرنگ
کرسی میں تیری پایہ اورنگ کا ہے ڈھنگ

جانسن کو ممتاز الدولہ حسام جنگ کا خطاب بھی تھا۔

ہے اب نگر وہ ایک کہ جس کا ہے یہ خطاب
ممتاز دولہ فخر جہان و حسام جنگ

---

[۱] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان۔

Marfat.com

ایسے مقتدر اور ذی اثر شخص کی مدح میں قصیدہ لکھنا باعث تعجب نہیں۔ مسٹر جانسن کے سیاسی اقتدار کے باوجود سوداؔ کے اس سے خوش گوار تعلقات تھے جس کا بڑا ثبوت خود یہ قصیدہ ہے۔ اس انگریز رزیڈنٹ کو ایک ہندوستانی شاعر سے دلچسپی کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی لیکن علی لطف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اُردو شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ نواب محبت خاں محبتؔ خلف نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے۔ قصہ سسی پنو کا فرمانے سے ممتاز الدولہ مسٹر جانسن بہادر کے ..... نظم کیا اور نام اس مثنوی کا اسرارِ محبت رکھا؛ اسکے علاوہ قمرالدین منتؔ کو بھی اس کا توسل حاصل تھا[1]۔ یہی سبب ہے کہ سوداؔ سے اس کے خوشگوار تعلقات رہے ہیں۔

نواب آصف الدولہ اور اہل لکھنؤ کی قدر دانی اور رتبہ شناسی نے بڑی حد تک فارغ البال رکھا لیکن اس پیرانہ سالی میں حصول معاش کی خاطر دربدر کی گردشوں اور دقتوں سے دوچار ہونا پڑا تو وطن یاد آیا۔ شروع میں وطن میں رہنے کو بے مزہ سمجھتا رہا ترک وطن اس کے نزدیک انگور سے رس نکلنا اور باہر آکر پُر کیف شراب بننا تھا۔ لیکن جب غریب الوطنی کے مصائب کا سامنا ہوا تو بے اختیار وطن یاد آیا۔ وطن کی عافیت کو کس طرح یاد کیا ہے:۔

بلبل کو کیا تڑپتے ہیں دیکھا چمن سے دور
یارب نہ چھُوٹو کسی کو وطن سے دور

وطن سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں رہا اور جس حال میں رہا دہلی اور اس کے احباب کو بھولا نہیں۔ کس حسرت سے جہاں آباد کے احباب کو یاد کیا ہے:۔

فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے سوداؔ ہی
خبر اس کی جہاں آباد کے یاروں سے مت پوچھو

---

[1] گلشن ہند۔

Marfat.com

ایک اور جگہ لکھا ہے :۔

سودا وطن کو تج کر گردش سے آسماں کی
آوارۂ غریبی ہے اتنی مدتوں سے

شوقِ زباں تک اپنے ہم شہریوں کو بھولا
نامہ جو اس کو پہنچا ان بے مروتوں سے

کھولا اُسے تو ہر گز اک لفظ بھی نہ سمجھا
قاصد سے پوچھے معنی رو رو اشارتوں سے

وطن کو چھوڑے ہوئے مدت ہو چکی تھی لیکن غریب الوطنی کا احساس تھا اور دہلی اور وہاں کے دوست احباب ہر وقت یاد آتے تھے۔ لیکن ایک بار جب ۱۱۶۰ھ میں وطن سے نکلا تو ۱۱۹۵ھ تک دہلی کا قیام نصیب نہ ہوا۔ یہاں تک کہ آخر الذکر سال میں ۴ ر رجب کو رحلت کی۔ لکھنؤ میں آغا باقر کے امام باڑے میں سپرد خاک ہوا۔ شفیق اورنگ آبادی نے تاریخ کہی ہے :۔

لکھنؤ بیچ میرزائے رفیع | چوتھی رجب کی جان سیں گزرے
جب کہ ۔۔۔۔ گیا ہوئی تاریخ | ہائے سودا جہان سیں گزرے

سودا کی رحلت کا واقعہ ایسا نہ تھا کہ آسانی سے صبر کیا جاتا۔ دہلی اور لکھنؤ کے شعراء کے حلقوں میں اس کا بڑا ماتم ہوا۔ عرصے تک لوگ اسے یاد کرتے رہے۔ ہم عصروں اور شاگردوں نے تاریخیں کہی ہیں اور متاخرین نے اپنے کلام میں اکثر اس کا ذکر کیا ہے۔ شاہ حاتم نے جب سنا تو بے اختیار ہو کر کہا : "ہائے ہمارا پہلوان سخن مر گیا"[۱] اس کے ہم دم و ہم نشین شاگرد میر فخر الدین ماہر نے جو قطعۂ تاریخ لکھا تھا وہ اس کے مزار پر کندہ کیا گیا تھا :۔

---

[۱] آب حیات۔

خلد کو جب حضرتِ سودا گئے — فکر میں تاریخ کے ماہر ہوا
بولے منصف دور کر پائے عناد — شاعرانِ ہند کا سرور گیا

قائم نے بھی ایک تاریخی قطعہ کہا ہے :-

آہ مرزا رفیع دنیا سے — جا کے جنت میں جب مقیم ہوا
دردِ فرقت سے اُس کے مثلِ قلم — اہلِ معنی کا دل دو نیم ہوا
گل سے تا خار اس چمن میں جو تھا — خاک بر سر دہ جوں نسیم ہوا
سال تاریخ کی تھی مجھ کو تلاش — کیونکہ بس حادثہ عظیم ہوا
اس میں پیرِ خرد نے از سرِ یاس — یہ کہا اب سخن یتیم ہوا

قائم نے جگہ جگہ سودا کو یاد کیا ہے :-

سینے کس کا سخن کہ دل سے مٹے — داغ مرزا رفیع سودا کا

قمر الدین منت نے "بگفت گوہر معنی یتیم شد ہے ہے" کے مصرعے سے تاریخ نکالی ہے۔ اور ناسخ نے "سودا جوہر فضل" سے۔

مصحفی ماہ محرم میں سودا کے مزار پر گئے تو ان کو ماہر کا قطعہ پسند نہ آیا اور خود بڑے شوق سے ایک قطعہ نظم کیا :-

مرزا رفیع آنکہ ز اشعار ہندیش — ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستاں غلو
ناگہ چو در نوشت بساطِ حیات را — گردید مدفنش ز قضا خاک لکھنؤ
تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی — سودا کجا و آں سخنِ دل فریبِ او

ناسخ نے اپنے دیوان میں کئی جگہ سودا کو یاد کیا ہے، ایک شعر ہے :-

پہلے اپنے عہد سے افسوس سودا اُٹھ گیا
کس سے ناسخ اس غزل کی جا کے لیں اب داد ہم

Marfat.com

خانگی زندگی

سودا کی خانگی زندگی کے حالات بڑی حد تک تاریکی میں ہیں۔ اس کے اہل و عیال کے متعلق تفصیلات ابھی تک روشنی میں نہیں آئیں۔ مختلف تذکروں میں مختلف بیانات ہیں۔ قائم اور میر حسن نے لکھا ہے کہ سودا کا ایک بیٹا تھا جس کا نام مرزا غلام حیدر تھا۔ یہ شاعر تھا اور مجذوب تخلص کرتا تھا۔ علی ابراہیم اور علی لطف نے بھی مجذوب کو سودا کا بیٹا ہی بتایا ہے۔ آخرالذکر نے لکھا ہے کہ وہ ۱۲۱۵ھ تک لکھنؤ میں زندہ تھا اور عسرت و تنگ دستی میں زندگی کے دن گزارتا تھا۔ قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ مجذوب سودا کا تربیت کردہ منظور نظر بطریق فرزند پرورش کیا ہوا شاگرد تھا۔ مصحفی نے اسے پسر خواندہ لکھا ہے، سرور نے متبنائے سودا۔ قاسم نے سودا کا متبنیٰ، مغل بچہ اور جوان خوش اخلاق لکھا ہے طبقات سخن میں غلام محی الدین قریشی میرٹھی نے لکھا ہے کہ "مجذوب اپنے تئیں سودا کا بیٹا بتاتا ہے لیکن سودا کے کوئی بچہ نہ تھا۔ شاید متبنیٰ لیا ہو" شیفتہ نے لکھا ہے "سودا بفرزندیش برداشتہ بود" ان بیانات میں قائم اور میر حسن کے بیانات زیادہ قدیم ہیں۔ یہ اس لئے معتبر بھی ہو سکتے ہیں کہ ان دونوں کے سودا سے زیادہ گہرے تعلقات تھے۔ خود مجذوب نے بھی سودا سے تعلقِ پسری کا اظہار کیا ہے:-

خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
سودا کا سن کے بیٹا مجذوب جانتے ہیں

نہ معلوم میر سے اُس کی کیوں ان بن ہو گئی تھی کہ ان کے جواب میں سات دیوان لکھے ایک شعر میں ان کو مخاطب کر کے لکھا ہے:-

اے میر سمجھو مت مجذوب کو اوروں سا
ہے وہ خلفِ سودا اور اہلِ ہنر بھی ہے

یہ شروع میں حیدر تخلص کرتا تھا۔ قائم نے ۱۱۶۸ھ میں یہی تخلص بتایا ہے۔

Marfat.com

تبدیلِ تخلص کی وجہ اپنے باپ کے تخلص (سودا) کی مناسبت ہے۔ قائم نے اس کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوعمر اور نومشق تھا۔ وہ لکھتا ہے "نورِ بصر میاں غلام حیدر خلف رشید حضرت مرزا صاحب است۔ طبع سلیم و فہم درست دارد۔ اگر دنبال انداز گوئی والد ہمتے گیرد باندک روزے اصلاح پذیرد۔" تالیف تذکرۂ قائم کے وقت (سنہ ۱۱۶۸ھ) قرین قیاس یہ ہے کہ مجذوب کی عمر اٹھارہ بیس سال کی ہوگی۔ اس لحاظ سے سنہ ۱۱۵۰ھ کے لگ بھگ اس کی پیدائش کا سنہ ہوگا۔ اگر قائم اور میر حسن کے بیانات صحیح ہیں تو سودا ۴۰ اور ۵۰ سال کی عمر کے درمیان متاہل اور صاحب اولاد ہوگا[1]۔ اگر قائم اور میر حسن کے بیانات اس بنا پر ہیں کہ سودا نے مجذوب کی پرورش بطور فرزند کی تھی تو صاحبِ طبقات سخن کا بیان صحیح ہے کہ سودا لاولد تھا اور یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ جب عمر زیادہ ہوگئی اور اولاد کی توقع نہ رہی تو متبنیٰ لے لیا۔ آزاد، سودا کی وفات کے اٹھہتر سال بعد لکھنؤ گئے، وہاں کو "بڑی تلاش کے بعد ایک شخص ملے کہ ان کے نواسے کہلاتے تھے۔ بے چارے پڑھے لکھے بھی نہ تھے اور آشفتہ حال تھے۔" ممکن ہے کہ سودا کے کوئی لڑکی ہو یا مجذوب کی آل سے کوئی اولاد ہو جس سے آزاد کی ملاقات ہوئی۔ سودا کے مزید خاندانی حالات اور اس کے اہل و عیال کے متعلق تفصیلات ابھی تک پردہ اخفا میں ہیں۔

غنچہ

ممکن نہیں کہ سودا کا ذکر آئے اور اس میں اس کے غلام غنچہ کو جگہ نہ ملے۔ آزاد کا بیان ہے کہ "ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اور ساتھ قلم دان لئے پھرتا تھا۔ جب کسی سے بگڑتے تو فوراً پکار اٹھتے ارے غنچہ! لا تو قلم دان اس کی خبر تو لوں۔ یہ مجھے سمجھا کیا ہے؟ پھر شرم کی آنکھیں بند اور بے حیائی کا منہ کھول کر وہ وہ بے نقط سناتے کہ شیطان بھی امان مانگے۔"

---

[1] نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۴۴، مقالہ ہذا۔

Marfat.com

آزاد کے سوا کسی قدیم تذکرہ نگار نے غنچہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اس کا ایک شاگرد میاں فخرالدین ماہر خلف اشرف علی خاں (صاحب تذکرہ) تھا جو ہر وقت اس کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سودا کے دیوان کی تبییض کا کام وہی انجام دیتا تھا اور وہ خود بھی فخریہ بیان کرتا تھا کہ ہمیشہ مرزا کی صحبت میں سرگرم رہا۔ مصحفی نے لکھا ہے "از یں جہت اکثر اوقات خود را از مصاحبان دشیرانِ مرزا می شمارد و فخریہ می گوید کہ مونسِ ہر وقتِ ایشاں بودہ ام وطرفہ تر ایں کہ باوصفِ آگاہیٔ فن اگر کلامش نگاہ کنی خالی از سخافت نیست۔ دریں جا ایں مثل بسیار بموقع بیاد آمدہ کہ دورانِ باخبر در حضور و نزدیکانِ بے بصر دور۔"

مصحفی کے اس بیان سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ماہر کی خدمت پر نظر کر کے لوگوں نے ازراہِ ظرافت یہ نام دے دیا ہو جس نے رفتہ رفتہ ایک حقیقی واقعہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ قیاس ہے البتہ آزاد کے بیان کی تائید اس تصویر سے ہوتی ہے جو انڈیا آفس کے نسخۂ کلیات سودا میں موجود ہے۔ تصویر ہم نے اس مقالے کے شروع میں دی ہے اس کے پیچھے جو خادم ایستادہ ہے شاید اس کا نام غنچہ ہو۔ بہرحال جب تک کوئی قدیم تحریری شہادت نہ ملے اس وقت تک آزاد کے بیان پر کامل یقین نہیں کیا جا سکتا۔

مالی حالت سودا کے باپ تاجر کی حیثیت میں ہندوستان آئے تھے مشہور تاجر تھے، خوب کمایا۔ ننہیال بھی خوش حال تھی۔ مرزا کے نانا نعمت خاں عالی عالمگیری امیر تھے۔ بچپن فارغ البالی اور خوش حالی میں گزرا۔ باپ نے ترکہ میں بہت کچھ چھوڑا تھا۔ جوانی میں سب کچھ اڑا دیا اور بادشاہی نوکری اختیار کر لی۔ جس میں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل سے گزر بسر ہوتی تھی فوجی نوکری چھوڑ کر امیروں کی مصاحبت اختیار کر لی تھی۔ یہ زمانہ بھی فارغ البالی کا

Marfat.com

تھا، لیکن جب سلطنت دہلی کا رنگ بگڑا تو فرخ آباد جانا پڑا، جہاں مہربان خاں رند کفیل تھا۔ وہاں قدر دانی کے خوب مزے اُڑائے۔ فیض آباد اور لکھنؤ میں رہا تو ایک حد تک خوش حال تھا۔ آصف الدولہ نے چھ ہزار سالانہ کی رقم مقرر کر دی تھی اس زمانے میں یہ رقم کچھ معمولی نہ تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ملنے میں بڑی دشواری ہوتی تھی اور بڑھاپے میں اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑی پیروی اور دوا دوش کرنی پڑی تھی تاہم یہاں بھی معاشی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا اور تنگ دستی کی صورت نہیں دیکھی۔ آمدنی اتنی معقول تھی کہ اس پر اقران و امثال رشک کرتے تھے۔ چنانچہ میر جیسے قانع اور ضابط و متین شخص نے بھی جب مرزا کی ہجو کتے پالنے پر لکھی تو آمدنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اک جو لچر کو رزق کی وسعت سی ہو گئی
تنگی کے حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی

بہر حال مرزا کی آمدنی اس قدر تھی کہ وہ اپنی زندگی کا معیار کافی بلند رکھ سکا۔ اس کے پاس نوکر چاکر تھے اور مکان ضروری تکلفات سے آراستہ تھا۔ رچرڈ جانسن کو اپنا دیوان بطور تحفہ دیا جس میں اپنی تصویر سر ورق پر درج کر دی۔ تصویر میں ایک حقہ بردار خادم پیچھے کھڑا ہے، یہ خود قالین کے فرش پر نشست لگائے بیٹھا ہے۔ خوش نما گاؤ تکیے ہیں۔ اس معیار زندگی کے قطع نظر مجذوب کو متبنیٰ لینا (اگر یہ صحیح ہے) اور رنگ برنگ کے کتے پالنے، خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی آمدنی معقول تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کماتا تھا اڑا دیتا تھا۔ اور کچھ پس انداز کرنے کی فکر نہیں کرتا تھا۔ مرنے کے بعد ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا اس لئے کہ اس کی وفات کے بعد مجذوب لکھنؤ میں پریشانی اور عسرت میں دن کاٹتا تھا۔[1]

---

[1] گلشن ہند مولفہ علی لطف۔

Marfat.com

عادات و اخلاق

سودا کے کردار کے حق میں میر نے ایک نہایت جامع جملہ لکھا ہے: "جوانے ست خوش خلق و شگفتہ روے" میر صاحب کی صاف گوئی مشہور ہے۔ ان کے بیان کی روشنی میں سودا کے کردار کو دیکھنا چاہیے۔ بے شبہ وہ خوش اخلاق تھا۔ اس کا برتاؤ دوست احباب کے ساتھ شریفانہ تھا۔ کثرت سے دوست آشنا تھے۔ وہ سب سے بلحاظِ مراتب ملتا تھا اور سب کا خیال رکھتا تھا۔ شاگرد بے حد وحساب تھے۔ ان سب سے محبت کا سلوک کرتا تھا۔ شاگرد کسی خاص فرقے، طبقے یا مقام کے نہ تھے، بلکہ مختلف فرقوں اور مقاموں کے شاعر اس سے فیض پاتے تھے۔ یہ سب کو نہایت فراخ دلی سے شعر و سخن کے رموز سے واقف کرتا تھا۔ اس سے اس کی وسیع المشربی کا پتا چلتا ہے۔ مشہور شاعر تھا اور دور و نزدیک کے اہل کمال سے راہ و رسم رکھتا تھا۔ شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ہے کہ فرخ آباد سے ایک خط ۱۱۸۳ھ میں ذکا کے نام لکھا تھا: "بعد تحریر ایں تذکرہ (گل رعنا) خطے محررہ غرہ ربیع الآخر سنہ ثلاث و ثمانین و مائتہ و الف بنام اولاد محمد خاں ذکا بلگرامی از فرخ آباد بہ دکن فرستادہ۔ و برخے اشعار ریختہ و فارسی بدستخط خود ارسال داشتہ۔" مرزا عارف الدین خاں عاجز اورنگ آبادی نے جب اس کی شہرت سنی تو شاعرانہ ترنگ میں ایک شعر میں اس کی ہجو کہی :-

مرزا وہی ہے شہر میں مرزا کہیں جسے
پربت میں یوں تو خرس بھی مرزا رفیع ہے

لیکن جب عاجز دہلی گئے تو اس سے ملے۔ اپنی ایک غزل سنائی جس کا مطلع ہے:-

اگر کیفِ سخن میرا نہال تاک کو پہنچے
صراحی شاخ ہو جائے شراب انگور سے ٹپکے

سودا نے کمال خلوص سے اس کی داد دی اور عاجز کو ریختہ کا استاد تسلیم کیا

Marfat.com

اور اپنا دیوان دستخطِ خاص سے ان کی نذر کیا۔[1]

میر حسن نے سودا کے متعلق لکھا ہے "مردے است از مغتنمات روزگار، خوش خلق و نیک خو ..... فقیر اکثر در خدمت آں بزرگوار می رسد۔ بسیار کرم می فرماید۔" ان واقعات سے سودا کی خوش خلقی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی عادتیں بھی اچھی اور پختہ تھیں۔ مذہب کی طرف زیادہ رجحان رکھتا تھا۔ کج روی اور بدی سے ہمیشہ بچتا رہا۔ جو خصائص اس زمانے میں شرفا کے لئے لازم تھے وہ اس میں موجود تھے۔ اگر عادات و خصائل میں استحکام اور استواری نہ ہوتی تو وہ ضرور امرا اور حکام کی نظروں سے گر جاتا۔ اس کے سوا اس کے حریف بھی ہجو نگار تھے۔ ان کی زد سے اس کا بچنا محال ہو جاتا۔ دوست احباب سے ہمیشہ بے تکلف ملتا تھا۔ دوستوں کے جلسوں اور مشاعروں میں بے تکلف شریک ہوتا تھا۔ اکثر لطیفے اور شگوفے چھوڑتا جاتا تھا۔ احباب سے بڑی گرم جوشی سے پیش آتا تھا۔ دوستوں کی خاطر تمام ترکہ اڑا دیا اور میراث پھونک ڈالی۔ شگفتہ رو اور خندہ جبیں تھا۔ غم و الم کو پاس آنے نہیں دیتا تھا۔ جہاں بیٹھتا تھا ہنستا ہنساتا تھا۔ اس کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا اندازہ ان لطیفوں اور حکایتوں سے ہو گا، جن کو ہم نے ظرافت کے عنوان کے تحت الگ درج کیا ہے۔

بڑا باکمال شاعر تھا اور استاد مانا جاتا تھا۔ سلاطین و وزرا کا انیس و جلیس بھی تھا لیکن غرور و تمکنت طبیعت میں نہ تھی۔ چھوٹے بڑے سب سے مراسم تھے۔ شاعرانہ رسمی تعلی کو چھوڑ دیجئے تو اپنے کمال پر مغرور نہ تھا۔ بلکہ ہر آن آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ طبیعت میں طالب علمی کی شان تھی۔ کچھ نہ کچھ آخر تک سیکھنا ہی چاہتا تھا جیسا کہ خود اس نے دو جگہ لکھا ہے۔

"مصحفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا کہ گوہر سخن عاصی زیب گوش

---

[1] یہ روایت ہے جو اورنگ آباد کے بوڑھوں سے سنی ہے۔

Marfat.com

اہلِ ہنر ہوا ہے۔ اس مدت میں تمام عالم کے سخن انصاف پر تلمیذانہ گوش دیا جس کی زبان پر قبیلِ اعدا سے حرفِ واقعی اور منصفانہ جاری ہوا ہے۔ باللہ کہ مرتبہ من تعلم حرفاً فھو مولاہ طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد :-

دلئے بر جان سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

اس کے پانچ سال بعد ایک مقام پر لکھا ہے :-

بندہ ہم از چہل و پنج سال اوقات خود را درفنِ ریختہ ضائع ساختہ است وہنوز سخن خود را بعضے جاہا از پایۂ اعتراض بیروں نیافتہ۔ کساں را کہ دریں فن مسلم الثبوت دانند بہ امیدِ حصول فائدہ زانوے ادب تہ کردہ پیش آنہا می نشیند بلکہ نومشق ہم اگر دخلِ بجا در شعرِ ایں عاصی نمودہ است مسلم داشتہ ۔"

لیکن چھوٹوں کی گستاخی اور ان کے بے جا تفاخر سے نفرت تھی۔ اس صورت میں ضبط برداشت کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔ اسی طرح چھوٹوں کی قبیح عادتوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ طبیعت میں تیزی تھی، ضبط و صبر اکثر کھو بیٹھتا تھا اور بعض اوقات بڑی بے اعتدالی کر جاتا تھا۔ ایک بڑا عیب یہ تھا کہ خیالات وعقائد کے ساتھ ذاتیات پر بھی نازیبا حملے کر بیٹھتا تھا۔ اس کا حال مذہب اور ہجویات کے عنوانوں کے تحت کسی قدر تفصیل سے ملے گا۔

موسیقی دانی

سودا کو موسیقی سے بھی ذوق تھا۔ اس فن میں استادانہ مہارت رکھتا تھا۔ میر حسن نے لکھا ہے :-

"در علمِ موسیقی نیز ماہر است و تصانیفِ بسیار در نغمہ ہم دارد "۔ شوق کا بیان ہے "در موسیقی استاد کامل "۔ اتفاق سے بعض ایسے لوگوں سے اُسے واسطہ رہا ہے

Marfat.com

موسیقی کے ماہر کامل سمجھے جاتے تھے۔ فرخ آباد میں مہربان خاں رند کی رفاقت میں تھا جس کی نسبت میر حسن نے لکھا ہے " در تصانیفِ نغسیہ ہم دستے پیدا کردہ. چنانچہ اکثر اہلِ غنا دلِ عشاق را بہ نغمۂ دل آویز می برند" اسی مہربان خاں کی نسبت شوق کا بیان ہے

طبعش بطرف علم موسیقی زیادہ از حد مائل
اکثر ٹپہ وخیال از تصنیف او بر زبان افواہ عام متداول " اسی طرح سودا

کا ایک دوست مرزا صادق علی عرف مرزا مدد اللہ شاہ جہاں آبادی تھا۔ مزاج و ظرافت طبیعت میں بہت تھی۔ موسیقی میں مہارت تامہ رکھتا تھا اور اس میں محمد شاہی عہد کے مشہور گویے میاں نعمت خاں کا شاگرد تھا اور سودا سے خاص ربط وضبط رکھتا تھا اس نے سودا کے اصرار سے شاعری ترک کر دی تھی[1]۔ ان بیانات کے قطع نظر موسیقی دانی کے آثار خود سودا کے کلام میں موجود ہیں۔ اس کی بعض مترنم بحریں شہادت دیتی ہیں کہ وہ اس فن میں بصیرت رکھتا تھا اور غالباً اسی لئے مصحفی نے لکھا ہے " بہ سببِ آگاہیِ علمِ موسیقی مرثیہ وسلام کہ گفتہ بر سوز نہادن آنہا نیز قادر"

سگ پروری

سودا کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا۔ ابریشمی بال والے کتے پالتا تھا[2] فدوی لاہوری کی ہجو میں جو ترجیع بند لکھا ہے اس میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سن بے اُلوا پہنچ کے بنگالے ۔۔۔ مادہ سگ آپ کو تو بنوا لے
میرے تئیں کو ہے بسکہ ذوق بہ سگ ۔۔۔ سگ بہت خوب میں نے ہیں پالے

---

[1] مجموعۂ نغز۔ [2] تذکرۂ ہندی۔

Marfat.com

اسی شوق کو دیکھ کر میر صاحب سے رہا نہ گیا تو انھوں نے اس کی ہجو میں ایک قطعہ لکھا جس کے دو جواب سودا کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں۔ میر صاحب کی کہی ہوئی ہجو سے پتا چلتا ہے کہ سودا کو کتوں سے بڑی الفت تھی۔ اچھے بال والے کتے پالتا تھا اور ان کو ہمیشہ پیار اور محبت سے رکھتا تھا۔ رنگ برنگ کے کتے اس کے پاس تھے۔ دہلی میں تین کتیاں پالی تھیں۔ ان سے اگر ہمسایوں کو تکلیف بھی پہنچتی تھی تو اس کی اس کو پروا نہ ہوتی تھی۔ ہمسایوں کی گالیاں سہیں لیکن کتوں سے تعرض نہیں کیا۔ کتوں کو اگر کوئی دھتکارتا تو یہ اپنے دل میں کڑھتا اور خون پی کر رہ جاتا۔ وہ کتیاں مر گئیں تو اسے بڑا رنج ہوا۔ ان میں سے ایک کا نام لیستی، دوسری کا لونگی تیسری کا برفی تھا۔ میر صاحب کے قطعے کے چند شعر ہیں:۔

دتکارو کتے کو تو لہو اپنا وہ پیے
ہے اس کی استخواں شکنی کتوں کے لئے

کتوں کے لے کے زرد و سیاہ و سفید پشم
کس کس طرح سے دیکھا ہی داب اب چشم

دلی میں تین کتیاں کہیں سے لے کے پالیاں
ہمسایوں کی جھنجھول کے لئے کھائیں گالیاں

وے مر گئیں تو دیر رہا روتا غم زدہ
لیستی کے پیچھے پھر نہ ہنسا ٹک ستم زدہ

لونگی کا گرم غم جو رہا سو کھ نخ ہوا
برفی کی تعزیت میں سگا دے یخ ہوا

ظرافت سودا کی طبعی ظرافت کے باب میں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ نعمت خاں عالی جیسے ظرافت نگار انشا پرداز اور ہزل گو

Marfat.com

شاعر کا نواسا تھا۔ اس کی ننہیال کی طرف سے ظرافت ورثے میں ملی تھی، ظرافت اس کی فطرت میں موجود تھی۔ اس باب میں اس کی طبیعت انتہا پسند واقع ہوئی تھی، مزاح یا لطیف ظرافت سے گزر کر وہ اکثر تمسخر و فحش کے حدود میں جا نکلتا تھا۔ طبیعت کہیں رکتی نہیں تھی۔ جہاں کہیں موقع دیکھتا بے خوف و خطر اپنے قلم و زبان کو جنبش دیتا۔ اس کی مثالوں میں ہجویہ کلام اور وہ لطیفے ہیں جو تذکروں میں ضمناً درج ہو گئے ہیں ہجویہ کلام پر ہم الگ بحث کریں گے۔ یہاں چند لطائف درج کئے جاتے ہیں، جن سے اس کی ظرافتِ طبع کا اندازہ ہوگا۔

میر محمد خاکسار قدم شریف (دہلی) کے خدام سے تھے۔ شاعری کا غرہ تھا اور اپنے تئیں بڑا ظریف و طباع سمجھتے تھے۔ میر صاحب سے ان کی چشمک تھی۔ ان کے تذکرۂ "نکات الشعرا" کے جواب میں ایک تذکرہ بنام "معشوق چہل سالۂ خود" لکھا تھا۔ اس میں سب سے پہلے اپنا ذکر درج کیا تھا اور خود ہی اپنے لئے سید الشعرا کا خطاب مقرر کر لیا تھا۔ میر صاحب نے اُن کے غرورِ شاعری اور زعم باطل کا ڈھکڑا اُدیا ہے اور اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر لکھ کر شعرا کے زمرے سے خارج کر دیا ہے۔ جس سے دونوں کی چشمک کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ خاکسار ایک روز سودا کے ساتھ مرتضیٰ قلی فراق کے مکان پر گئے اور احباب بھی جمع تھے۔ سودا کا بیان ہے[1] کہ "ان حضرت (خاکسار) نے بے موقع میر تقی کا شکوہ چھیڑا اور حاضرین محفل سے اس کی ہجو کہنے کی درخواست کی اس بات کو کسی نے قبول نہیں کیا لیکن بہ پاس خاطر میں نے اسی وقت یہ مطلع کہہ کر اس کے حوالے کیا۔

میر کا مکھڑا بے انتہا گل زنبق کا سا ہے
پیٹ بھی اس کا جو میں دیکھا سو کچھ بھنبق کا سا ہے

---

[1] مخزن نکات۔

Marfat.com

یہ سنتے ہی پوری مجلس ہنسی کے مارے لوٹنے لگی۔ خاکسار کے پیٹ میں بھی ہنسی کے مارے بل پڑ رہے تھے۔ اس نے جب دیکھا کہ اہل محفل کی ہنسی رک نہیں رہی ہے اور بڑی دیر ہوگئی ہے، دفعتاً اپنے پیٹ پر نظر دوڑائی تو بالکل کھنبق سا تھا، تو سمجھ گئے کہ شعر کا صحیح اطلاق ان کے حلیے پر ہو رہا تھا اور یہ ہنسی سب انھیں کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ یکایک اُٹھے اور مرزا اور ان کے ساتھیوں کو بچر د پوچ سنانے لگے۔ سب نے بڑی منت سماجت کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس روز سے ترک ملاقات ہے۔"

میر صاحب کے ہاں پندرہ تاریخ کو مشاعرے کی محفل منعقد ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ہولی کے موسم میں مشاعرے کی تاریخ پڑی۔ مشاعرے میں شاعر پہلے ہی سے موجود تھے کہ اتنے میں فضل علی دانا آئے۔ یہ نہایت سیہ فام اور سیہ ریش تھے اور اس پر کالے کپڑے پہنتے تھے۔ اس ہیئت میں انھیں آتا دیکھ کر سودا بول اُٹھا۔ "یارو ہولی کا ریچھ آیا۔" ہولی کا موسم تھا جس میں اس زمانے میں اراجیف و اطفال، بندر، ریچھ، گھوڑے وغیرہ بنتے تھے۔ مرزا نے یہ فقرہ اس قدر باموقع کہا کہ پوری مجلس ہنسنے لگی۔[1]

اٹاوہ کے ایک شاعر شیخ قائم علی تھے اور امیدوار تخلص کرتے تھے۔ مرزا سے ملنے کا دل میں بڑا اشتیاق تھا۔ انعام اللہ خاں یقین کے بیٹے مقبول نبی خاں کی وساطت سے ملنے کے لئے فرخ آباد گئے۔ اپنی چند غزلیں مرزا کو سنائیں۔ مرزا نے سن کر فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

ہے فیض سے کسی کے یہ نخل ان کا باردار
اس واسطے کیا ہے تخلص امیدوار

بیچارے بہ ارادۂ شاگردی گئے تھے۔ بڑے منفعل واپس ہوئے اور یہ شعر پڑھا۔

---

[1] نکات الشعراء۔

اندر دوست ندانم بچہ عنواں رفتم　　　ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اس مذاق کا یہ اثر ہوا کہ اپنا تخلص بدل کر قائم رکھا اور پھر کسی کی شاگردی کا خیال نہ ہوا۔[۱]

• ایک دن میاں ہدایت ملاقات کو آئے۔ بعد رسوم معمولی آپ نے (سوداؔ نے) پوچھا کہ فرمائیے میاں صاحب آج کل کیا شغل رہتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ افکار دنیا فرصت نہیں دیتے۔ طبیعت کو ایک مرض یادہ گوئی کا لگا ہوا ہے گاہے ماہے غزل کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ مرزا ہنس کر بولے۔ غزل کا کہنا کیا کوئی ہجو کہا کیجئے۔ بے چارے نے حیران ہو کر کہا کہ ہجو کس کی کہوں، آپ نے کہا ہجو کو کیا چاہئے تم میری ہجو کہو میں تمھاری ہجو کہوں۔[۲]

• آصف الدولہ مرحوم کی انا کی لڑکی خرد سال تھی۔ نواب فرشتہ سیرت کی طبیعت میں ایک تو عموماً تحمل اور بے پروائی تھی دوسرے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ناز برداری نے اس کی شوخی کو شرارت کر دیا۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ نواب سوتے تھے۔ ایسا غل مچایا کہ یہ بدخواب ہو کر جاگ اُٹھے۔ بہت جھنجھلائے اور خفا ہوتے ہوئے باہر نکل آئے۔ سب ڈر گئے کہ آج نواب کو غصہ آیا ہے خدا خیر کرے۔ باہر نکل کر حکم دیا کہ مرزا کو بلاؤ مرزا اسی وقت حاضر ہوئے۔ فرمایا کہ بھئی مرزا اس لڑکی نے مجھے حیران کیا ہے۔ تم اس کی ہجو کہہ دو۔ یہاں تو ہر وقت مصالحہ تیار تھا۔ اسی وقت قلم دان لے کر بیٹھ گئے اور مثنوی تیار کر دی کہ ایک شعر اس کا لکھتا ہوں۔

لڑکی وہ لڑکیوں میں جو کھیلے　　　نہ کہ لونڈوں میں جا کے ڈنڑ پیلے[۳]

سوداؔ کے قلمی دیوانوں میں ایک مخمس میر ضاحک کی ہجو میں ہے جس کا

۱؎ مجموعۂ نغز جلد دوم صفحہ ۸۱۔　۲؎ آب حیات۔　۳؎ آب حیات

Marfat.com

پہلا مصرع ہے (یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر) مطبوعہ دیوانوں میں یہ مصرع اس طرح درج ہوگیا ہے۔" کہتا ہے یہ سودا کہ اے خلاق مقدر" اس ترمیم سے اس مخمس کی شان نزول بے لطف ہوگئی ہے۔

آزاد کا اس کے متعلق بیان ہے کہ "میر مہدی حسن فراغ" کو خدا مغفرت کرے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حسب معمول مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں پائیں باغ میں تخت بچھے تھے۔ صاحب عالم خود مسند پر بیٹھے تھے۔ شرفاء و شعرا کا مجمع تھا۔ مرزا رفیع اور میاں سکندر مرثیہ گو بھی موجود تھے کہ میر ضاحک تشریف لائے۔ ان کی پرانی وضع اور لباس پر کہ ان دنوں میں بھی انگشت نما تھی صاحب عالم مسکرائے۔ میر صاحب آکر بیٹھے۔ مزاج پرسی ہوئی۔ حقہ سامنے آیا۔ اتفاقاً صاحب عالم نے مرزا رفیع سے کہا کہ کچھ ارشاد فرمایئے (دونوں صاحبوں کے معاملات تو انھیں معلوم ہی تھے۔ خدا جانے چھیڑ منظور تھی یا اتفاقاً زبان سے نکلا)۔ سودا نے کہا میں نے تو ان دنوں میں کچھ کہا نہیں۔ میاں سکندر کی طرف اشارہ کیا کہ انھوں نے ایک مخمس کہا ہے صاحب عالم نے فرمایا کیا؟ سودا نے پہلا بند پڑھا "

یارب یہ دعا مانگتا ہے تجھ سے سکندر
ضاحک کے اڑا دیوے کسی بن میں قلندر

گھر اس کے تولد ہو اگر بچۂ بندر
گلیوں میں نچاتا پھرے وہ بنگلے کے اندر
روٹی تو کما کھاوے کسی طرح مچھندر

یہ پڑھنا ہی تھا۔ کہ میر صاحب مرحوم اٹھ کر میاں سکندر سے دست و گریبان ہوگئے سکندر بے چارے حیران نہ واسطہ نہ سبب یہ کیا آفت آگئی۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے،

Marfat.com

دونوں صاحبوں کو الگ کیا اور سودا کو دیکھیے تو کنارے کھڑے مسکرا رہے ہیں
(یہ تھی شانِ نزول اس مخمس کی)۔[1]

۔آصف الدولہ ایک دفعہ شکار کو گئے۔ خبر آئی کہ نواب نے بھیلوں کے جنگل میں شیر مارا.... (سودا نے) فوراً کہا۔

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا
شیر خدا کو جس نے بھیلوں کے بن میں مارا

نواب کو بھی خبر ہوئی۔ جب پھر کر آئے تو خود شکایت دوستانہ کے طور پر کہا کہ مرزا تم نے ہم کو شیرِ خدا کا قاتل بنایا؟ ہنس کر کہا جناب عالی! شیر تو اللہ ہی کا تھا نہ حضور کا نہ فدوی کا۔[2]

قیافہ شناسی

سودا میں ایک وصف قیافہ شناسی کا بھی تھا۔ شوق نے لکھا ہے "در قیافہ دانی نہایت رسا قابل" آزاد نے ایک واقعہ لکھا ہے جو اگر صحیح ہے تو سودا کی قیافہ دانی کی مزید شہادت ملتی ہے ۔ایک دن سودا مشاعرے میں بیٹھے تھے۔ لوگ اپنی اپنی غزلیں پڑھ رہے تھے، ایک شریف زادے کی بارہ تیرہ برس کی عمر۔ اس نے غزل پڑھی مطلع تھا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گرمیٔ کلام پر سودا بھی چونک پڑے۔ پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ صاحبزادہ ہے۔ سودا نے بھی بہت تعریف کی۔ کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا کہ میاں لڑکے جوان تو ہوتے نظر نہیں آتے۔ خدا کی قدرت انھیں دنوں میں لڑکا جل کر مر گیا۔[3]

---

[1] آب حیات۔ یہ بند آب حیات میں نہیں ہے ہم نے قلمی دیوان سے نقل کیا ہے۔
[2] آب حیات۔ [3] آب حیات

Marfat.com

مذہب

سودا مغل زادہ مرزا تھا۔ آبائی مذہب تشیع تھا۔ ننہیال بھی مذہباً امامیہ تھی۔ سودا کے نانا نعمت خان عالی ہر چند لاأبالی اور ہنسوڑ تھے لیکن مذہب پرستی میں بڑا غلو رکھتے تھے۔ آبائی اور مادری دونوں رشتوں سے سودا پر مذہبی اثرات پڑے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھی امامیہ طریق کا پیرو تھا۔ اس نے اپنے مذہب کے بارے میں صاف صاف لکھا ہے:۔

پنجتن پاک کا تو اپنے تئیں کہیو غلام
تیرے مذہب کی اگر بزم میں تکرار چلے

دل میں مذہب کا بڑا احترام تھا۔ ائمۂ پاک کی دل میں سچی محبت تھی۔ اہلِ بیت کی شان میں انتہائی جوشِ عقیدت میں زبردست قصیدے کہے۔ شہدائے کربلا کے مرثیے کہے۔ چنانچہ مرثیوں کا ایک ضخیم دیوان ہی الگ ہے۔ ان قصائد و مراثی سے گزر کر دوسرے اصناف سخن میں بھی وہ اہل بیت کا عقیدت مندانہ ذکر کر دیتا ہے اور اس مداحی پر فخر کرتا ہے۔

مداح علی کا ہوں میں سودا شعرا میں
پڑھتے ہیں ملائک مرے اشعار فلک پر

گر ہو کششِ شاہِ خراسان تو سودا
سجدہ نہ کروں ہند کی ناپاک زمیں پر

ہیں جو والی مرے بارہ دو جہاں میں سودا
خاکِ در اُن کی سمجھتا ہوں میں زر سے بہتر

Marfat.com

قصائد، مراثی اور اس قسم کے اشعار پر ایک نظر ڈالنے سے سودا کے مذہبی عقائد کا حال کھل جاتا ہے۔ ہر چند اس نے ایک رباعی میں جتایا ہے کہ شیعہ سنی کی تفریق سے اسے سروکار نہیں۔

مجھکو ہر چند نہیں شیعہ و سنی سے کام
پر یہ سمجھا ہوں کہ اس دور میں تھے بارہ امام
اِن سوا ہو جو کوئی، ہے وہ اِمام تسبیح
اُس تلک جائے سے موقوف ہو اللہ کا نام

لیکن ساتھ ہی اپنے خاص عقیدے کا بھی اظہار کر دیا۔ وہ اپنے عقیدے میں ایسا راسخ اور پختہ تھا کہ اس نے کبھی سرمو انحراف نہیں کیا۔ اس کو مذہبی معاملات میں پورا غلو تھا اور مذہبی جوش میں اکثر نقطۂ اعتدال سے ہٹ جاتا اور حد تمکین سے تجاوز کر جاتا تھا۔ دوسروں کے عقائد کی نہایت نازیبا طریقے سے مذمت کرتا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولوی ساجد شاہ آبادی کی ہجو میں جو قصیدے کہے ہیں ان سے اس کے مذہبی جوش کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہجویہ کلام جس کی بنیاد مذہبی اختلاف پر ہے۔ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کا مذہبی جوش دخروش تعصب کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس تعصب کی جھلکیاں اس کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ تفصیل آئندہ اوراق میں ہجویات کے عنوان کے تحت ملیں گی

یہ ضرور ہے کہ سودا کے مذہبی تعصب کے شکار مولوی اور مذہبی عالم ہیں۔ وسیع مشرب اہل دل اور صوفیا سے اس باب میں کسی قسم کی مخالفت اس سے سرزد نہیں ہوئی۔ چنانچہ درد سے بہت اچھے تعلقات تھے، اسی طرح مظہر جان جاناں سے بھی۔ یہ دونوں بزرگ صاحبِ ارشاد و ہدایت تھے۔ اور غیر شیعہ تھے۔ مظہر کو جب کسی شیعہ نے مذہبی جنون سے مغلوب ہو کر شہید کر دیا تو سودا نے قاتل کو مرتد شوم کہا اور انتہائی

Marfat.com

غم والم کا اظہار کیا۔

مظہر کا ہوا جو قاتل اک مرتدِ شوم
اور اس کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات اس کی کہی از رو سے درد
سودا نے کہا ہائے جان جاناں مظلوم

ان واقعات سے سودا کے دامن سے تعصب کا داغ دور نہیں ہو سکتا۔
اس میں شبہ نہیں کہ مولویوں اور واعظوں کے مشرب میں اتنی وسعت نہیں ہوتی کہ ہر مخالف خیال کی سمائی ہو سکے۔ اس وجہ سے اُن کو تنگ نظر کہا جاتا ہے اور اکثر اُن کے حق میں لعن طعن اور سب وشتم روا رکھے جاتے ہیں۔ لیکن سودا ایک خنک دل واعظ اور مذہب پرست مولوی سے زیادہ تنگ نظر ہے۔ معمولی سے مذہبی اختلاف کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا اور بے لگام ہو کر فحش و دشنام کے لئے بھی اپنی زبان دراز کر دیتا ہے۔

Marfat.com

تصانیف و کلام

(الف) — نظم —

نظم میں ایک ضخیم کلیات ہے جس میں تمام اصناف و موضوعات شاعری پر وافر مقدار میں کلام موجود ہے۔ اس کا تفصیلی حال اس مقالے کے تنقیدی حصے حصے میں ملے گا۔

(ب) — تنقید —

اس مضمون پر سودا کی حسب ذیل دو تصانیف ہیں۔

(۱) عبرت الغافلین۔

یہ وہ رسالہ ہے جو فاخر مکین کی ان کارستانیوں کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ جو اس نے اشرف علی خاں کے تذکرے کے حق میں کی تھیں۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے گزشتہ اوراق میں کیا ہے۔ یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے۔ اس کی پانچ فصلیں ہیں پہلی فصل سبب تالیف پر ہے۔ دوسری اساتذہ کے ان اشعار کے متعلق ہے جن کو مرزا فاخر نے مہمل سمجھ کر قلم زد کر دیا تھا۔ تیسری ان اشعار کے متعلق ہے جن پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ پانچویں فصل مرزا فاخر کے ان اشعار کی تنقید پر مشتمل ہے جو سودا نے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق کی تھی۔

Marfat.com

یہ رسالہ اپنے زمانے کے لحاظ سے تنقید شعر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس سے ہمارے شعراء کے خیالات شعر کے معائب و محاسن کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ جس نقطۂ نظر سے وہ شعر کہتے اور سمجھتے تھے اس رسالے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ہر طرح قابل وقعت و لحاظ ہے اس کی اہمیت کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ اس میں اردو زبان کے ایک مشہور استاد کے خیالات شعر کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں شعر کو زبان و بیان اور مضمون و خیال کے اعتبار سے جس معیار سے جانچا جاتا تھا وہ اس رسالے میں موجود ہے۔ اس کی روشنی میں اگر سوداؔ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی باتیں صاف اور واضح ہو جاتی ہیں۔ اور اکثر وہ اشعار جن کو ہم اپنے زمانے کے معیار کے مطابق معانی و مفہوم کا لباس پہناتے ہیں اصل رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ہمیں کلام کے سمجھنے کے لئے تاویل و تعبیر اور قیاس و گمان سے کام لینا نہیں پڑتا ہے بلکہ کلام کی اصل روح ہمیں جیتی جاگتی نظر آتی ہے۔

یہ رسالہ آصف الدولہ کے زمانے میں ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۵ھ کے مابین بمقام لکھنؤ لکھا گیا ہے۔

(۲) سبیلِ ہدایت

یہ ایک مثنوی ہے جس میں اردو زبان کے مشہور مرثیہ گو میر محمد المتخلص بہ "تقی" کے ایک مرثیے اور ایک سلام پر ناقدانہ اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اور ان کے فنی نقائص کی پردہ دری کی گئی ہے۔ بعض معتبر ادیبوں نے اور چند تذکرہ نویسوں نے غلطی سے اس مرثیہ نگار کو میر تقی میرؔ سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ تمام قلمی نسخوں میں "تقی" ہی کا تخلص ملتا ہے۔ یہ غلطی غالباً دونوں ناموں میں مشابہت کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے میر تقی میرؔ سے اس مرثیہ گو تقی کو کوئی تعلق نہیں۔ دیوانِ سوداؔ کے قلمی نسخوں میں صاف طور سے تقی استعمال ہوا ہے ہم یہاں ایک بند نقل کرتے ہیں:۔

Marfat.com

تقی اس حکایت کو کوئی کیسا کہے گا
یہ دو حرف ہیں اس کے جو میں ہوں بولا
کوئی مہربان ہو کہے کربلا جا
کہ وہاں جا کے مرنے کی دل کو طلب ہے

تمام قلمی دواوین میں یہی تخلص موجود ہے۔ فہرست مخطوطات انڈیا آفس نشان نمبر ۱۴۷ پر سودا کے اس کلیات کا ذکر ہے جس کی کتابت یقین کے بیٹے مقبول نبی خاں نے ۱۲۱۴ھ میں شاہ جہاں آباد میں کی تھی۔ اس میں صاف طور سے محمد تقی دہلوی عرف میر گھاسی شاگردِ فخرالدین لکھا ہے۔ یہ وہی شاعر ہے جس کا ذکر میر حسن نے بھی اپنے تذکرے کے صفحہ (۷۰) پر کیا ہے۔ اِن شواہد کی موجودگی میں تقی کو میر سمجھ لینا کسی طرح صحیح اور قابلِ قبول نہیں۔ تقی اپنے زمانے کا مشہور مرثیہ گو ہے۔ اُس کی تعریف اکثر تذکرہ نویسوں نے بڑے شد و مد سے کی ہے۔ اس شہرت اور مقبولیت کو دیکھ کر سودا کو نمونے کے لئے ان کے مرثیوں اور سلاموں کی تلاش ہوئی۔ بڑی تلاش کے بعد ایک مرثیہ اور ایک سلام بہ ثبتِ دستخطِ مصنف ہاتھ آیا۔ اس کو دیکھ کر سودا حیران رہ گیا کہ عوام اور جہلا ان کو سن کر پھوٹ بہتے ہیں اور شام سے لے کر صبح تک سینہ کوبی کرتے ہیں لیکن فہم علما کی دسترس سے ان کے معانی باہر ہیں۔ سودا کو اِن مراثی پر حسب ذیل اعتراضات ہیں:-

(۱) الفاظ کا استعمال صحیح اور برجستہ نہیں کیا گیا۔

(۲) محاورات کے استعمال میں غلطیاں کی ہیں۔

(۳) فصاحت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اکثر الفاظ کو اس بے ربطی سے استعمال کیا ہے کہ وہ صاف طور سے غیر فصیح اور بے محل معلوم ہوتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارے کو خوبی کے ساتھ نہیں نبھایا، اسی لئے مفہوم واضح ہونے کے بجائے مبہم اور

Marfat.com

ناتمام رہ گیا۔

(۴) قواعدِ زبان کی غلطیاں کی ہیں۔

(۵) عروض اور قافیہ سے پوری واقفیت نہیں۔ اکثر مصرعوں کی بندشیں بھی چست نہیں،

(۶) مرثیوں کی ظاہری شکل وصورت کی ان غلطیوں کے علاوہ معنوی غلطیاں بھی اس میں موجود ہیں۔ یہ معنوی غلطیاں دو طرح کی ہیں (الف) سید الشہدا کے رتبے کو اس مبالغے سے بڑھا دیا ہے کہ بات قابل مواخذہ ہوگئی ہے۔ (ب) آنحضرت صلعم، حضرت علی، حضرت امام حسین کے مراتب کا صحیح لحاظ نہیں رکھا گیا۔

(۷) ان کے علاوہ تاریخ وروایات کی بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔

اس اردو مثنوی پر سودا نے ایک نثری دیباچہ بھی لکھا ہے، جو اس زمانے کی نثری طرزِ تحریر کا ایک نمونہ ہے، کسی شخص نے اس مثنوی اور دیباچے کو "سبیلِ ہدایت" کے نام سے مرتب کیا ہے اور شروع میں ایک دیباچہ فارسی زبان میں لکھا ہے۔ یہ رسالہ سودا کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا۔ جیسا کہ مرتب کے دیباچے سے ظاہر ہے:۔

"اگر اثرِ کلام می خواہی انصاف را از دست مدہ دیباچۂ سلطان المعانی، نہنگِ بحرِ سخندانی، ابلغ البلغا مرزا محمد رفیع سودا کہ حالا اقلیمِ سخن بہ انصاف زیرِ نگین حکمِ الیشان است وکلام الیشان منصفانِ عالم را عزیز تر از جان است، علی الخصوص شرحِ این مرثیہ وسلام کہ مسمیٰ بہ سبیلِ ہدایت است تحفہ بر بلاغت روزگار می زند۔ محض از برائے تربیتِ اہلِ صحبت نہ برائے مخالفت سرانجام شدہ"

مرتب نے اس دیباچے میں کہیں اپنا نام نہیں لکھا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکیم اصلح الدین مرتب کلیاتِ سودا ہیں۔

Marfat.com

(ج) تذکرہ —

یہ اُردو شاعروں کا تذکرہ تھا جو اب تک نا پید ہے۔ بعض تذکروں میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ قاسم نے اپنے تذکرے مجموعۂ نغز میں اِس کے دو جگہ حوالے دیئے ہیں :- (۱) خان آرزو کے مصنفہ اشعار میں ذیل کا شعر درج کیا ہے:-

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

اور لکھا ہے کہ " خدا جانتا ہے کہ حقیقت میں یہ اِسی طرح تھا یا مرزا نے اس میں تصرف کیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ قاسم نے یہ شعر آرزو سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ میر نے اس کو موسوی خاں فطرت کے ذکر میں یہ کہہ کر نقل کیا ہے:" یہ سنا جاتا ہے کہ یہ اس شاعر کا شعر ہے واللہ اعلم "

(۲) مجموعۂ نغز میں سودا کے تذکرے کا دوسرے مرتبہ سعدی دکنی کے ضمن میں حوالہ آیا ہے۔" منطۂ بیشترے از سخن پیراخصوص سرآمد شعرائے فصاحت آ مرزا محمد رفیع سودا نظر بر اتحادِ تخلص آنکہ ایں سعدی ہمون سعدی شیرازی است قدس سرہ کہ دار دیار دکن شدہ و شعر ریختہ از طبع وقادآں قدوۂ متغزلان ریختہ۔ چنانچہ در تذکرہ خود اشعار ایں سعدی دکنی را عفی اللہ عنہ بہ شیخ شیراز علیہ الرحمۃ والغفران نسبت نمودہ ـ"

معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کی نظر سے سودا کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اِسی لیے اس نے اپنے تذکرے میں دو جگہ نہایت واضح طور پر اس کا ذکر کیا اور حوالہ دیا ہے، تذکرۂ شعرائے اُردو میں بھی سعدی کے تحت تذکرۂ سودا کا اسی طرح حوالہ آیا ہے۔ سب سے پہلے قاسم نے تذکرے کا پتا دیا۔ اِس سے قبل کسی تذکرہ نویس نے اس کی طرف اِشارہ نہیں کیا۔ قاسم کے الفاظ صاف اور واضح ہیں۔ اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ

Marfat.com

اس نے اس تذکرے کو نہیں دیکھا۔

تذکرے کا لکھا جانا تسلیم کیا جائے تو اُس کے زمانہ تصنیف کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے۔ اِس کے لئے میر کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے :۔

۔۰ انچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است"۔ میر کے پیش نظر کچھ تذکرے ہوں گے جن کو دیکھ کر اُس نے "بعض" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ میر سے قبل دو تذکرے لکھے گئے تھے۔ پہلا تذکرہ خان آرزو دوسرا تذکرۂ امام الدین خان۔ آخر الذکر بقول میر حسن محمد شاہی عہد کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں بعض قدیم شاعروں کا بھی ذکر ہو۔ لیکن میر حسن کا بیان عہد محمد شاہی کی تخصیص کرتا ہے، خان آرزو کے تذکرے کے متعلق ہمارے معلومات یہ ہیں کہ وہ فارسی شاعروں کا تذکرہ ہے اُردو شاعروں سے اس میں بحث نہیں کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت حاکم لاہوری کے تذکرے "مردم دیدہ" سے بھی ملتا ہے جس میں خان آرزو کے تذکرے کے بہ کثرت اقتباسات اور انتخابی اشعار لفظ بہ لفظ نقل ہوئے ہیں۔ ان دو تذکروں کے سوا کسی ایسے تیسرے تذکرے کا ابھی تک پتا نہیں چلا جو میر کے تذکرے سے قبل لکھا گیا ہو۔ لیکن میر صاحب کے بیان سے یہ ضرور ثابت ہے کہ بعض تذکرے ان کی نظر سے ایسے گزرے جن میں سعدی دکنی کو سعدی شیرازی غلطی سے سمجھ لیا گیا۔ اگر ان تذکروں میں سودا کا تذکرہ بھی ہے تو لازمی طور سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ نکات الشعرا کے سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ سے قبل تحریر ہوا تھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سودا نے تذکرہ لکھا ہے تو کس زمانے کے شعرا سے اس میں بحث کی ہے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم دکنی شعرا سے شروع کر کے اپنے دور تک کے شاعروں کو اس میں جگہ دی ہوگی۔ قدیم شعرائے دکن کا حال اُس کو مرزا طالب متوطن مضافات اورنگ آباد کی زبانی اور بیاض سے معلوم ہوا ہوگا، طالب

Marfat.com

دہلی میں سودا کے ہم خانہ رہ چکے ہیں۔ ان کی زبانی سودا نے اکثر شعرائے دکن کے حالات سُنے تھے۔ جیسا کہ قائم نے ۱۱۶۸ھ میں اپنے تذکرے میں لکھا ہے:۔

"مرزا ابوطالب المتخلص بہ طالب ..... برفاقت ایشان (سودا) برائے کار جاگیر خود بہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد رسیدہ۔ مدتے کہ اقامت نمود ہم خانۂ ایشان بود۔ و بعضے ازیں احوال و اشعار (شعرائے دکن) کہ سابق مرقوم شدہ زبانی مرزا ابوطالب مسطور بہ مرزا صاحب (سودا) رسیدہ و از ایشان علیٰ سبیل ذکر مذکور بہ فقیر معلوم گردید"

طالب کی بیاض کا ذکر قائم نے محقق دکنی کے ضمن میں اس طرح کیا ہے "یک شعر بنام او (محقق) بر پشت بیاض کہنہ کہ از ملکیت ابوطالب مرحوم بود در ذیل شاعران دکن نوشتہ دید" قائم کے ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ سودا کو مرزا ابوطالب کے ذریعے دکنی شعراء کا علم ہوا تھا۔ اس لئے تعجب نہیں کہ اس کے تذکرے میں قدیم شعرا کا بھی ذکر ہو، اور جب سعدی جیسے قدیم شاعر کا ذکر کیا ہے تو دوسرے قدما کا بھی ذکر کیا ہوگا۔

تذکرے کے وجود، اس کے سال تصنیف اور اس کے موضوعات کے متعلق یہ بحث قیاسی ہے۔ اس ضمن میں زیادہ وسیع تحقیق درکار ہے۔ فی الحال ہمارے ذرائع معلومات اور تحقیق کی راہیں مسدود ہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ کبھی دوسری گمنام اور نایاب کتابوں کی طرح اس تذکرے کا بھی سراغ لگ جائے اور اصل حالات روشنی میں آجائیں۔

(د) نثرِ اُردو۔

نثر اردو میں حسب ذیل تین چیزیں ہیں۔

(۱) دیباچہ سبیل ہدایت۔

یہ وہی دیباچہ ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

Marfat.com

(۲) نثری ترجمۂ مثنوی شعلۂ عشق (مصنفۂ میر)

آزاد نے دو جگہ اپنی آب حیات میں اس نثر کا ذکر کیا ہے۔ پہلا وہ مقام ہے جہاں لکھا ہے "میر کی مثنوی شعلۂ عشق کے مضمون کو بھی مرزا رفیع نے نثر میں لکھا ہے" دوسری جگہ اسی کے متعلق صاف طور سے لکھ دیا ہے "کتاب مذکور اس وقت موجود نہیں" آزاد کی اس اطلاع کے ماخذ کا ہمیں علم نہیں لیکن شعلۂ عشق کی شاعرانہ خوبی پر نظر کرتے ہوئے یہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ سودا نے اس افسانہ کو نثر میں لکھا ہو۔

(۳) خط۔

ایک خط نثر میں میر صاحب کے نام لکھا تھا جس کے متعلق بابو سکسینہ نے لکھا ہے کہ یہ کلیات میں موجود نہیں، لیکن یہ نہیں بتایا کہ انھیں اس خط کا کہاں سے علم ہوا۔

(۵) فارسی دیوان۔

سودا کا ایک فارسی دیوان علیحدہ موجود ہے جو اس کے اردو کلیات کے ساتھ کئی بار چھپ چکا ہے۔ اس میں زیادہ تر غزلیں ہیں جو ردیف وار مرتب ہوئی ہیں۔ لیکن ردیفہائے پ، ث، چ، ح، خ، ز، ص، ض، ط، ظ ع، غ، ف، گ، ہ۔ نہیں ہیں۔ غزلوں کے سوا ایک قصیدہ اور چند قطعات وغیرہ ہیں جو فارسی دیوان میں نہیں ہیں بلکہ اردو کلیات میں نقل ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں سودا نے ابتداءً فارسی میں طبع آزمائی کی تھی لیکن اس کو تضیع اوقات سمجھ کر ترک کر دیا تھا۔ اسے اس زبان میں شاعری کا دعویٰ نہ تھا اور نہ اس نے کبھی اس کی مسلسل و باضابطہ مشق کی تھی، وہ خود اپنی اخیر عمر میں لکھتا ہے "بندۂ خاکسار محمد رفیع متخلص بہ سودا التماس نمود کہ احقر بزبان امور فارسی

Marfat.com

چنداں ربط ندارد و دخل ہیچمدانی در زبان فارسی بداں می ماند۔ بیت :۔

تو کار زمین را نکو ساختی — کہ با آسمان نیز پرداختی

دخدا عالم است ایں چند بیت ریختہ از قبیلِ قصیدہ و غزل بچہ سبب حسنِ قبول یافتہ است والا نہ بندہ ہم گلیم خود را از آب نہ کشیدہ "

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں فارسی کی طرف کچھ زیادہ توجہ کی تھی یہ محض پیروئی سنت شعرا۔ اُردو کے اکثر شاعروں نے (خصوصاً سودا کے دور تک) فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن اس پر دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس کو وجہ امتیاز و افتخار جانا۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ فارسی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا لیکن ابھی تک شاعروں کے دل سے اس کا خیال پورے طور پر دور نہ ہوا تھا۔

یہ قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ سودا کا جو فارسی کلام اب تک طبع ہو کر شائع ہوا ہے وہ ابتدائی زمانے کا ہے یا آخر عمر کا۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ آخری زمانے کا ہے اس سے بہت ہی نا ملائم بلکہ سخت الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے :۔

"آخر آخر عنانِ شعر ہم سر بیدہ درا بدر دآورد، اگرچہ ایں حرکت مناسب شانش نمود۔ غزلہائے فارسی خود نیز کہ در لکھنؤ گفتہ داخلِ دیوانِ ریختہ بقیدِ ردیف ساختہ وایں ایجادِ اوست[1] "

مصحفی کا یہ بیان غلطی سے پاک نہیں معلوم ہوتا۔ سودا نے ابتداءً فارسی کی طبع آزمائی کی تھی اور سلیمان قلی خاں وداد سے اصلاح لیتا تھا لیکن مصحفی نے مذکورہ بالا بیان سے چند سطریں قبل لکھا ہے :۔ " در ابتدائے شوقِ شعرِ ہندی شاگردِ سلیمان وداد بود و نیز بہ شاہ حاتم رجوع داشت " وداد فارسی کا شاعر تھا اور موسوی خاں کا متوسل تھا۔ موسوی خاں کا زمانہ سنہ ۱۱۵۰ھ (سالِ پیدائش)

---

[1] عقد ثریا صفحہ ۳۳۔

Marfat.com

تا ۱۱۸۵ھ (سال وفات) ۱ ہے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں اُردو شاعری کو شمالی ہند میں فروغ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک لحاظ سے وہاں اس کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے سوا کسی تذکرہ نگار نے وداد کا ذکر بحیثیتِ اردو گو نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں وداد سے سودا کی اُردو میں شاگردی کو منسوب کرنا قطعاً غلط ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ لکھنؤ میں غزلیں کہی تھیں اور وہ داخل دیوان کردیں۔ سودا اُردو کے ساتھ فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتا رہا لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے بہ پیرویٔ سنتِ شعرا۔ اس کی طرف خاص توجہ نہیں کی۔ اس کا ثبوت کہ قیام لکھنؤ سے قبل وہ فارسی میں طبع آزمائی کرتا تھا شفیق کے اس بیان سے بآسانی مل سکتا ہے کہ اس نے غرہ ربیع الآخر ۱۱۸۳ھ کو فرخ آباد سے ریختہ اور فارسی کے اشعار اولا محمد خاں ذکا کے نام دستخطِ خاص سے دکن بھیجے تھے ۲ ۔ مصحفی کے بیان کی تائید صرف ایک سبب سے ہو سکتی ہے۔ سودا کی بعض فارسی غزلوں میں ایسے اشعار ہیں جن میں بڑھاپے کی شکایت اور یارانِ رفتہ کی یاد کی ہے۔ اکثر اشعار میں دنیا سے بیزاری یاس اور قنوطیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ لیکن محض اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا پورا فارسی کلام لکھنؤ میں آخری وقت کا کہا ہوا ہے۔

فارسی گوئی کے ترک کے بارے میں ایک اور روایت سننے میں آئی ہے جب شیخ علی حزیں نے سودا کے متعلق کہا کہ "در پوچ گویان ہند بد نیستی" تو اس نے فارسی گوئی چھوڑ دی اور اردو میں طبع آزمائی کرنے لگا۔ ممکن ہے کہ حزیں کی اس رائے نے سودا کو فارسی سے متنفر کر دیا ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ آخر عمر تک گاہے ماہے فارسی میں طبع آزمائی کرتا رہا۔ سودا اور حزیں کے باب میں متضاد بیانات اور روایات ہیں۔ ایک روایت سے شیخ کا خطاب ملک الشعرائی دنیا

---

۱ چمنستان شعرا۔ ۲ گل رعنا مولفہ شفیق۔

Marfat.com

ظاہر ہوتا ہے اور اسکی ہلکی سی تائید سودا کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے[۱۸]۔ اور اس دوسری روایت سے سودا کا فارسی گوئی ترک کرنا معلوم ہوتا ہے۔ سودا نے بھی شیخ کی اس سخت رائے زنی کا معلوم ہوتا ہے پورا جواب دیا۔ انیس[۱۹] بند کا ایک مخمس لکھا جس میں شیخ کی ہجو کی ہے[۲۰]۔

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ سودا نے فارسی میں طبع آزمائی شروع سے لے کر آخر تک کی لیکن باضابطہ نہیں بلکہ بہت ہی کم اور کبھی کبھی۔ اس کے مقابلے میں وہ اُردو کو ہمیشہ ترجیح دیتا رہا۔ اس کے فارسی کلام پر ان حالات کو پیش نظر رکھ کر نظر ڈالنی چاہیئے۔

(۹) پہیلیاں۔

سودا نے ایک سو نو پہیلیاں لکھی ہیں جن میں سے اکثر ٹھیٹ ہندی زبان میں ہیں اُن میں عربی فارسی الفاظ کی مطلق آمیزش نہیں۔ بعض پہیلیوں میں کہیں کہیں عربی فارسی کے الفاظ آجاتے ہیں لیکن وہ ایسے عام ہیں کہ ہندی میں بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے اور نہ پڑھنے والا ان کو محسوس کرتا ہے۔ یہ پہیلیاں نہ صرف دلچسپی و تفریح کا سامان ہیں بلکہ اُن سے سودا کی طباعی کا بھی ثبوت ملتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہندی زبان اور اسلوب بیان پر کس درجہ قدرت حاصل تھی۔

---

[۱۸] ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ مقالہ ہذا   [۲۰] چمنستان شعرا۔

کلام

تدوینِ کلیات۔

تدوینِ کلیات کی تاریخ کا صحیح تعین کرنا دشوار ہے۔ سودا کم و بیش پچاس سال تک طبع آزمائی کرتا رہا اس لئے اُس کی زندگی میں اس کے کلیات کا ایک وقت میں مدون ہونا ناممکن تھا۔ میر، حمید، گردیزی اور قائم نے کلیات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ہمیں اس کے کلیات کا جو قدیم ترین نسخہ ملا ہے وہ ۱۱۷۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی تدوین و کتابت کا حال اُس کے ترقیمے (کاتب کی عبارت) سے واضح ہوگا۔

"فقیر بے حاصل بدحاصل بے ماحصل گنہ گار سیہ کار صادق علی میرزا معدوم الاحوال پریشان خاطر و شکستہ روزگار بموجب فرمائش مہربان سراپا لطف و احسان حافظ نفارت خاں سلمہ الرحمٰن یگانہ نواب ناظر مرحوم روز افزوں خاں آنچہ کہ از دیوان مرزا رفیع السودا جیسے کہ نزدِ خود داشت در عین ہنگامۂ شاہ درانی در مرہشہ کفرہ نجرہ کہ بہ ورزش روزِ مصیبت و ہر شبش شبِ صعوبت بود از کمال پریشانی کہ اسباب کتابت درست نہ داشت از بے حواسی غرضاً بطریقِ مسودہ باستعجالِ تمام بہ محبت یادگار بتاریخ ہفتدہم شہر ربیع الثانی مطابق سنہ ہجری یکہزار و یکصد و ہفتاد و چہار در بلدۂ

Marfat.com

شاہ جہاں آباد در حویلی نواب برہان الملک مغفور از نزد اختیار کردہ وقت سہ پہر اختتام تحریر نمود ... "

نسخہ بہت جلی اور خوش خط ہے۔ کاغذ بھی نہایت دبیز اور مضبوط ہے اور ابھی دو سو برس باقی رہ سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ بہت غلط لکھا ہوا ہے۔ املا غیر صحیح اور نادرست ہے۔ کاتب کی "بے حواسی اور عجلت" میں مصرعوں کے وزن و بحر بھی موزوں اور درست نہیں رہے۔ یہ نسخہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کی عنایت سے ہمیں استفادہ کی غرض سے ملا تھا۔

یہ نسخہ سوداؔ کی وفات سے اکیس[2] سال قبل کا ہے۔ اس کے ترقیمے کے الفاظ "دیوان مرزا رفیع السودا" ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۱۷۴ھ سے پہلے اس کا دیوان مدون ہو چکا تھا۔ ۱۱۷۵ھ میں شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ہے "کلیاتش متضمن بر قصائد و مثنوی و مخمس و ترجیع بند و رباعی و مرثیہ قریب دو ہزار بیت بنظر امعان رسیدہ" شفیق پہلا تذکرہ نویس ہے جس نے دو ہزار اشعر کے کلیات کی اطلاع دی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتخاب تھا اس لئے کہ ۱۱۷۴ھ کے مکتوبہ نسخے میں اس کے کئی گنا ابیات موجود ہیں۔ دوسرا تذکرہ نویس میر حسن ہے جس نے سوداؔ کے ایک شاگرد معین بدایونی کے حال میں لکھا ہے۔ "اکثر با شعرائے معاصرین پیچش دارد چنانچہ یک بار بہ شعر فقیر اعتراض بے جا نمود ہر چند فہمانیدم نہ فہمید سند مرزا رفیع دادم قبول نکرد وگفت دیوانِ مرزا من صحیح دارم در داں طور نیست۔ غرض ہر جا کہ ہمچنیں لفظ می یابد دیوان استاد خود را موافقِ طبع خود درست کند و سخنِ خود را سر سبز می نماید" میر حسن کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کا دیوان اس وقت تک شائع ہو چکا تھا اور اس کے نسخے عام طور سے لوگوں کے پاس موجود تھے۔ اس کے بعد کئی تذکرہ نویسوں نے تدوین دیوان کا ذکر کیا ہے۔ کلیات سوداؔ کی تدوین کے سلسلے میں

Marfat.com

حکیم اصلح الدین کا ذکر ضروری ہے جو سودا کے شاگرد تھے۔ اور جنھوں نے اس کی زندگی میں اس کا کلیات مرتب کیا تھا جیسا کہ دیباچہ میں لکھا ہے۔

"فقیر عزلت گزیں اصلح الدین بگوش اہل نیوش می رساند ایں دیوان رفیع بنیان مرزا رفیع السودا سلمہ اللہ تعالیٰ است"

اصلح الدین کے دیباچے کا ذکر قاسم نے بھی کیا ہے۔ "دیباچہ دیوان سرآمد شعرائے فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا .. اصلح الدین .... نوشتہ"

سودا کے کلیات کے قلمی نسخے بکثرت ملتے ہیں جن میں سے بعض اس کی زندگی کے لکھے ہوئے ہیں اور اکثر اس کی وفات کے بعد کے۔ مختلف کتب خانوں میں اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ ہم نے ان نسخوں کی ایک فہرست الگ درج کردی ہے جو ہماری نظر سے گزرے اور جن سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔ یہاں ایک نسخہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو سودا کی زندگی کا لکھا ہوا ہے اور اس کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ یہ بطور تحفہ لکھنؤ کے رزیڈنٹ اور شاعر کے ممدوح جانسن کو دیا گیا تھا۔ یہ نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے اور اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے وہاں کی فہرست مخطوطات کے نشان ۷۶ پر درج ہے۔ یہ بہت ہی خوبصورت نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے۔ شروع میں مرزا کی تصویر بھی ہے ایک قالین پر بیٹھا حقہ پی رہا ہے پیچھے خادم ایستادہ ہے۔ پہلے ورق کے بالائی سرے پر جو معرا ہے انگریزی میں ایک جملہ لکھا ہوا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"مسٹر رچرڈ جانسن، تحفہ مصنف مرزا سودا"[1]

جانسن کی مدح میں سودا نے ایک قصیدہ بھی لکھا ہے جو اس دیوان میں سب سے پہلے الگ دو صفحوں پر نقل کیا گیا ہے اس کے بعد اصل دیوان شروع ہوا ہے

---

[1] اصل جملہ یہ ہے: Mr Richard Johnson. the gift of ye auther Mirza Souda.

Marfat.com

اس سے ظاہر ہے کہ یہ خاص طور پر مسٹر جانسن کی نذر کرنے کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ کاتب نے شروع میں دو جملے لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر حسین نامی کسی شخص نے یہ دیوان جان سن کی نذر کیا تھا۔ وہ جملے یہ ہیں (۱) " دیوان میرزا رفیع سودا گزرانیدہ میر حسین صاحب دربندۂ لکھنؤ داخل کتاب خانۂ سرکار شد" (۲) دیوان سرکار نواب صاحب ممتاز الدولہ سحر الملک حسام جنگ مسٹر رچارد جانسن صاحب بہادر دام اقبالہ" ان فقروں سے بظاہر انگریزی عبارت کی تکذیب ہوتی ہے کہ سودا نے بطور تحفہ دیا تھا لیکن ہمارا خیال ہے کہ اصل انگریزی عبارت کا مدعا یہ ہے کہ سودا نے صاف کروا کے اپنا دیوان نذر کیا تھا اور وہ جملے رزیڈنٹ کے کارپرداز نے جس کے توسط سے دیوان نذر کیا گیا تھا بڑھا دیئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میر حسین ہی نے نذر کیا ہو۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ یہ سودا کی زندگی میں خاص اہتمام سے تحریر ہوا ہے۔ یہ نسخہ مولانا غلام یزدانی صاحب کے توسط اور عنایت سے ہمیں مستعار ملا تھا۔ بہت صحیح اور مستند نسخہ ہے۔ کتابت کی غلطیاں ہیں لیکن بہت شاذ۔ انڈیا آفس میں چند اور دیوان اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہیں کہ ان سے سودا کے کلام کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دیوان ۱۲۱۵ھ میں بمقام دہلی لقین کے بیٹے مقبول نبی خاں نے تحریر کیا تھا جس میں دیگر اصنافِ سخن کے ساتھ سلام اور مرثیے بھی ہیں۔ سبیل ہدایت کا ایک نسخہ ہے جو ۲۰ جنوری ۱۸۱۷ء کو شیخ طیب اللہ کاتب نے ٹیلر کے لئے لکھا تھا۔ ایک دیوان ہے جو سات حصوں پر تقسیم ہے۔ ایک اور نسخہ ہے جس کو حکومتِ مدراس کے مترجم فارسی نے کئی نسخوں سے جمع کر کے ۵ حصوں میں سی۔ پی۔ براؤن کے لئے مرتب کیا تھا۔ ایک اور قابلِ قدر نسخہ مدراس میں میر منشی محمد عبدالقادر خاں ہمت نے گلدستۂ ہند کے نام سے مرتب کیا تھا۔ بڑی محنت سے تصحیح کی جگہ جگہ تشریحی نوٹس لکھے، شروع میں فہرست دی اور ایک دیباچہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے یہ کام ۱۸۴۴ء

Marfat.com

میں ختم ہوا اس کے علاوہ اور بھی قلمی معتبر دیوان موجود ہیں جیسا کہ فہرست نسخ دواوین سے واضح ہوگا۔

سودا کا کلیات سب سے پہلے اس کی وفات کے بائیس سال بعد ۱۸۰۳ء میں کلکتہ میں طبع ہوا۔ یہ غالباً وہ نسخہ ہے جس کو شیر علی افسوس نے مرتب کیا تھا چنانچہ انھوں نے آرائش محفل کے دیباچے میں لکھا ہے :۔

"چند اوقات سرمنشۂ شعرا مرزا رفیع السودا کے کلیات کی صحت میں کاٹی، ازبسکہ وہ کاتبوں کے قلم جہل سے اغلط ہوگیا تھا جیسا کہ چاہئے صحیح نہ ہوسکا اور نسخہ بھی دوسرا کہ بمرتبۂ صحیح ہو بہم نہ پہنچا۔ سبب اس کے کہیں کہیں غلط رہ گیا۔"

۱۸۱۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے دیوان مرتب کر کے انتخاب چھاپا تھا۔ یہ بعد نظرِ ثانی مولوی غلام حیدر سررشتہ دار ہندی کالج مذکور اضافہ کے ساتھ ۱۸۴۷ء میں کلکتہ میں چھپا۔ مومن کے شاگرد عبدالرحمٰن آہی نے کلیات کو سات دیوانوں پر تقسیم کر کے مرتب کیا تھا جو لیتھو میں چھپا اور دہلی سے ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۶۱ء میں آگرہ میں قصائد کا انتخاب چھپا تھا۔ قصائد کا اور ایک انتخاب ۱۸۶۵ء میں لکھنؤ میں چھپا تھا۔ کالج پریس کلکتہ میں منتخب کلیات سودا کے نام سے ۱۸۶۸ء میں ایک دیوان چھپا تھا۔ منشی نولکشور نے ۱۸۷۳ء میں پہلی بار کانپور میں چھاپا اور دوسری بار ۱۲۸۷ھ میں۔ اس کے بعد سے نولکشور کے مطبع میں برابر چھپتا جاتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں "آسی" نے اس مطبع کے لئے دو جلد میں مضمون وار مرتب کیا ہے۔ ۱۸۵۲ء میں منشی کریم الدین نے ایک انتخاب چھاپا تھا۔ ایک بار رُباعیات کے ساتھ چند پہیلیاں جمع کر کے چمنستان ہندی کے نام سے ایک انتخاب مرتب کیا گیا تھا۔ نواب عماد الملک بلگرامی نے بھی مدراس یونیورسٹی کے لئے اس کا ایک انتخاب چھاپا تھا۔ ثاقب کانپوری نے جامعہ ملیہ دہلی

Marfat.com

کے لئے ۱۹۲۶ء میں اس کا انتخاب کیا تھا جو طبع ہو چکا ہے۔ اسی سال طالب حسین عالی نے بھی انتخاب کر کے شائع کیا ہے۔ ان ہندوستانی مرتبوں کے علاوہ دو انگریزوں نے بھی دیوان سودا کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ ان میں کیپٹن ایچ۔ ایس جیرٹ Capt. H. S. Jarret اور میجر ہنری کورٹ Major Henry Court) قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر نے ۱۸۷۵ء میں کلکتہ سے سودا کی مثنویوں کا انتخاب (منتخبات مثنویات سودا) کے نام سے شائع کیا تھا اور آخر الذکر نے مثنویات کے ایک انتخاب کا ترجمہ انگریزی میں ۱۸۷۲ء میں شملہ سے کیا گیا۔ ان کے سوا دو ایک اشاعتوں کا ذکر گارساں دتاسی نے بھی اپنے خطبات میں کیا ہے

اب تک کلیات سودا کا جو زیادہ رائج اور متداول نسخہ ہے وہ نولکشور کا ہے۔ لیکن اول تو یہ غلط ہے۔ دوسرے اس میں الحاقی کلام کثرت سے ہے جو دوسروں کا ہے، تیسرے اس میں بہت سا کلام ایسا موجود نہیں ہے جو سودا کا ہے اور دوسرے قلمی نسخوں میں ملتا ہے اس نسخے کا مرتب غلام احمد ہے جس نے کئی جگہ سے رطب و یابس جمع کیا اور بے تحقیق و تفتیش سودا سے منسوب کر کے مرتب کر دیا چنانچہ اس کی عبارت سے یہ بات ثابت ہے۔ "بندۂ غلام احمد کہ مؤلف کلیات ہذا است می گوید کہ دیوانہائے افضل المتاخرین مرزا رفیع المتخلص بہ سودا بہ شوقِ تمام و ذوقِ مالا کلام بکمال محنت و دماغ سوزی از چند جا بہم رسانیدہ بہ ترتیب دلپذیر مرتب ساختہ یادگار روزگار گزاشت۔ چوں ایں کلیات جامع تر از دیگر دواوین مشہور است اکثر عزیزان و صاحبان شوق بہ قیمت صد روپیہ طالب نسخۂ موصوفہ بودند لیکن دوری آں قبول طبع خاکسار نیفتاد۔ خدا شاہد ایں مقال است۔"
غلام احمد کا مرتبہ نسخہ ہر طرح غیر معتبر ہے۔ یہ حال نہ صرف اسی نسخہ کا ہے بلکہ بعض قلمی نسخے بھی اس عیب سے خالی نہیں۔ ہم مختلف قلمی نسخوں اور تذکروں سے

Marfat.com

سوداکا اصلی، الحاقی اور غیر مطبوعہ کلام معلوم کریں گے۔ اس کے بعد اس کے کلام کی مقدار سے بحث کریں گے۔ ہم پہلے اس حصہ کو لیتے ہیں جس میں الحاقی کلام کا ذکر ہے۔

الحاقی کلام

الحاقی کلام کے سلسلہ میں سب سے پہلے قائم کا ذکر ضروری ہے۔ یہ سودا کا نامور شاگرد ہے۔ اس کا حسب تفصیل ذیل کلام سودا کے کلیات میں داخل ہو گیا ہے۔

(۱) مثنوی در شدت سرما۔ یہ چھپن شعر کی مثنوی ہے جس کا مطلع ہے:۔

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید　　صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

یہ مثنوی قائم کی ہے۔ اس کے کئی ثبوت ہیں۔ پہلا تو یہ کہ کلیات قائم کے قدیم قلمی نسخے میں یہ مثنوی موجود ہے۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ میر حسن اور قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکروں میں اس مثنوی کو قائم ہی سے منسوب کیا ہے اور اس کے انتخابی اشعار بھی دئے ہیں۔ یہ دونوں تذکرے سودا کی زندگی ہی میں لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سودا کے ان قلمی دیوانوں میں یہ مثنوی موجود نہیں ہے جو اس کی زندگی میں لکھے گئے ہیں اور ان نسخوں میں بھی اس کا پتہ نہیں جو اس کی وفات کے پس و پیش مرتب ہوئے ہیں۔ سودا کے مروجہ کلیات میں یہ مثنوی موجود ہے لیکن قائم کے کلیات کی مندرجہ مثنوی سے مقابلہ کیجیے تو اکثر اشعار میں جابجا الفاظ و تراکیب کا فرق ہی سودا کے کلیات میں یہ اصلاح یافتہ شکل میں پائی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سودا کے پاس بغرض اصلاح یہ مثنوی آئی۔ سودا نے اصلاح تو کر دی لیکن واپس نہیں ہوئی اور جب غلام احمد نے دیوان مرتب کیا تو اس میں اسے بھی داخل کر دیا۔ یہی حال قائم اور سودا کے دوسرے شاگردوں کے کلام کا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی،

Marfat.com

خلط ملط اور الحاق و اتصال کا یہ سلسلہ سودا کے کلام کے متعلق اب تک جاری ہے چنانچہ حکیم اصلح الدین کا قصیدہ جو مصحفی کی ہجو میں تحریر ہے سید مطلب حسین عالی بی۔اے لکھنوی نے سودا سے منسوب کر دیا ہے اور اپنے انتخاب میں اُسے شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ قصیدے کے ہر شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا سودا کا حمایتی اور شاگرد ہے۔

(۲) قائم کی دوسری مثنوی "ہجو طفل پتنگ باز" سودا کے کلیات میں ملتی ہے۔ جس کا مصرعہ اولی ہے۔

ایک لونڈا ہے پتنگ کا کھلار

یہ چھبین اشعار پر مشتمل ہے۔ قائم کی مصنفہ مثنوی ہونے کے وہی ثبوت ہیں جو اس سے قبل بیان ہو چکے ہیں۔ کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں یہ درج نہیں۔ شوق نے اپنے تذکرے میں اسے قائم ہی سے منسوب کیا ہے اور اس کے چوبیس انتخابی شعر بھی نقل کئے ہیں۔ اس میں بھی الفاظ و تراکیب کا اختلاف ہے اور یہ بھی غالباً اصلاح کی غرض سے سودا کے پاس آئی تھی، اصلاح پا کر دھری رہی اور بالآخر سودا کے کلیات میں مرتب نے داخل کر دی۔

(۳) گیارہ شعر کی ایک حکایت بہ طرز مثنوی ہے جس کا مطلع ہے :-

سنا ہے کہ اک مرد اہل طریق نہایت ہی واقع ہوا تھا خلیق

یہ بھی قائم کے کلیات کے قلمی نسخے میں ہے اور کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں درج نہیں۔

(۴) تیئیس شعر کی ایک اور حکایت ہے جس کا مطلع ہے :-

سلف کے زمانے کا تاریخ داں یہ لکھتا ہے احوال وارفتگاں

(۵) سولہ شعر کی ایک تیسری حکایت ہے جس کا مطلع ہے :-

Marfat.com

سنا ہے کہ اک مرد آزادہ طور جز اپنے نہ رکھتا تھا اسباب اور

(۶) بارہ شعر کی ایک چوتھی حکایت ہے اس کا مطلع یہ ہے ۔

سنا جائے ہے اک ہوس کا حال کہ رکھتا تھا نت کیمیا کا خیال

یہ سب حکایتیں قائم کی ہیں ۔ سودا کے دیوان کے قلمی نسخوں میں یہ موجود نہیں اور کلیات قائم کے قلمی نسخے میں درج ہے ۔ ان کی تراکیب اور الفاظ وغیرہ میں کافی اختلاف موجود ہے ۔

(۷) تین سو انسٹھ شعر کی طویل عشقیہ مثنوی "حکایت مرد درویش پنجاب" سودا کے مروجہ کلیات میں داخل ہے ۔ اس کا مطلع ہے ۔

الٰہی شعلہ زن کر آتشِ دل تب دل دے بقدرِ خواہشِ دل

یہ بھی کلیات قائم میں موجود ہے اور کلیات سودا کے قلمی نسخوں میں درج نہیں اسپرنگر کے بیان کے مطابق ۱۱۹۷ھ کے ایک مکتوبہ کلیات قائم میں یہ مثنوی ایک سو چھ صفحوں پر مشتمل ہے ۔ ہر دو کلیات میں اکثر مقامات پر اختلاف پایا جاتا ہے ۔ کلیات سودا میں مثنوی کی اصلاح یافتہ شکل ہے اور قائم کے ہاں غیر اصلاح یافتہ قائم کی ان کل الحاقی نظموں کے اشعار کی تعداد پانچسو تینتیس ہے ۔ یہ اشعار حقیقتاً سودا کے نہیں ہیں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان سب پر سودا کی اصلاح ہے لیکن اصلاح کرنے سے اس کی تصنیف میں شمار ہونا لازم نہیں آتا ۔ یہ مرتب کی غلطی سے داخل ہو گئے ہیں ۔ ان پر سودا کو مصنفانہ حق نہیں پہنچتا ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے سودا کی استادانہ اصلاح اور شاعرانہ مہارت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

اسی طرح سودا کے دیگر شاگردوں کا کلام بھی اس کے کلیات میں داخل ہو گیا ہے ۔ ان میں ایک فتح علی شیدا ہے ۔ اس کی ایک مثنوی بول وبقال ہے جو فدوی لاہوری کی ہجو میں لکھی گئی ہے ۔ میر حسن اور قدرت اللہ شوق نے اس کو فتح علی شیدا

Marfat.com

کی مصنفہ بتایا ہے۔ شیدا میر سوز کا متبنیٰ تھا اور سودا کا شاگرد۔ جب فدوی نے احمد نگر عرف فرخ آباد میں سودا سے شاعرانہ مجادلہ کیا تو شیدا نے اپنے استاد کی حمایت میں اس کی ہجو لکھی۔ میر حسن اور شوق کے بیانات کے سوا خود مثنوی کے اشعار اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

دارد احمد نگر ایک ہیں مردِ عزیز
فہم میں سر تا قدم اور سراپا تمیز

شعر پہ ہر ایک کے کرتے ہیں وہ اعتراض
جامی کے دیواں سے خوب جانیں ہیں اپنی بیاض

حضرت سودا تلک جو مرے استاد ہیں
شعر پہ ان کے بھی اب ان کے یہ ایراد ہیں

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا لکھنے والا سودا کا شاگرد ہے۔ مقطع میں بھی شیدا کا تخلص صاف طور سے موجود ہے۔ سودا کے اکثر قلمی نسخوں میں یہ مثنوی موجود نہیں۔ اس کی بھی وہی شکل ہے جو دوسری الحاقی نظموں کی ہے۔ یعنی یہ اصلاح یافتہ صورت میں کلیات سودا میں داخل ہے۔ سودا کے ترجیع بند کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے کہ مثنوی "بوم و بقال" شیدا کی تصنیف سے ہے۔

ندریا بولے ہے میں ہوں استاد	میں کیا فنِ شاعری ایجاد
آکے شیدا، جو ہو مرا شاگرد	گوش دل سے سنے مرا ارشاد
مرتبہ اس کے شعر کا ہو یہ	سخن اوس کا سخن کے ہو استاد
رفتہ رفتہ سنا یہ شیدا نے	کہا اس نے کہ خانماں برباد
معنی کے گھر کو تو نے ویراں کر	پھینک دی اس کی کھود کر بنیاد

Marfat.com

کس طرح سے میں ہوں ترا شاگرد بیت سعدی کی یہ مجھے ہے یاد

کس نیاید بہ زیر سایۂ بوم

در ہما از جہاں شود معدوم

لیکن عجیب بات ہے کہ ان معتبر اور مستند شہادتوں کے باوجود مصحفی سنہ ۱۲۰۹ھ میں اس کو سودا کی تصنیف بتاتا ہے۔ ان قدیم معتبر شواہد اور داخلی ثبوتوں کی موجودگی میں مصحفی کا بیان کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

سودا کے ایک اور شاگرد فضل علی، ممتاز، کی ایک مثنوی "در توصیف چھڑی" سودا کے کلیات میں داخل ہو گئی ہے۔ میر حسن نے اس کو ممتاز سے منسوب کیا ہے اور اس کے انتخابی اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ میر حسن کا بیان ہے: "ممتاز۔۔۔ یک مثنوی مسمّٰی بہ لاٹھی نامہ خوب گفتہ کہ سلسلۂ او را بہ عصائے کلیم رسانیدہ و بہ لبسے مانند شاخ گل بر دگلہائے فکر دوانیدہ۔ چندازاں بیاد است۔ من مثنوی۔

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز

سب سے ہے ممتاز کو لاٹھی عزیز

سودا کے کلیات میں مصرعہ ثانی اس طرح درج ہے:۔

سب سے ہے سودا کو یہ لاٹھی عزیز

یہ مثنوی بھی کلیات سودا میں اصلاح یافتہ شکل میں ہے۔ قلمی نسخوں میں موجود نہیں۔

بندرابن، راقم، سودا کا شاگرد تھا۔ اس کا ایک ہجویہ قصیدہ چودہ شعر کا سودا کے قدیم مطبوعہ کلیات میں داخل ہے۔ حالانکہ راقم کا تخلص مقطع میں صاف طور سے موجود ہے۔

راقم نے ہجو از بس غصے میں جو کہی ہے اڑ جاوے گا یہ تیرے اب منہ کا نور بھڑشے

Marfat.com

الحاقی کلام کے سلسلے میں سودا کے مرثیوں پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے، اس کے مرثیوں کا دیوان بھی الگ ہے۔ اکیانوے مرثیے اس کے مطبوعہ کلیات میں ملتے ہیں جن میں اٹھارہ ایسے ہیں جو اس کے نہیں ہیں۔ ان اٹھارہ مرثیوں میں 'مہربان' تخلص موجود ہے۔ منشی کریم الدین کا بیان ہے کہ سودا مرثیوں میں مہربان تخلص کرتا تھا[1] یہ ممکن ہے کہ لفظ سودا کو منحوس خیال کرکے اور ازراہ ادب اس کا استعمال نہ کرتا ہو لیکن بقیہ ۷۳ مرثیوں میں اس کا تخلص سودا ہی درج ہے۔ اس لحاظ سے یہ توجیہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ اس کے سوا نہ تو سودا نے کہیں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرثیوں میں اس کا تخلص مہربان ہے اور نہ اس کے ہم عصر یا بعد کے تذکرہ نویسوں نے۔ ایک مرثیے میں مہربان خاں آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سودا اپنے آپ کو "خاں" نہیں لکھ سکتا تھا۔

سنا احوال تم نے اے عزیزاں کہے کیا تم سے آگے مہرباں خاں

ہمارا خیال ہے کہ یہ مرثیے بھی الحاقی ہیں اور یہ بھی اس کے شاگرد اور ممدوح نواب مہربان خاں ذیوان فرخ آباد کی تصنیف سے ہیں۔ مہربان خاں کا تخلص "رند" تھا لیکن شوق کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہربان بھی تخلص کرتا تھا چنانچہ شوق نے اس کے جو انتخابی اشعار نقل کئے ہیں ان میں دو جگہ مہربان تخلص موجود ہے۔ رند کے متعلق یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مرثیے کے غم انگیز مضامین نیز بے ادبی کے خیال سے "رند" جیسے تخلص کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے اس کی جگہ مہربان رکھ دیا۔ سودا کے کسی اور شاگرد یا شمالی ہند کے ہم عصر شاعر کا تخلص مہربان نہ تھا۔ صرف مہربان خاں ہی سودا کا شاگرد ہے۔ جس نے مہربان بھی اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ مہربان خاں مرثیے بھی کہتا تھا۔ اس بنا پر یہ خلاف قیاس نہیں کہ یہ اسی مہربان خاں کے مرثیے ہیں جو سودا سے منسوب ہو گئے

---

[1] انتخاب کلام سودا مرتبہ منشی کریم الدین۔

Marfat.com

ہیں۔ سودا نے ایک قصیدے میں جو مہربان خاں کی مدح میں لکھا ہے کہ مہربان خاں نے اِس قسم کی نظمیں شوق اور عقیدت سے لکھی ہیں۔

ہو کے مصروف دل و جاں سے کہے ہیں اُن نے
بس کہ در منقبت حیدر صفدر اشعار

اس شعر سے قیاس ہوتا ہے کہ اس نے اہل بیت کے متعلق ضرور نظمیں لکھی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرخ آباد کا بنگش خاندان تشیع کی طرف مائل تھا۔ اس لحاظ سے بھی مہربان کا (جو اسی خاندان کا پروردش یافتہ تھا) مرثیے کہنا قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔ بعض بیاضوں میں ایسے مرثیے ملتے ہیں جو۔ مہربان شاگرد سودا" کی تصنیف سے بتائے جاتے ہیں۔ ان سے بھی ہمارے خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ بیاضوں میں جو مرثیے ہیں ان میں مہربان تخلص ہے اور سودا کے کلیات میں بقیدِ تخلص سودا موجود ہے۔ یہ مرثیے ان اٹھارہ مرثیوں کے سوا ہیں یہ بھی الحاقی ہیں۔ مرتب نے غلطی سے کلیات سودا میں شامل کر دئے ہیں۔ اِن مرثیوں کے الحاقی ہونے کی بھی وہی صورت ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ یہ الحاقی مرثیے دیوان سودا کے قلمی نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ اٹھارہ مرثیے سودا کے مطبوعہ دیوان مراثی میں بقیدِ تخلص، مہربان، موجود ہیں اور بعض میں سودا ہی کا تخلص درج ہے لیکن بیاضوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ الحاقی ہیں۔

مہربان خاں کے سلسلے میں ایک ضروری بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب، معلوم ہوتا ہے کہ میر سوز مہربان خاں کے استاد تھے۔ سودا سے بھی وہ مشورہ کرتا تھا۔ اس کے دیوان میں کئی غزلیں ایسی ہیں جو سوز اور سودا دونوں کے کلیات میں ملتی ہیں۔ ان کے متعلق شوق نے لکھا ہے " اکثر اشعار در دیوان او (مہربان خاں) یافتہ شد کہ آنرا میر سوز نسبت بطرف خود می کند و بعضے گویند کہ از مرزا رفیع است۔"

Marfat.com

سودا اور سوز کے کلیات کے متعدد نسخوں کا ہم نے مقابلہ کیا ہے۔ بیسیوں غزلیں مشترک ہیں ان کی نسبت یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دراصل کس کی ہیں۔ آیا سوز کی یا سودا کی یا خود مہربان خاں کی۔ مہربان خاں کے دیوان میں بقول شوق پچاس ہزار اشعار ہیں۔ اس وقت وہ ہمارے پیش نظر نہیں ورنہ ممکن تھا کہ اس کے حل کی صورت نکل آتی۔ سودا اور سوز کے طرز انداز اور رنگ طبیعت سے بھی ان کے مصنف کا پتا چل سکتا ہے لیکن یہ امر قیاسی ہے یقینی نہیں۔

مصحفی نے لکھا ہے کہ مہربان خاں کے دیوان میں سودا کا کلام پایا جاتا ہے جو بہت قبیح امر ہے۔ شوق نے اپنے تذکرے میں ایسی ۷ غزلوں کا حوالہ دیا ہے جو دیوان رند میں موجود ہیں اور جن کی نسبت سوز کہتے تھے کہ خود ان کی ہیں اور بعض ان کو سودا کی بتاتے تھے۔ اس مشتبہ کلام کا نمونہ نقل کرنے کے بعد شوق نے لکھا ہے "علیٰ ہذا القیاس اکثر غزلیات مربوط و مضبوط کہ داخل دیوان او (رند) است آں را بمرزا رفیع و میر سوز وغیرہ نسبت می کنند۔ خدا داند کہ در واقع از کیست" اس جملے میں لفظ "وغیرہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا اور سودا کے علاوہ اور بھی شاعر ایسے ہیں جن کا کلام دیوان رند میں موجود ہے ایسی صورت میں یہ بحث اور بھی پیچیدہ ہو جاتی ہے اور ان کے مصنف کا معلوم کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہم نے بہت سا ایسا کلام معلوم کیا ہے جو سوز اور سودا دونوں کے دیوانوں میں مشترک ہے۔ یہ چونکہ مقدار میں بہت زیادہ ہے اس لئے اس کا یہاں نقل کرنا یا اس کی تفصیلات پیش کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ انجمن ترقی اردو کلیات سودا خاص تحقیق سے مرتب کرا رہی ہے اس سے یہ بحث بالکل صاف ہو جائے گی؟

Marfat.com

غیر مطبوعہ کلام

سوداؔ کا بہت سا کلام ایسا ہے جو اب تک معرض طبع میں نہیں آیا اور عام دسترس سے باہر ہے۔ غیر مطبوعہ کلام میں سب سے پہلے قصائد پر نظر پڑتی ہے۔ مطبوعہ کلیات میں صرف چوالیس قصیدے ہیں۔ ان کے علاوہ گیارہ قصیدے اور ہیں جو ہمیں قلمی نسخوں میں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) ایک قصیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی مدح میں ہے جو چھیالیس شعر کا ہے۔ اس کا مطلع ہے :-

مکھڑے سے اپنے زلف کے پردے کو تو اُٹھا
ابر سیہ میں ماہِ درخشاں کو مت چھپا

(۲) دوسرا قصیدہ حضرت علی کی منقبت میں ہے جو چوالیس شعر پر مشتمل ہے۔ اس کا مطلع ہے :-

لخت دل بکھرے ہیں یوں آہ سے ہنگام قلق
جنبش باد سے جوں گل کے پریشاں ہوں ورق

(۳) تیسرا قصیدہ "خلاصۃ الاوراد" ہے جو حضرت امام زین العابدین کی مدح میں ہے اس کے ترسٹھ شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے :-

Marfat.com

کہا میں ایک دن اس سے کہ اے ستم ایجاد
جفا و جور کہاں تک کہاں تئیں بیداد

(۴) چوتھا قصیدہ حضرت امام حسن کی مدح میں ہے اس کے بیس شعر ہیں مطلع یہ ہے:۔

ہوا ہے دشت برنگ چمن طرب مانوس
نگہ غزال کی جوں شاخ سبز ہے محسوس

(۵) پانچواں قصیدہ حضرت امام باقر کی مدح میں ہے اور اس کے تراسی شعر ہیں، اور مطلع یہ ہے:۔

ہزار شکر گئے وہ خزاں کے رنج و الم
رسیدہ مژدہ کہ آمدِ بہارِ فیض قدم

(۶) چھٹا قصیدہ "صبح صادق" ہے جو امام جعفر صادق کی مدح میں ہے۔ اس کے پینتالیس شعر ہیں اور مطلع یہ ہے:۔

فلک بتا دے مجھے اپنے عیش و غم کی طرح
کرم کی کون طرح کونسی ستم کی طرح

(۷) ساتواں قصیدہ حضرت امام نقی کی مدح میں ہے اس کے اکتیس شعر ہیں، مطلع یہ ہے۔

ہووے جو قطرہ ریز یہ چشم تر آب میں
پیدا ہو پھر بجائے گہر اخگر آب میں

(۸) آٹھویں قصیدے کے ممدوح بھی حضرت امام نقی ہیں اسکے بائیس شعر ہیں، مطلع یہ ہے۔

ہوا کے فیض سے ایسا ہے سبز باغ جہاں
شبیہ سنبل تر سے ہے موجِ ریگ رواں

Marfat.com

(۹) نواں قصیدہ دربار اودھ کے انگریز رزیڈنٹ رچرڈ جانسن کی مدح میں ہے۔ اس کے تینتیس شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے:-

دیکھا نہ جائے اس سے رخِ گلرخاں پہ رنگ
غنچے کے بھی دہن کی ہے چشم زمانہ تنگ

(۱۰) دسواں قصیدہ ایک شیخ جی کی ہجو میں ہے اس کے بیس شعر ہیں اور مطلع یہ ہے:

شیخ جی گول ہیں دستار بھی ان کا ہے گول
چھپ رہا ریش مبارک کے تلے پیٹ کا جھول

(۱۱) گیارہواں قصیدہ (مضحکۂ دہر) بریلی کے کسی شیخ کی ہجو میں ہے۔ سینتالیس شعر کا ہے۔ مطلع یہ ہے:-

لکھتا ہوں میں اک شیخ بریلی کی حکایت
ہر چند زباں خامہ کی قاصر ہے نہایت

قصائد کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی مستقل نظموں کے علاوہ اکثر اشعار اور بند ایسے ملتے ہیں جو مطبوعہ کلیات میں موجود نہیں ہیں اور قلمی نسخوں میں درج ہیں۔ ان کی تفصیل یہاں طوالت کا باعث ہوگی۔ ہم نے اس کا ایک مفصل اشاریہ (انڈکس) بنایا ہے جسے انجمن ترقی اُردو کلیات سودا کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

Marfat.com

مقدار کلام

سودا نے کم و بیش پچاس سال شاعری کی ہے۔ نصف صدی کی شاعرانہ پیداوار کا کافی ذخیرہ ہے۔ شاعر کے کلام کے مطالعے کے وقت اس کے کلام کی صحیح مقدار کا معلوم کرنا بڑی حد تک ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سودا کے الحاقی اور غیر مطبوعہ کلام کی بحث ابھی پورے طور سے طے نہیں ہوئی ہے اور ابھی ضرورت ہے کہ اس کے اصلی کلام کا صحیح تعین خاص تحقیق سے کیا جائے اس لئے اس کے کلام کی مقدار کا صحت اور تیقن کے ساتھ درج کرنا مشکل ہے۔ انجمن ترقی اردو کلیات سودا کو خاص تحقیق سے مرتب کرا رہی ہے۔ اس کی اشاعت سے سودا کے کلام کی بڑی حد تک صحیح مقدار معلوم ہو جائے گی۔ یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے کلیات میں تمام اصناف سخن قصیدہ، غزل، واسوخت، مثنوی، مرثیہ، قطعہ، ترجیع بند، ترکیب بند وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ ہر صنف میں کلام کی کافی مقدار موجود ہے۔ اس دور کے کسی شاعر کا کلام اس قدر متنوع اور ضخیم نہیں

Marfat.com

کلام کی سنہ وار ترتیب

سوداؔ کے پورے کلام کو سنہ وار مرتب کرنا دشوار ہے۔ سوائے چند قصائد چند ہجویات اور چند قطعات وغیرہ کے جو کسی خاص تقریب سے لکھے گئے ہیں، پورا کلام ایسا ہے جس کے متعلق یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کیوں اور کب تحریر ہوا۔ خصوصاً غزلوں کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ اس میں کوئی داخلی شہادت تعینِ زمان و مکاں کی نہیں ملتی۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ جس قدر کلام قید زمان و مکاں میں لایا جا سکے لایا جائے۔ ہمارے تین ماخذ ہیں۔ ایک تو خود سوداؔ کے کلام کا وہ حصہ جو مختلف تقریبوں سے ان بادشاہوں، امیروں اور دوسرے لوگوں کی مدح یا قدح میں تحریر ہوا جن کے سنین تاریخوں میں ملتے ہیں۔ دوسرا ماخذ تذکرے ہیں جو سوداؔ کی زندگی میں لکھے گئے ہیں۔ جو کلام بطور نمونہ ان میں درج ہے اس کے متعلق یہ یقین ہے کہ ان تذکروں کی تالیف سے قبل کا ہے۔ بعض دیوان ایسے ہیں جو سوداؔ کی زندگی ہی میں تحریر ہوئے ہیں ان دواوین میں جس قدر کلام ہے اس کے متعلق بھی یقین ہے کہ ان کے سالِ کتابت سے پیشتر کا ہے۔

Marfat.com

۱۱۶۱ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

عہد محمد شاہی میں سودا کا ممدوح لبنت خاں خواجہ سرا تھا۔ محمد شاہ کی وفات ۱۱۶۱ھ میں ہوئی اس لحاظ سے جو قصیدے لبنت خاں کی مدح میں لکھے گئے ہیں وہ یقیناً ۱۱۶۱ھ سے قبل کے ہیں۔ یہ دو قصیدے ہیں جو مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں۔

۱۱۶۵ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

میر تقی میر اور خواجہ حمید خاں اورنگ آبادی کے تذکرے اسی سال کی تالیف ہیں۔ ان میں جو کلام درج ہے اس کے متعلق یقین ہے کہ وہ ۱۱۶۵ھ سے قبل کا ہے۔ ان تذکروں کے منتخبہ اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزلیں اور نظمیں جن کے یہ چیدہ اشعار ہیں اس سال سے قبل کہی گئی ہیں۔ ان دونوں تذکروں میں ۷۶ غزلوں کے اشعار ہیں۔ اس کے سوا دو رُباعیاں بھی ہیں اور قصیدہ تضحیک روزگار کا بھی ذکر ہے۔

۱۱۶۶ھ سے قبل کا کلام (بمقام دہلی)

گردیزی نے اپنا تذکرہ ۱۱۶۶ھ میں نکاتِ الشعرا کے ایک سال بعد لکھا ہے۔ اب تک اس کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ سمجھا جاتا تھا لیکن ایک قلمی نسخے میں جس کو سید عبدالولی عزلت نے ۱۱۷۳ھ میں لکھوایا تھا اس کا سنہ تالیف خود گردیزی کے الفاظ میں ۱۱۶۶ھ درج ہے۔ اس میں جو کلام سودا کا درج ہے اس کی نسبت یقین ہے کہ وہ ۱۱۶۶ھ سے قبل کا ہے۔ میر صاحب کے تذکرے میں جو کلام ہے وہ نظر انداز کر دیا جائے تو گردیزی کے تذکرے سے چند مزید غزلوں کا پتا چلتا ہے۔

Marfat.com

۱۱۶۴ھ اور ۱۱۶۷ھ کے مابین کا کلام (بمقام دہلی)

احمد علی خاں سیف الدولہ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں میر بخشی احدیاں رہ چکے ہیں۔ یہ سوداؔ کے ممدوح تھے۔ اسی زمانے میں عماد الملک کی شان میں بھی سوداؔ نے قصیدے کہے ہیں۔ ان دونوں امیروں کے نام سے سوداؔ کے قصیدے اس کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں۔

۱۱۶۷ھ کا کلام (بمقام دہلی)

یہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کا سال ہے۔ اس میں سوداؔ نے چند قصیدے کہے ہیں بعض عماد الملک کی مدح میں ہیں جن میں اس کے زمانے میں وزارت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ ایک آدھ قصیدہ عالمگیر ثانی کی مدح میں بھی ہے۔ یہ قصائد ایک ہی سال میں کہے گئے ہیں اس لئے کہ اسی سال عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا اور اسی سال سوداؔ نے دہلی کو خیر باد کہی۔

۱۱۶۸ھ سے قبل کا کلام

قائم نے اپنا تذکرہ مخزن نکات ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے۔ اس میں جو کچھ کلام درج ہے وہ یقیناً اس سنہ سے قبل کا ہے۔ اس میں بعض غزلیں وغیرہ اس سے قبل کے تذکروں میں آگئی ہیں۔ لیکن غیر مشترک کلام بھی کافی ہے۔ اور بعض نظموں وغیرہ کے نام بھی اس میں ملتے ہیں یہ کلام غالباً قیام دہلی کے زمانے کا ہے اس لئے کہ قائم نے لکھا ہے کہ مرزا ابھی ابھی فرخ آباد گئے ہیں۔

Marfat.com

۱۱۷۴ھ سے قبل کا کلام

حبیب گنج والا نسخہ جس کا ذکر ہم نے تدوین کلیات کے تحت درج کیا ہے ۱۱۷۴ھ میں تحریر ہوا۔ اس میں وہ کلام درج ہے جو کاتب کے پاس جمع تھا اس میں غزلیں قصیدے، مثنویاں، مسدس، مخمس وغیرہ ہیں۔ اس میں وہ کلام بھی پایا جاتا ہے جو اس سے قبل کے تذکروں میں درج ہے لیکن ان تذکروں میں کچھ کلام ایسا بھی موجود ہے جو اس میں درج نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ پورا کلام درج نہیں جو اس وقت سودا نے کہا تھا۔ اِس دیوان میں جو کلام درج ہے اس کے متعلق بھی قیاس ہے کہ وہ سودا کے قیام دہلی کی پیداوار ہے۔ اس لئے کہ کاتب کو جو کلام دہلی میں مل سکا اس نے اس میں جمع کر دیا۔ اس دیوان کے ترقیمے کو دیکھنے سے جسے ہم نے تدوین کلیات کے تحت نقل کیا ہے اس خیال کی مزید تائید ہوگی۔

۱۱۷۵ھ سے قبل کا کلام

شفیق اورنگ آبادی نے اپنا تذکرہ ۱۱۷۵ھ میں لکھا ہے۔ اس نے اپنے تذکرے کی بنیاد صرف میر اور گردیزی کے تذکروں پر رکھی ہے۔ لیکن ذاتی معلومات کی بنا پر چند اضافے بھی کئے ہیں۔ ان کی نظر سے سودا کا کلیات گزر چکا تھا۔ جیسا کہ ہم نے تدوین کلیات کے تحت اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس نے میر اور گردیزی کے انتخابی اشعار کے علاوہ کچھ اور بھی کلام بطور نمونہ درج کیا ہے۔ اور چند نظموں کے نام بھی بتائے ہیں۔ ان میں ایک آدھ نظم (مثلاً مخمس در ہجو شیخ علی حزیں) ایسی ہے جو اب تک دستیاب نہیں ہوئی۔ یہ غیر مشترک اور زائد کلام بھی قیام دہلی کے زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

اسی سال (۱۱۷۵ھ) فتوت اورنگ آبادی نے اپنا تذکرہ ریاض حسینی لکھا ہے اس میں بھی قیام دہلی کے زمانے کا کلام معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس نے عزلت کے ذخیرۂ کتب سے استفادہ کیا ہے جو کچھ عرصے قبل شمالی ہند سے دکن آئے تھے۔

۱۱۶۷ھ تا ۱۱۸۵ھ کا کلام (بمقام فرخ آباد)

یہ وہ زمانہ ہے جس میں سودا فرخ آباد میں تھا۔ مہربان خاں رند اور احمد خاں بنگش کی تعریف میں جو قصائد اور دوسری نظمیں وغیرہ ہیں وہ سب اسی زمانے کی ہیں۔ بعض لوگوں کی ہجویات بھی یہاں لکھی گئی ہیں۔ اس کا پتہ خود ان نظموں سے ملتا ہے۔

۱۱۸۵ھ تا ۱۱۸۸ھ کا کلام (بمقام فیض آباد)

شجاع الدولہ کے زمانے میں سودا کا قیام یہاں تھا۔ اِن کی مدح میں جو قصیدے اور قطعے وغیرہ ہیں وہ سب اسی زمانے کے ہیں۔ ان کے سوا چند ہجویات وغیرہ بھی ہیں جو وہاں کے ہم عصر شعراء وغیرہ کے حق میں کہی گئی ہیں۔ ان ہجویات میں اُس مقام اور زمانے کی شہادت مِل جاتی ہے۔

۱۱۸۸ھ سے قبل کا کلام

اِس سنہ میں دو تذکرے لکھے گئے ہیں ایک تو قدرت اللہ شوق کا طبقات الشعراء، دوسرا میر حسن کا تذکرۂ شعرائے ہندی۔ ان دونوں تذکروں کے سنین تالیف زیادہ صاف اور یقینی نہیں۔ شوق نے پہلی مرتبہ ۱۱۸۸ھ میں اپنا تذکرہ لکھا، پھر ۱۲۰۹ھ میں اس میں معتدبہ اضافہ کیا۔ لیکن ۱۱۸۸ھ میں جن شاعروں کا حال لکھا ہے ترمیم کے بعد ان کے کلام کے نمونوں میں بہت کم تبدیلی کی ہے۔ ہمارے پیشِ نظر

Marfat.com

۱۱۸۸ھ اور ۱۲۰۹ھ کے دونوں تذکرے ہیں۔ میر حسن کے تذکرے کے متعلق اکثر محققین کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مولانا شروانی نے ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے مابین اس کی تالیف کا سنہ بتایا ہے اور بعضوں نے ۱۱۹۴ھ۔ ہمارا خیال ہے کہ میر حسن نے ۱۱۸۸ھ سے قبل شروع کیا اور ۱۱۹۲ھ کے بعد تک لکھتا رہا۔ چنانچہ سودا کی نسبت لکھا ہے: "الحال در سرکار نواب شجاع الدولہ بہادر بوسیلۂ شاعری سرفراز است"۔ شجاع الدولہ کا انتقال ۱۱۸۸ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ اس سے قبل فیض آباد میں یہ تذکرہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور ۱۱۹۲ھ کے بعد تک لکھتا رہا۔ چنانچہ شاہ فصیح کے متعلق لکھا ہے: "در سال یک ہزار و یک صد و نود و دو بر حمت حق پیوست"۔ بہر حال ان دونوں تذکروں میں جو کلام موجود ہے وہ ۱۱۸۸ھ سے قبل کا ہے۔ اس لئے کہ دونوں تذکروں میں سودا کے حالات اسی سنہ میں قلم بند ہوئے ہیں۔

۱۱۸۸ھ تا ۱۱۹۵ھ کا کلام (بمقام لکھنؤ)

آصف الدولہ ۱۱۸۸ھ میں مسند نشین ہوئے۔ ان کے زمانے میں سودا ۱۱۹۵ھ تک زندہ رہا۔ اس عرصے میں اس کے ممدوحین میں خود نواب، ان کے نائب حسن رضا خاں سرفراز الدولہ اور ان کے درباری انگریز رزیڈنٹ جانسن ہیں۔ ان کی مدح میں سودا کے کئی قصیدے ہیں۔ ان کے سوا چند مختلف قطعات اور نظمیں وغیرہ بھی ہیں جن سے قیام لکھنؤ کا صاف طور سے ثبوت ملتا ہے۔

ہم نے سنہ وار کلام کی تفصیلات بخوف طوالت یہاں درج نہیں کی ہیں اس بحث کے چھیڑنے کا مدعا محض یہ تھا کہ اگر کوئی سودا کے کلام کو اس نظر سے

Marfat.com

دیکھنا چاہے تو اسے ضروری اشارے مل سکیں، شاعر کے لسانی، بیانی اور دماغی وتخیلی ارتقاء کا مطالعہ سنہ وار ترتیب کی روشنی میں بخوبی و بآسانی ہو سکتا ہے سنہ وار ترتیب کا پورا اور صحیح التزام ہم نے اس دیوان میں کیا ہے جو انجمن ترقی اردو کے لئے مرتب ہو رہا ہے۔ اس سے اس بحث پر کافی روشنی پڑے گی

Marfat.com

(الف) اردو کلام

غزلیات

غزل شاعرانہ مشق کی پہلی سیڑھی ہے ۔ ہمارے شاعروں کا یہی میدان ابتدائی جولانگاہ تھی ۔ شاعری کا آغاز اسی سے ہوتا تھا ۔ دوسری اصناف سخن میں نہ تو ابتداءً طبع آزمائی کی جاتی تھی اور نہ کہنہ مشقی اور مزاولت کے بعد بھی ان کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی ۔ دور جدید کی شاعرانہ بیداری سے درگزر کیجئے تو ہماری شاعری کا تمامتر سرمایہ غزل ہی تھا ۔ یہ بہت اہم صنف ہے ۔ یہ وہ میدان ہے جس میں شاعروں نے اپنی طبع کی جولانیوں کو ختم کر دیا ہے ۔

سودا کی شاعری کی ابتدا بھی عام رواج کے مطابق غزل ہی سے ہوئی ، اس نے ریختے میں مشورۂ سخن حاتم سے کیا جس کی شاعرانہ پونجی میں سوائے غزل کے تقریباً کچھ نہیں ۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ شاگرد کو غزل میں طبع آزمائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ۔ اس دور کے شاعروں کا اشہب طبع غزل کے میدان سے بہت کم آگے بڑھتا تھا ۔ جو تھا غزل پر ریجھا ہوا تھا ۔ دوسرے اصناف پر بہت کم نظر ڈالتا تھا ۔

سودا نے اپنی غزلیں ابتداءً مشاعروں میں سنانی شروع کیں ۔ چنانچہ اس کے کلام میں مرزا بیدل کے عرس کے سالانہ مشاعرہ کا ذکر ملتا ہے جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے ۔

Marfat.com

مولوی ندرت کی ہجو میں دو جگہ لکھا ہے۔

عرس میں جا میرزا بیدل کے تئیں باشدّ و مد
شعر ناموزوں و پوچ اس رات کو پڑھتا تھا جد
کہتے تھے سن سن کے تیرے حق میں سب لعن نیک و بد
چوں کلاغ امشب کہ مغز سامعاں را میخورد
ایں لعیں در بزم طرح شور و غوغا ریختہ

ایسی غزل عرس میں تم سے جب انصرام ہو
بحر میں جس کی ہر طرح شبہ خاص و عام ہو
تقطیع اس کی جب کنے صبح سے تا بشام ہو
اس کی طرف سے آخرش تم کو یہی پیام ہو
گھوڑے کو دو نہ دو لگام منھ کو تنگ لگام دو

سوداؔ ان مراختوں میں بھی شریک ہوتا تھا اور اپنا کلام سناتا تھا جن کا ذکر ہم تمہیدی حصّے میں کر چکے ہیں۔ خان آرزو کے مراختے میں شرکت کا حال ہم قدسی کے شعر کے ترجمے کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ اس کے سوا دردؔ، میرؔ اور دوسرے لوگوں کے مراختوں میں وہ شریک ہوتا تھا اور طرحی غزلیں پڑھتا تھا۔ خان آرزو کے مراختے میں سودا اپنی ابتدائی مشق کے زمانے میں شرکت کرتا تھا۔ بقیہ مراختوں میں اس کی شاعرانہ مشق کی پختگی کے جوہر کھلتے ہیں۔

سوداؔ کے ذخیرۂ غزل پر نظر ڈالی جائے تو وہ کیا بلحاظ مضامین و موضوعات اور کیا بلحاظ زبان و اسلوب بیان خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کی غزل بھی انھیں مروجہ رسمی مضامین و لوازمات کی

Marfat.com

حامل ہے جو فارسی غزل کی تقلید سے اُردو میں رس بس گئے تھے۔ ان عام فارسی اثرات کے علاوہ سوداؔ نے بعض اساتذۂ فارسی کے رنگ کو خاص طور سے اختیار کرنا چاہا۔ غزل کا بیشتر حصّہ ایسا ہے جس میں محض مروجہ رسمی مضامین ہیں اور جس کو شاعر کی زندگی کا داخلی پہلو نہیں کہا جاسکتا مگر ایک حصہ بے شبہ ایسا بھی ہے جو اس کے ذاتی تجربات و مشاہدات کی اطلاع دیتا ہے اور عام رسمی جکڑ بندیوں کے باوجود شاعر کی جدت و جودت اور اس کے ہنر و کمال کا پتہ دیتا ہے۔ اس لحاظ سے سوداؔ کی غزل کے اہم اور خاص مباحث حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

(۱) عام رسمی موضوعات و مضامین۔

(۲) ذاتی مشاہدات و واردات۔

(۳) اساتذۂ فارسی کا اثر۔

ہم ان مباحث کے التزام سے سوداؔ کی غزل گوئی پر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالیں گے۔ غزل کا اصل موضوع حسن و عشق ہے۔ سودا کی غزلوں میں حسن و جمال کی کیفیات اور عشق و محبت کی واردات پائی جاتی ہیں۔ اس نے اس موضوع پر کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے۔ اس موضوع کے مشہور اجزا کو لے کر ہم پہلے غزلوں پر بحث کریں گے۔

عشق و محبت کا باعث حسن و جمال ہے۔ سوداؔ کی غزلوں میں یہ حسن کہیں کہیں اس بے زوال حسن کا نشان دیتا ہے جس کو شاعر کی نہایت تیز جمالی نظر دیکھ سکتی ہے لیکن اکثر جگہ حسن سے شاعر کی مراد انسانی قد و قامت اور خط و خال کی موزونیت ہے۔ خط و زلف، لب و دنداں، چہرہ و عارض، قد و قامت، آن و بان وغیرہ وغیرہ کی تعریف ہے۔ حسن کے یہ لوازمات تشبیہ و استعارہ کا کام ہر وقت نہیں دے سکتے اور پھر ایسی حالت میں جبکہ شاعر خود ہی اس حسن کو زوال پذیر اور فانی کہتا

Marfat.com

ہے۔ ظاہر ہے کہ حسن کی یہ تحدید حقیقی حسن کی وسعت کے مقابلے میں ہے۔ حسنِ لازوال پر مجاز کی یہ نقاب نہایت بے جوڑ معلوم ہوتی ہے کہ مجاز کے پردے میں حقیقت روپوش ہے۔ کہیں کہیں شاعر کی جما وہ جھلکیاں دیکھی ہیں جو کسی قدر لازوال اور حقیقی معلوم ہوتی ہیں لیکن دل گواہی دیتا ہے کہ اس نغمہ میں آہنگِ حقیقت بہت ہی معمولی اور رسمی ہے۔ ایسے چند مقامات ہیں:

جو تجھے دیکھے کہے حور و ملک شمس و قمر
حسن تیرا دور تر لدراک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیونکر بت رعنا میرا حور و بشر ٹھہرا
کہ جس کے نور کے سائے سے یہ شمس و قمر ٹھہرا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

کفر کی میرے تجلی ہے نظیر شمع طور
پوجوں ہوں جس بت کو میں اک نور ہے اللہ کا

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

مہر ہر ذرے میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں

Marfat.com

ہر ایک شے میں سمجھ تو ظہور کس کا ہے
شرر میں روشنی شعلے میں نور کس کا ہے

پردے کو تعین کے درِ دل سے اُٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ
جوں شمع حرم رنگ جھمکتا ہے بتاں کا

کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ
سب رنگ میں ہے تو یہ ترا سب سے بری رنگ

کہاں وہ نور کا شمس و قمر میں ہے شعلہ
جو حسن یار کا اپنی نظر میں ہے شعلہ

لیکن واضح رہے کہ یہ رنگ سودا کا نہیں۔ اس کا معشوق انسان ہے جس کا حسن بھی انسانی ہے۔ معشوق بھی وہ جس کی تصویر فارسی کی غیر صوفیانہ شاعری میں نظر آتی ہے۔ اُس کے خصائص و لوازم وہی ہیں جو فارسی غزل کے معشوق کے ہیں۔ سودا کے معشوق کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ جس کو معشوق حقیقی اور حسن بے زوال کے جلوے دیکھنے ہیں وہ خواجہ درد کے دیوان میں دیکھے۔ سودا کی نظر میں یہ جلوے بہت کم بلکہ نہیں ہیں۔ اس نے اپنے معشوق کی جو شبیہ کھینچی ہے اور اس کے جو خط و خال بتائے ہیں، اس کا ذکر ذیل کی سطروں میں کیا جاتا ہے:۔

Marfat.com

معشوق کے حسن و جمال کی تعریف میں بے شمار شعر ہیں، کہیں اسے محض سادہ الفاظ میں بے مثال و بے نظیر بتایا ہے۔ یہ بالکل سیدھے سادھے الفاظ ہیں جن میں کوئی خاص ندرت خیال وغیرہ کی نہیں۔

کرتا ہوں سیر جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا

نازک اندامی کروں کیا اس کی لے سوداییاں
شمع ساں جس کے بدن پر ہو پسینے کا خراش

حسن یار کا دوسری حسین اشیاء سے مقابلہ کیا ہے اور دونوں میں فرق دکھا کر سراہا ہے:-

چہرہ ترا ساکب ہے سلطان خاوری کا   چیرہ ہزار باندھے سر پر جو وہ زری کا

جو حسن دیکھتا ہوں میں فندق پہ یار کے
وہ لطف کب رکھے ہے گل ارغواں غلط

دیکھے جو ایک آن ترا سرو خوش و خرام
قمری نہ دیکھے پھر کبھی شمشاد کی طرف

ہجو ہے اس زلف کی تشبیہ دینا مشک سے
شاعر دیہ بات پہنچے کی دراز دور تک

Marfat.com

تیرے آگے اسے خورشید کا منھ خوش نہیں آتا
چمن سے ورنہ کیوں جاتی رہی وقت سحر شبنم

کرتے ہو ہر دم جو وصفِ چشمۂ آبِ حیات
آب ہے جو خنجرِ قاتل میں سمجھو تو کہوں

لب و لہجہ ترا سا ہے کہیں خوبانِ عالم میں
غلط ہے یہ زبانوں پر کہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

تبسم یوں نمایاں ہے مسی آلودہ دنداں سے
نہ ہو ابرِ سیہ میں اس طرح بجلی کی اچپلیاں

کبھے بولیں عقیق اور کہ نگینِ لعل ٹھیرا دیں
یہ ناشاعر ترے ہونٹوں کو کیا کیا نام دھرتے ہیں

معشوق کے مختلف اعضا، حرکات اور سکنات کی تعریف کی ہے اور ان کو بھی کہیں تو محض سادہ الفاظ میں حسین و جمیل اشیا کے مقابلے میں اور کہیں تشبیہ و استعارے کے پردے میں بیان کیا ہے اور ان کے اثرات و کیفیات کا اظہار کیا ہے۔

ہو جس کی چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کی
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقیٔ گلفام کیسا ہو گا

Marfat.com

چمن ہے کس کے گرفتارِ زلف و کاکل کا کہ اس قدر ہے پریشان حال سنبل کا

حلقے میں اس کی زلف کے عارض پہ کر نظر
کچھ شب میں رہ گیا ہے گرہ کھا کے نورِ صبح

خط سمجھ اے دل نہ اس عارض کے ملکِ حسن میں
اُتری ہے یہ فوج بہرِ غارتِ گلزارِ عشق

جنبشِ ابرو نے مارا لشکرِ صبر و قرار
ہووے ہے فیصل کہ جب پہنچے ہے با شمشیر جنگ

سیر کرتا ہے خیال اس کی نگہ کا جدھر
نظر آتے ہیں اُدھر گنجِ شہیداں مجھ کو

اُس زلف کو جب دیکھا میں ہاتھ میں سودا کے
بپھرے ہوئے ہاتھی کی زنجیر نظر آئی

بلبل چمن میں تیغِ نگہ کس کی چل گئی
جس گل کو دیکھتا ہوں سو زخموں سے چور ہے

حسنِ یار کے اثرات اور کرشموں کا ذکر کیا ہے اور موثر انداز میں دکھایا ہے کہ

Marfat.com

حسن کے اثرات مختلف چیزوں پر کیا پڑتے ہیں۔

باغ میں جس دم خرام اس سرو قامت نے کیا
نعرۂ حق سرہ قمری نے بھر کر جی دیا

تصویر ہو کے آپ ہی حیران وہ رہ گیا
بیٹھا تھا منھ کو پھیر جو بہزاد کی طرف

نگاہ بھر بھر کے تو جو دیکھے ہے لا سکے گا یہ تاب گلشن
مجھے ہے دھڑکا کہ بہہ نہ جاوے چمن سے ہو کر شراب گلشن

جن کے دامن تھے نمازی سو ترے کوچے میں
اُن کے خرقوں کے گریبان پھٹے جاتے ہیں

تجھ دہان و کمر سے ہے جنھیں عشق
اب انھوں کا کہیں نہ ٹھور نہ ٹھانوں

یہ کس کے اب صف مژگاں نے دل کو دی ہے شکست
کہ اشک پھرتے ہیں لوٹے ہیر سی دل میں

چمن میں کس کے صبا رخ سے اُٹھ گیا ہے نقاب
کہ گل مجھے نظر آتے ہیں آفتاب زدہ

مگر وہ دید کو آیا تھا باغ میں گل گے
کہ بوکچھ اور ہیں پائی دماغ میں گل کے

Marfat.com

غنچے سے مسکرا کے اسے زار کر چلے　　نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے
پھرتے ہو باغ سے تو پکارے ہے عندلیب　　صبحِ بہار گل پہ شبِ تار کر چلے
آئے جو بزم میں تو اُٹھا چہرے سے نقاب　　پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر　　دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

شاعر نے حسن کے لوازمات میں زیورات وغیرہ کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اس سے صاف طور سے حسنِ انسانی کی تخصیص و تحدید ہوتی ہے۔

نظر کردہ بناگوش گوشواروں میں　　کہ بجز حسن کے ہر اک گھر میں ہے شعلہ

مکھ پر یہ گوشوارہ موتی کا جلوہ گر ہے　　جیسے قران باہم ہو ماہ و مشتری کا

شاعر نے جگہ جگہ حسن کو زوال پذیر اور پادر ہوا بتایا ہے۔ سبزۂ خط کا اگنا زوالِ حسن کا اعلان اور شکستِ جمال کی صدا ہے۔

دیکھتے ہی خط چلا یوں شاہِ حسن　　جس طرح معذور ہو عام پھرا

دو روز کی بہار پہ اتنا نہ کر غرور　　پیارے یہ باغِ حسن کا گلزار کب تلک

سہتا نہیں خط آنے سے اب کوئی ستم یار
سودا مگر اب ایک سہوں یا نہ سہوں میں

Marfat.com

منڈا کر خط تم اپنے حق میں کیوں کانٹے ہی بوتے ہو
نہ ہوں گے اب یہ عارضِ گل عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

ہر لحظہ اب بہ نشو و نما خطِ یار ہے   گلزار کی خرابی کے درپے بہار ہے

حسن کا جو نقشہ سودا نے اپنی غزل میں کھینچا ہے اس کو ہم نے دکھایا ہے۔ اب ہم حسن و عشق کے معاملات کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ حسن معشوق کا جب عاشق گھائل ہو جاتا ہے تو وہ رعب حسن سے ڈرتے ڈرتے اپنا دردِ دل معشوق سے ظاہر کرتا ہے۔ معشوق اس اظہارِ محبت کو عاشق کے خبط پر محمول کرتا ہے اور اس کا بے اختیار مضحکہ اُڑاتا ہے:-

ڈرتے ڈرتے جو کہا میں کہ ترا عاشق ہوں
قہقہہ مار لگا کہنے وہ طنّاز درست

بہ ہزار کوشش و جانفشانی عاشق کے محبت جتانے اور اظہار عشق کرنے کا معشوق پر کچھ اثر بھی ہوا اور اس نے مہر و محبت کا وعدہ بھی کر لیا تو عاشق کی بیتابانہ پرستش اس کا دماغ بگاڑ دیتی ہے اور جب اس کو اپنے اصلی حسن و جمال کا علم ہوتا ہے اور ہر طرف چاہنے والے نظر آتے ہیں تو غرور کے نشے میں چور ہو جاتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ غرورِ حسن پر اس قدر بھول جاتا ہے کہ اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ سچّے عاشق اور جھوٹے مدعی میں، حقیقی طالب اور ہوس پرست میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ اس قدر برخود غلط ہو جاتا ہے کہ طالب صادق کو ٹھکراتا ہے اور ہوا پرستوں کے مکر و فریب کا شکار ہو جاتا ہے۔ بوالہوسوں کے چنگل میں گرفتار

Marfat.com

ہونے کے بعد سچے عاشق کو ستانے لگتا ہے طرح طرح کے وعدے کرتا ہے لیکن ایک بھی وفا نہیں کرتا۔ رقیبوں کے بہکانے سے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا مطمح نظر ہی ایذا رسانی اور ظلم ستانی ہو جاتا ہے۔ ستم کی نئی نئی شکلیں ایجاد کرتا ہے اسی لئے اسے ستم ایجاد کہا جاتا ہے۔ کبھی سخت سے سخت گالیاں دیتا ہے اور غیروں کے سامنے حقارت آمیز برتاؤ کرتا ہے۔ عاشق گالیاں کھانے کا عادی اور ظلم وستم سہنے کا خوگر ہو جاتا ہے اور اس میں مزہ آنے لگتا ہے تو ستم پیشہ معشوق اُسے اس لذتِ غم سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ ملنا جلنا ترک کر دیتا ہے۔ اغیار کے ساتھ علانیہ پھرتا رہتا ہے اور سچے عاشق سے اغماض وتغافل کا برتاؤ کرتا ہے۔ عاشق مجبوراً نامہ وپیام کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن اس میں بھی اسے ناکامی نصیب ہوتی ہے۔ شروع میں تو وہ خاموش ہو رہتا ہے لیکن جب بے قرار عاشق کے نامہ ہائے شوق کا تار بندھ جاتا ہے تو ان کو غم وغصہ میں چاک کر دیتا ہے اور قاصد کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے، اسے مارتا پیٹتا ہے اور آخر میں تنگ آکر اس کی جان تک لے لیتا ہے۔ عاشق کی وحشت بڑھتی جاتی ہے، وہ تنہائی میں درد والم کے مزے لینے لگتا ہے، جوشِ عشق اور وفور شوق سے جنوں کا شکار ہو جاتا ہے، لڑکے پتھروں کی جھولیاں بھر بھر کے اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، یہ کبھی معشوق کی گلی میں دیوانہ وار جا نکلتا ہے اور کبھی جوش جنوں میں روبہ صحرا نکل جاتا ہے، آدمیوں سے وحشت کرنے لگتا ہے اور دشت وصحرا کی خاک چھانتا پھرتا ہے، رنج والم میں گھلتا رہتا ہے، زار ونزار ہو جاتا ہے اور آخر کار موت سے ہمکنار۔ عاشق کو دوست احباب سمجھاتے مناتے ہیں۔ ناصح پند ونصائح کا دفتر کھول دیتا ہے۔ لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوتا ہے۔ دیوانہ ایسا دیوانہ نہیں ہوتا کہ ناصح کی باتوں میں آجائے۔ وہ جوشِ عشق میں مذہب کی قید وبند توڑ دیتا ہے اور اسلام سے منحرف اور صنم پرستی سے آشنا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

بہر حال اگر غزلوں کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس میں ایک پوری حزنیہ داستان ملے گی۔ جس کے اشخاص (کیرکٹر) بقول مولانا حالی یہ ہیں "ایک بے وفا۔ بیمروت بے مہر۔ بے رحم، ظالم، قاتل، صیاد، جلاد، ہرجائی، اپنے سے نفرت کرنے والا، اور دل سے ملنے والا، سچی محبت پر یقین نہ کرنے والا، اہل ہوس کو عاشقِ صادق جاننے والا، بدگمان، بدخو، بدچلن غرض کہ ایک حسن و جمال یا ناز و ادا اور دیگر حرکاتِ مہر انگیز کے سوا اور تمام ایسی برائیوں کے ساتھ موصوف جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کر سکتا ہے" دوسرا یعنی عاشق:۔ "غم زدہ، مصیبت زدہ، فلک زدہ، ضعیف بیمار، بدبخت، آوارہ، بدنام، مردودِ خلائق، بدنامی کا خواہاں، حسن قبول سے نفور، خوشی اور عافیت سے کنارہ کرنے والا، میخوار، بدمست، مدہوش، خود فراموش، وفادار جفاکش، کہیں آزاد طبع اور کہیں گرفتاری کا آرزومند، کہیں صابر اور کہیں بیقرار، کہیں دیوانہ اور کہیں ہوشیار کہیں غیور اور کہیں چلتا گھڑا، رشک کا پتلا، رقیبوں کا دشمن، سارے جہان سے بدگمان، آسمان کا شاکی، زمین سے نالاں، زمانے کے ہاتھ سے تنگ غرض کہ ایک عشق اور وفاداری کے سوا ان تمام صفات سے متصف جو عموماً انسان کے لئے قابلِ افسوس خیال کی جاتی ہیں" عاشق کے مشاغل یہ ہیں:۔

"آسمان اور زمانہ یا نصیب اور ستارے کی شکایت کرنا، یا زاہد و واعظ و صوفی کو لتاڑنا اور بادہ کش اور بادہ فروش اور ساقی و خمار کی تعریف کرنی اور ان سے حسنِ عقیدت ظاہر کرنا، ایمان و اسلام و زہد و طاعت سے نفرت اور کفر و بے دینی، گناہ اور معصیت سے رغبت ظاہر کرنی۔ کبھی کبھی مال و جاہ و منصب دنیوی کو حقیر ٹھہرانا اور فقر و عشق و آزادگی وغیرہ کو علم، عقل و سلطنت وغیرہ پر ترجیح دینی"۔

مولانا حالی نے ہمارے دفتر غزل سے حسن و عشق کے مضامین کی روح ان چند لفظوں میں کھینچ کر رکھ دی ہے۔ یہ تمام مضامین ہر شاعر کے دیوان میں ملیں گے۔

Marfat.com

سوداؔ کی غزل میں حسن وعشق کا جو موضوع ہے اس کا انحصار بس ان ہی مضامین پر ہے یہ تمام رسمی مضامین ہیں جن میں سوداؔ نے کوئی خاص وسعت اور تنوع پیدا نہیں کیا اور نہ یہ ممکن تھا۔ یہ سب فارسی کا اثر تھا جس کے مقلدوں کے دل ودماغ کا محور بس یہی مضامین تھے۔ مضامین کے حسن وقبح اور ان کے جواز وعدم جواز کے اصولی مبحث کو چھوڑ کر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سوداؔ نے ان مضامین کو کس طرح پیش کیا ہے اور اس میں اس کے شاعرانہ کمال کو کیا دخل ہے۔

سوداؔ کا غزل میں کوئی خاص رنگ نہیں۔ وہ اس میدان میں طرح طرح سے طبع آزمائی کرتا ہے۔ غزل کی جان صفائی زبان اور سادگی بیان ہے۔ سوداؔ نے غزل میں اس کا بہت کم خیال رکھا ہے۔ اس نے غزل میں فارسی کے مشہور استاد دل نظیری، صائبؔ اور سلیم وکلیم کا رنگ اختیار کیا ہے جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔ یہ شعراء صاحبِ طرز ہوئے ہیں۔ ان کی خصوصیات اُردو میں آسانی اور سہولت سے نہیں نبھ سکتی تھیں اور خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ اُردو ابتدائی اور سیال حالت میں تھی اور اس کی تشکیل ہو رہی تھی۔ اس کے سوا سوداؔ نے غزلوں میں قصیدے کی زبان استعمال کی ہے جس میں عربی فارسی ترکیبوں کی بہتات ہے اور قصیدے کی طرح غزلوں میں بھی سنگلاخ زمینیں اختیار کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے مضامین کے اصل جوہر کو پیچیدہ اور کسی قدر مشکل طرز نے چھپا دیا اور عام مقبولیت سے محروم کر دیا۔ جو لوگ سوداؔ کے اس انداز کو سہولت سے قبول نہیں کر سکتے تھے انھوں نے اس کی غزل کو قصیدے کے مقابلے میں پست کہہ دیا ہے۔ سوداؔ نے اس طرف اشارہ کیا ہے:۔

کہتے ہیں وہ جو ہے سوداؔ کا قصیدہ ہی خوب
اُن کی خدمت میں لئے میں یہ غزل جاؤں گا

Marfat.com

سوداؔ کو تم سمجھتے تھے کہ نہ سکے گا یہ غزل
آفریں ایسے وہم پر صدقے میں اس گمان کے

سوداؔ کی غزل گوئی کے متعلق یہ غلط فہمی دراصل اس کے طرز بیان کی وجہ سے ہوئی۔ اسی زمانے میں میرؔ جیسا بلند پایہ غزل گو استاد موجود تھا جس کی صاف و سلیس زبان میں نغمہ سرائی نے خاص و عام کو گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ نہایت مترنم ہندی بحریں بھی استعمال کرتا تھا۔ ان بحروں میں اس کی جو غزلیں ہیں وہ خاص طور پر بہت دلچسپ ہیں اور خاص و عام کی زبان پر جاری۔ سوداؔ اور میرؔ کی غزل گوئی کا جو مقابلہ و موازنہ کیا جاتا ہے اس نے بھی سوداؔ کی غزل کے حق میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کی غزل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غزل میں میرؔ و سوداؔ کا موازنہ کرنا اصولاً صحیح نہیں ہو سکتا۔ میرؔ کی الم پرست طبیعت کو سوداؔ کے ہمہ گیر مزاج سے کوئی مناسبت نہیں۔ میرؔ کا ایک خاص رنگ ہے۔ اس کی دنیا ہی الگ ہے۔ موازنہ کی خاطر اُسے اردو کے کسی شاعر کے مقابلے میں لا کھڑا کرنا اس کی توہین ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شاعر سے ہم بحث کر رہے ہیں اس نے اپنے مضمون کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور اس میں اس کی شاعرانہ ہنرمندی کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟۔

غزل کے عام موضوعات و مضامین کا خلاصہ ہم اوپر درج کر چکے ہیں یہاں ہم اس حصے کو لیتے ہیں جس سے اُس کے واردات قلبی اور مشاہدات ذاتی کا پتا چلتا ہے۔ غزل کی بنیاد عشق و عاشقی پر ہے۔ جب تک شاعر کے دل پر عشق کی چوٹ نہ لگے، اس کے کلام سے سچے عاشقانہ جذبات کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ وہ حسن کے انداز اور

Marfat.com

اداؤں اور عشق کی گھاتوں سے واقف نہیں ہو سکتا۔ اس کے کلام میں نازک جذبات کا فقدان نظر آتا ہے۔ عاشق کی مسکینی، الم کشی، عزلت گزینی وغیرہ کی جھلک جس غزل میں نہ ہو وہ سوز و گداز اور اثر و تاثیر سے خالی ہوگی۔ سوداؔ کی غزل میں ان عاشقانہ خصوصیات کی کمی ہے۔ اس کی وجہ محض اس کا رنگ طبیعت ہے۔ اس کی حیات سے کہیں یہ پتہ نہیں چلا کہ عشق کا زخم خوردہ تھا۔ لیکن آخر انسان تھا، اور پہلو میں دل رکھتا تھا، ناممکن ہے کہ حسن سے متاثر اور عشق کی لذت سے آشنا نہ ہو کون ہے جس نے اس کوچے کی خاک نہیں چھانی۔ سوداؔ کے کلام میں بیسیوں اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں سادگی اور تاثیر نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے محسوس و متاثر ہو کر کہا ہے۔

عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف ۔۔۔ دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے
غنچہ سمٹے تو سمٹے ممکن ہے ۔۔۔ دل جو بکھرے تو کب سمٹتا ہے

جب نظر اس کی آن پڑتی ہے ۔۔۔ زندگی تب دھیان پڑتی ہے

قاصد اشک آ کے خبر کر گیا ۔۔۔ قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

لختِ جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا

Marfat.com

تصویر مری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی
انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رو یا

نگری آباد ہے بسے ہیں گاؤں
تجھ بن اُجڑی پڑی ہے اپنی ٹھاؤں

ہر آن یاس بڑھتی ہر دم اُمید گھٹتی
دن حشر کا ہے اب تو فرقت کی رات کٹتی

لے دیدۂ تر جدھر گئے ہم ڈبرے جو تھے خشک بھر گئے ہم
تجھ عشق میں روزِ خوش نہ دیکھا دکھ بھرتے ہی بھرتے مر گئے ہم

نہیں معلوم کیا اس سینے میں جوں شمع جلتا ہے
دھواں نوکِ زباں سے بات کرنے میں نکلتا ہے
خبر لے جلد سودا کی وگرنہ میں یہ دیکھوں ہوں
سرہانے اس کے بیٹھا ہاتھ سے تو ہاتھ ملتا ہے

بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

Marfat.com

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

غزل میں زیادہ تر واردات قلبی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ شاعر کی داخلی زندگی کا آئینہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ غزل گوئی کی رسمی بندشوں نے اس کی اصلیت کو بڑی حد تک زائل کر دیا ہے لیکن شاعر کی زندگی کا داخلی پہلو کہیں نہ کہیں جلوہ گر ہو ہی جاتا ہے۔ جن شعرا نے اصلیت کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے اور اس کے سوا کسی اور غرض سے غزل کے میدان میں طبع آزمائی نہیں کی، ان کی غزلوں کا مجموعہ ان کی آپ بیتی ہے اس سے شاعر کی زندگی کا نہایت صحیح مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے۔ لیکن جن شعراء نے غزل کے عام رسمی آئین اور اپنے زمانے کے مذاق سے دب کر غزل گوئی کی ہے، ان کی شاعری میں اصلیت کا جوہر پورے طور پر سلامت نہ رہ سکا۔ تاہم ان کی داخلی زندگی کی آواز صاف اور بلند نہیں تو دھیمی ہی سنائی دیتی ہے۔

جب ہم سودا کی غزلوں میں اس کی حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے اندرونی رُخ کا نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ گو اس نے غزل کے مضامین میں بیرونی اور خارجی عناصر بھی داخل کر دئے ہیں۔ لیکن اس سے اس کی حیات کی ترجمانی کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ہمیں اس کے دل و دماغ کی آواز متنوع مضامین و موضوعات کے ہجوم میں بھی صاف سنائی دیتی ہے۔

سودا کی زندگی ایسے دور میں گزری ہے جس میں سیاسی اور معاشی انتشار و اضطراب کارفرما تھے۔ قتل و غارت اور حکومت کے زوال و انحطاط نے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کے ہولناک نقوش دلوں پر ثبت کر دئے تھے۔ سودا نے جونہی آنکھ کھولی اسے یہ خونین اور بھیانک مناظر دکھائی دینے لگے۔ اس کی نظر میں دنیا ایک تصویر تھی جو امن و اطمینان اور

Marfat.com

راحت و مسرت کے رنگ سے خالی تھی۔ اس نے ایسے امیروں میں بسر کی جن کے سیاسی اقتدار کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوا۔ ان کے عزل و نصب اور عروج و زوال کے رنگ اس تیزی سے بدل گئے کہ اُس کی زندگی کو ہر انقلابی جھونکے سے نئی کروٹ بدلنی پڑی:-

تم کو معلوم ہے یاردِ چمنِ قدرت میں
عمر گزری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے

زمانہ کے ان تلونات نے سودا کے دل میں دنیا کی بے اعتباری کا نہایت مستحکم یقین پیدا کر دیا تھا، وہ بار بار شاعرانہ انداز میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہے:-

دنیا تمام گردشِ افلاک سے بنی
مٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

نہ دیکھا اس سوا کچھ لطف اے صبحِ چمن تیرا
گل ادھر ادھر بکھرے گئے گلچیں، گئی روتی ادھر شبنم

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستیٔ موہوم پر شبنم

Marfat.com

اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیتِ دلی پہ تری پھول ہنس چلے

بے ثباتیٔ عالم کے اس یقین نے دل پر یاس و ناامیدی اور حزن و قنوط کا رنگ جما دیا تھا۔ عمر کا رہوار بادپا اور زندگی کی عمارت پادرہوا نظر آتی تھی۔ جب کبھی شاعر ان تباہ کن انقلابات اور ان کے دردناک اثرات پر نگاہ دوڑاتا ہے تو قنوطیت کا رنگ زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔

اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

اس یاس و قنوط کی لے اس قدر بڑھی کہ دنیا میں مسرت کی روشنی کافور نظر آنے لگی اور رنج و غم کی ظلمت ہی ظلمت چھا گئی۔ خوشی و انبساط کا کوئی جھونکا ایسا نہیں چلا کہ جس سے غنچۂ دل کھلتا۔

میں وہ درختِ خشک ہوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

نے بلبلِ چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکلِ شیشہ و خنداں بطرزِ جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

Marfat.com

یاس و قنوط نے دل پر ایسا گہرا اثر کیا تھا کہ دنیا کی دلکشیاں اور دلفریبیاں بھی بے اثر و بے مزہ تھیں :-

خندۂ گل بے نمک فریادِ بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کریں گے یاد ہم

حیات کی اس قلیل فرصت میں کہیں امید کی ذراسی کرن پھوٹتی ہے تو شاعر اس فرصت کو کھونا نہیں چاہتا اور نہایت بے تابی سے اسے کام میں لانے کی کوشش کرتا ہے کہ شاید گردشِ ایام یہ موقع بھی چھین لے۔

ساقی ہے اک تبسمِ گل فرصتِ بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

آ پہنچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ
فصلِ گل کے کچھ گئے دن کچھ چلے جاتے ہیں یہ

انقلاب اور گردش نے رچی رچائی محفل کو درہم برہم کر دیا تھا۔ بساط الٹ گئی تھی اور ایک عالم انتشار اور پریشانی کا شکار تھا۔ یہ ایسا دہشت ناک منظر اور ہولناک نقشہ تھا کہ آنکھ دیکھنے کی تاب نہ لا سکتی تھی۔

لٹی مے اُٹھ گیا ساقی میرا ابھی پر ہو پیمانہ
الٰہی اس طرح دیکھوں میں کن آنکھوں سے میخانہ

اس میں شبہ نہیں کہ قنوطیت سوداؔ کی طبیعت کا خاص رنگ نہیں لیکن چونکہ اس کی زندگی ایسے دور میں گزری ہے جس میں ہر چیز پر یاس و ہراس چھائے ہوئے تھے اس لئے اس کا اثر اس کی طبیعت پر ضرور ہوا۔ اس نے ایسے انقلابات اور

Marfat.com

حوادث میں بسر کی ہے کہ اس کا راست اثر اس پر پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کے متنوع و متلون مضامین میں بھی رنگ قنوطیت کی جھلک ماند نہیں پڑی۔

واردات قلبی اور مشاہدات ذاتی سودا کے کلام میں ہیں لیکن ان کی بہتات نہیں۔ اس کے افکار کا محور بالکل دوسرا ہے جس کے معلوم کرنے کے لئے ہمیں اُن اساتذہ کے کلام پر نظر رکھنی چاہیئے جس کی تقلید اس نے کی ہے۔ اس کے بعد اس کی غزل کی ظاہری ساخت و شکل اور اس کے لفظی، نحوی، عروضی اور بیانی خصوصیات کا صحیح اندازہ ہو جائے گا اور صحیح طور پر یہ معلوم ہو گا کہ اس کے افکار اور معانی و مضامین کا دائرہ کتنی وسعت رکھتا ہے۔

سودا نے غزل میں سب سے پہلے نظیری نیشاپوری کا اتباع کیا ہے، جیسا کہ اس نے صاف طور سے لکھا ہے:-

پوچھنا اشعار کا سودا کے کیا ہے شاعرو
گفتگو میں اس کی پاتا ہوں نظیری کا دماغ

ایک اور مقطع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ غزل سودا کہی ہے تو نے اس انداز کی
ہند سے پہنچے گی ہاتھوں ہاتھ نیشاپور تک

نظیری کے سوا اس نے سلیم اور کلیم کے رنگ کو بھی اختیار کیا جو فارسی کے مشہور تمثیل نگار شاعر ہیں۔ اس رنگ کو سب سے پہلے قدرت اللہ شوق نے سودا کی زندگی ہی میں معلوم کر کے لکھا تھا۔ "در غزل گوئی سلیم و کلیم را بس پشت می گزارد" شوق کے بیان کی تائید میں سودا کا وہ کلام ہے جو اس رنگ میں ہے اور جس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ اس کے سوا خود سودا نے ان شاعروں کی غزلوں کو

Marfat.com

تضمین بھی کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مطالعے میں ان شاعروں کا کلام رہ چکا ہے۔ ان تمثیل نگار شاعروں کے علاوہ سودا نے صائب کی مثالیہ شاعری کی بھی تقلید کی ہے۔ یہ صرف غزل سے مخصوص نہیں بلکہ ہر صنف نظم میں یہ رنگ نظر آتا ہے۔ مصحفی نے لکھا ہے "اگر در مثال بندی اشعارِ غزل صائب و قتش گویم بجا است"

مضمون آفرینی اور خیال بندی میں سودا نے ہندوستان کے مشہور خیال بند شاعر بیدل کو پیش نظر رکھا ہے۔ سودا نے اس کے ایک مصرع اور ایک شعر کو اپنی دو مختلف غزلوں میں کھپایا ہے:۔

سودا سے کہا میں کہ ترے شہرے کو سن کر
دیکھا جو تجھے آکے تو اے بے سرو پا ہیچ
بولا کہ تجھے یاد ہے وہ مصرع بیدل ، عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

سودا بقولِ حضرت بیدل بکوئے دوست
خطِ جبینِ ماست ہم آغوش نقش پا

ان اساتذۂ فارسی کے علاوہ سودا کے کلام میں چند اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فارسی شعرا کا کلام بھی اس کے پیش نظر رہا ہے لیکن ان کا کوئی خاص اثر اس کے رنگِ تغزل پر نہیں پڑا۔

اس کی غزلوں سے ہر استاد کے رنگ کو الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان تمام اساتذہ کے الوان و اسالیب کو کچھ اس طرح ملا دیا ہے کہ ایک ہی شعر میں دو تین استادوں کا انداز پایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں

Marfat.com

اس قسم کے اشعار کو کسی خاص استاد کے طرز و انداز سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی آمیزش و ترکیب سودا کے پورے ذخیرۂ غزل میں موجود ہے۔ جو ان فارسی اساتذہ کے کلام کے طرز انداز سے واقف ہیں وہ ضرور محسوس کریں گے کہ اس نے کس طرح مختلف طرزوں کو غزل میں سمو دیا ہے۔ ذیل میں ہم سودا کی غزل کی چند اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن سے فارسی رنگ کا اندازہ ہو جائے گا۔

غزل کے اکثر مضامین کو سودا نے تمثیل کے پردے میں ادا کیا ہے اور جگہ جگہ صنعت مذہب الکلامی کا کمال دکھایا ہے۔ صائب نے دراصل یہ صنعت زیادہ تر اخلاقی و حکیمانہ مضامین کے لئے استعمال کی ہے لیکن سودا اسے عشقیہ مضامین کے لئے بھی کام میں لایا ہے۔

دلِ بے عشق کی دشمن ہے تحریکِ نفسِ ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا مینائے خالی سے

امن دو دل کو ہو یک جا بہ بساطِ دوراں
چوٹ کھاتی نہیں وہ نرد جو ہو نرد کے ساتھ

آپ سے کام نہیں نشو و نما کو اپنے
شجرِ خشک کو آتش سے ہے کار آخرِ کار

خط نقص صفائے رخِ دلدار نہ ہووے
گردِ آئینہ کو باعث زنگار نہ ہووے

ان عاشقانہ مضامین کے ساتھ غزل میں اخلاقی مضامین اور حکیمانہ خیالات بھی ظاہر کئے ہیں۔ غزل میں بے شبہ یہ مضامین بہت پہلے داخل ہو چکے تھے لیکن فارسی کے

Marfat.com

مشہور اساتذہ کے رنگ میں ان کو ایک نیم رس و نو عمر زبان میں ادا کرنا دشوار تھا۔ سودا نے بڑی استادی سے ان کو ادا کیا ہے لیکن تاثیر سادگی اور برجستگی پیدا نہ ہو سکی۔ اس قسم کے بے شمار اشعار ملتے ہیں۔ نمونے کے لئے ہم چند شعر نقل کرتے ہیں۔

تیغ چوبی سے کہاں قبضۂ فولاد ہو نصب
نہ رہے صاحبِ جوہر کبھو نامرد کے ساتھ

کہے ہے سرنگوں اس باغ میں کثرت تعلق کی
ثمر کا بیشتر ہونا جھکا دیتا ہے ڈالی کو

چمنِ دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم
خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

ناچیز کو نہ صحبتِ نیکاں اثر کرے
رشتے کو کہہ تو آبِ گہر کیوں کہ تر کرے

روشن دلوں کا حد سے نہ بڑھ کر قدم پڑے
باہر رکھے نہ سایہ سے اپنے چراغ پا

استقامت ہے عجب شے نہیں جس میں لغزش
نخل کا پاؤں زمیں پر نہ پھسلتے دیکھا

Marfat.com

پانی بھی نہ مانگ اس سے جو ہووے تنگ مایہ
کاسہ کے تئیں گل کے شبنم نہ کبھو بھر دے

اوپر کی مثالوں سے صائب اور ایک حد تک سلیم و کلیم کی خصوصیات کی تقلید کا اندازہ ہوتا ہے۔ صائب کی مثالیہ شاعری کا دار و مدار ایک صنعت یعنی مذہب الکلامی پر ہے۔ اوپر جو اشعار درج ہوئے ہیں ان میں اس صنعت کو عمدگی سے نبھایا گیا ہے۔ ہر شعر کے پہلے مصرعے میں دعویٰ پیش کیا ہے اور دوسرے میں ایک دلیل سے اسے ثابت کیا ہے۔ تمثیل نگاری میں سلیم و کلیم بھی استاد ہیں لیکن صائب کا رنگ ان سے الگ ہے۔ سلیم و کلیم صرف تمثیل اور کبھی کبھی تشبیہ سے کام لیتے ہیں۔ سودا کے اشعار میں بھی تشبیہ و تمثیل کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ ہم نے جو اشعار اب تک نقل کئے ہیں ان میں یہ خصوصیت موجود ہے۔

ان اساتذہ کی تقلید نے سودا کی غزل کی ساخت و شکل کے بنانے میں بڑا کام کیا ہے۔ اس انداز نے غزل کے ڈھانچے کو بالکل قصیدے کا سا کر دیا ہے اور تغزل کی سادگی کے جوہر کو چھین لیا ہے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ سودا نے نظیری کی بھی تقلید کی۔ اس کی خصوصیات کو اخذ کر کے مثالیہ شاعری کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

لگا زنہار مت سودا ان آنکھوں سے دل اپنے کو
کہ ہر بدمست سے رکھنا بھلا ہے دور شیشے کا

بخشے ہے یوں دل کو میرے تقویت دشنام یار
جوں دوائے تلخ سے پاوے کوئی بیمار فیض

Marfat.com

پھر جاتی ہیں اس طرح سے اک پل میں وہ انکھیاں
جوں بزم میں ہو جامِ مئے ناب کی گردش

حالات و کیفیات اور معشوقانہ اداؤں کو سودا نے مادی اشیاء سے تشبیہ دی ہے۔ یہ سب نظیری کا اثر ہے۔ اس کے سوا اس کی تقلید میں مضامین کو جدت آمیز انداز میں بھی بیان کیا ہے۔ اس نے بہت سی غزلیں مسلسل مضامین پر کہی ہیں۔

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزار
نے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکینِ دل نہ اس میں بھی پائی تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ہجر کو
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

سودا سے کہا میں نے کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے
لب عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ

Marfat.com

اب دیکھ تو حال اپنا ٹک رحم کی نظروں سے
ناحق کی بلائیں تو ہے کس قدر آلودہ

آنکھیں تری رکھتی ہیں داماں و گریباں کو
خوں ناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ

جس سمت نگہ کیجے ادھر نظر آتا ہے
لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ

جب میں تجھے سمجھا کر رو رو انھیں دھوتا ہوں
کہتا ہے نہ ہووے گا بار دگر آلودہ

لیکن یہ نصیحت ہے بے فائدہ کیا حاصل
یہ ہی کہ ادھر دھویا و وہیں ادھر آلودہ

اس بات میں اے ناداں بتلا تو مزا کیا ہے
پاؤں سے جو تو خوں میں ہے تا بسر آلودہ

جس وقت غرض ان نے یہ بات سنی مجھ سے
اتنا ہی کہا بھر کر آہِ اثر آلودہ

لذت کو ہلاہل کی کیا ان کو بتاؤں میں
ہے کام و دہن جن کا شہد و شکر آلودہ

ودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
س منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اس قسم کی کئی پردرد قطعہ بند غزلیں موجود ہیں۔ یہ سب نظیری کا اثر ہے۔

Marfat.com

سودا پر نظیری کا ایک اور اثر پڑا اور وہ محاورات کے استعمال کا ہے۔ سودا نے
کثرت سے محاورات اپنی غزل میں باندھے ہیں۔ میں مثالاً دو ایک غزل کے محاورے
نقل کرتا ہوں بات پوانا، پیٹ میں بات نہ سمانا، بات چھپانا، بات بڑھانا،
بات لگانا، بات آنا، بات اٹھانا۔ بات بنانا، بات بھلانا وغیرہ وغیرہ۔ ایک
غزل میں نظر پڑنا، دھیان پڑنا۔ سر پڑنا، زبان پڑنا، راہ پڑنا، کان پڑنا، جان پڑ
وغیرہ محاورات باندھے ہیں۔ اس طرح صدہا محاورات غزل کے ذخیرے میں ملیں
گے۔ نظیری کے اثر کے ثبوت میں ایک اور واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ سودا کا شعر ہے

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سودا نے نظیری کے ذیل کے شعر کو پیش نظر رکھ
کر کہا ہے :-

بوے یار من ازیں سمت وفا می آید گام از دست بگیرید کہ از کار شد

ان تمام شواہد کی موجودگی میں ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ سودا نے نظیری کا ضرو
اتباع کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے اشعار میں دو جگہ اس کی طرف صری
اشارے کئے ہیں۔

خیال بندی اور مضمون آفرینی سودا کے بعد کے دور کی خصوصیت ہی لیک
اس نے اپنی غزل میں اسے داخل کر دیا تھا۔ یہ سب مرزا بیدل کا اثر تھا۔ ا
کی شاعری کے چرچے اس زمانے میں تازہ تھے۔ ان کی وفات کو زیادہ عر
نہیں ہوا تھا۔ ان کے عرس کے موقع پر اساتذہ وقت مشاعرے میں شریک
ہوتے تھے اور اچھے اچھے سخنور ان کی تقلید کا دم بھرتے تھے۔ سودا نے اسی
میں اپنا شباب گزارا ہے۔ اس پر محسوس یا غیر محسوس طور پر یہ اثر ضرور پڑا
اس دور کے کسی ریختہ گو شاعر کے کلام میں مضمون آفرینی اور خیال بندی کی خصوصی

Marfat.com

نظر نہیں آتی۔ لیکن سودا کے کلام میں یہ رنگ جا بجا جھلکتا ہے:۔

سخنِ عشق نہ گوشِ دلِ بے تاب میں ڈال
مت یہ آتشکدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

یہ کیفیت ہے ساقی جلوہ ہائے برق چشمک زن
خروشِ ابر سے دم ساز کیا آوازِ قلقل ہے

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا ۔ پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

پرے رہ برقِ خارِ آشیاں سے میرے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا

درد میرے استخواں کا کیا ترا دمساز ہے
اس قدر اے نے تری محزون کیوں آواز ہے

بے شمار شعر ایسے ہیں جن کی ڈھٹ بندی قوت متخیلہ سے ایسی کی ہے کہ ان میں جیتی جاگتی تصویریں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ زیادہ تر خیالی ہیں۔ جذبات و احساسات سے اُن کو کوئی راست تعلق نہیں۔

چمن میں آتے سن کر تجکو بادِ سحر یہ گھبرائی
ساغر حبب تک لادیں ہی لادیں توڑ سبو کو جام کیا

Marfat.com

ابر اس کو بجھاتا ہے وہ بجھتی نہیں سوداؔ
دی لالۂ خود رو نے یہ کہسار کو آتش

حسن فیاض ہے گل کا کہ سحر پنجۂ نہر   جس کے دامن سے چنے ہے گہر شبنم کو

تو کیوں جلتی رہی بلبل چمن میں دیکھ کر شبنم
کہ وہ دامانِ پاکِ گل جسے کرتی ہے تر شبنم

ان فارسی اساتذہ کے خصائص کے قطع نظر سوداؔ نے بعض صنائع اپنے کلام کی آرائش کے واسطے استعمال کئے ہیں۔ ان میں تشبیہ واستعارے کے سوا حسن کی بہتات ہے۔ صنعت حسن تعلیل بھی نظر آتی ہے۔ ایک واقعہ بیان کیا ہے اور اس کی وجہ ایسی بتائی ہے کہ جو قدرتی اور لازمی تو نہیں ہے لیکن شاعر نے اپنے تخیل کے زور سے اس طرح پیش کیا ہے کہ سننے والا مزے لینے لگتا ہے اور واقعہ کی علت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس قسم کے صدہا اشعار ملتے ہیں۔ یہ سوداؔ کی غزلوں کا ایک خاص وصف ہے۔ ہر غزل میں اس قسم کے اشعار موجود ہیں۔

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ   دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں

ہنوز آئینہ گرد اس غم سے اپنے منھ پہ ملتا ہے
خدا جانے کہ کیا کیا صورتیں اس خاک میں گڑیاں

Marfat.com

شبنم کرے ہے دامنِ گل شست وشو ہنوز　　بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز

لالہ و گل سے نہ بر جھو یہ زمیں ہے سرخ رنگ
خون ناحق نے ہمارے خاک سے مارا ہے جوش

نہیں اس گل کے عارض پر ہے یہ زلف سیہ سوا
جلے دل کے دھویں کا ہے یہ پیچ و تاب آتش پر

کہیں کہیں صنعت ایہام کی بھی جھلک نظر آجاتی ہے لیکن یہ بہت شاذ ہے۔ سودا اس کو اپنا انداز نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اس کا مخالف تھا نہایت آزادی سے ایہام گوئی کا مضحکہ اُڑاتا تھا۔ تاہم چند شعر نادانستہ طور پر یا تفریحاً ایسے نکل گئے ہیں کہ جن میں اس صنعت کا التزام معلوم ہوتا ہے:۔

پوج مجھے اس دیر کہن میں کیا پوجے ہے پتھر کو
مجھ وحشی کو سنا برہمن بتوں نے اپنا رام کیا

دہقاں پسر دہ ہم سے یوں صلح کب کرے ہے
بوٹوں کے کھیت اُوپر جب تک نہ جنگ ہووے

اساتذۂ فارسی کے مخصوص رنگ کی تقلید اور تمثیل و تشبیہ اور حسنِ تعلیل وغیرہ کے التزام کا بوجھ اس زمانے میں اُردو زبان نہیں سنبھال سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی محاورات کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ و تراکیب سے کام لینا پڑا جو محض قصیدے کے لئے مخصوص تھے۔ قصیدے کی زبان میں غزل کا سرانجام کرنا ظاہر ہے

Marfat.com

کہ کس قدر بے جوڑ سا ہے یہی وجہ ہے کہ سوداؔ کے کلام میں غزل کی شان نظر نہیں آتی اور یہ خاص اسباب ہیں جن کی بنا پر اس کی غزل کا ڈھانچا بالکل قصیدے کا سا ہو گیا تھا جس میں مضامین وجذبات سب روپوش ہو گئے۔ اور صرف الفاظ و تراکیب کی بلند آہنگی اور اسلوب بیان کی شوکت نمایاں ہو گئی۔ لیکن کہیں طرز بیان کے تسلسل اور پختگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور لفظی و نحوی اور عروضی خوبیوں سے استادانہ انداز میں اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے۔

سوداؔ نے اپنے عہد کے خلاف ایک اور روش کو کسی قدر اختیار کیا ہے۔ جس کو معاملہ بندی کہتے ہیں۔ اس عہد میں صرف میر سوزؔ ہی ایسے شاعر ہیں جن کے کلام میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن سوداؔ نے بھی اس مضمون پر توجہ کی ہے۔ یہ رنگ جرأتؔ وانشاؔ کے زمانے میں مروج و مقبول ہوا۔ سوداؔ کے زمانے میں اس کا رواج نہ تھا، لیکن نہ معلوم کیوں اس نے اس طرز کو چھیڑا۔ اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کی طبیعت کی ہمہ گیری ہے۔ اس قسم کے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

ناز اس کے نے عصیاں سے ہمیں باز رکھا ہے
تا ہو وہ رضامند کہ شب ہو گئی آخر

رات جب غصہ ہو میرے پاس سے اُٹھ کر چلا
میں نہ چھوڑا گو کہ دامن وہ جھٹکتا ہی رہا

جو کہا میں ہوں عاشقوں میں ترے
بولا وہ مسکرا کے یہ نہ کہو!

Marfat.com

ایک پوری غزل میں مسلسل اسی مضمون کو باندھا ہے ۔

دار دمیں ہوا اس کے کل گھر میں تو یہ دیکھا
تیوری سی چڑھا صورت کچھ اور بنالی ہے

ہر بات پہ ہے میری اوروں سے اُسے چشمک
مجھ پردہ کنایہ ہے نوکر پہ جو گالی ہے

غیر اس کے اشارے سے جب کرنے لگیں نوکیں
اٹھا میں یہ کہہ کر تب یاں مرغ کی پالی ہے

ایک ان میں سے یوں بولا کیوں جاتے ہو تم بیٹھو
جاؤ گے تو یہ مجلس پھر لطف سے خالی ہے

اُس شوخ نے یہ سن کر بولا کہ خدا سے ڈر
سر پر سے بلا اپنے جوں توں کی میں ٹالی ہے

سودا نے چند اشعار ایسے بھی لکھے ہیں کہ جن کے زبان و بیان میں اس قدر لوچ ہے کہ ان کو مجاز سے حقیقت اور تغزل سے اخلاق و تصوف تک وسعت دی جاسکتی ہے۔ مولانا حالی نے اپنے مقدمۂ شعر و شاعری میں سودا کے چند شعر نقل کئے ہیں جن میں یہ بتایا ہے کہ " اخلاق و تصوف کے مضامین عشقِ مجازی اور تغزل کے پیرائے میں ادا کئے گئے ہیں اور اجنبی خیالات کے ظاہر کرنے میں ایک محدود اور معمولی زبان سے کام لیا گیا ہے "

خانہ پرور دچمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہولیں گل سے ٹک آزاد ہم

شیخ کو چاہیے کہ سالک کو تعلیم فنا سے پہلے دنیا کے تعلقات سے متنفر کرے ۔

خندۂ گل بے نمک فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کریں گے یاد ہم
"دنیا میں فی الحقیقت کوئی چیز دل بستگی کے قابل نہیں"

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم
"دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں"

نہ دیکھا اِس سوا کچھ لطف اے صبح چمن تیرا
گل اِدھر سے گئے گلچیں گئی روتی اُدھر شبنم
"دنیا میں عروج کے ساتھ ہی تنزل لگا ہوا ہے"

بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستئ موہوم پر شبنم
"جو دنیا کو بے ثبات جانتے ہیں وہ بھی اپنی بے ثباتی سے غافل ہیں"

اس کش مکش سے دام کی کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو
"جس قدر دنیا کی محبت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر مشکلات زیادہ ہو جاتی ہیں"

غزل میں ان مضامین و خیالات اور خاص زبان و بیان اور مختلف صنائع و بدائع کے التزامات سے سودا کی غزل عام مقبولیت حاصل کرنے سے محروم رہ گئی۔ وہ

Marfat.com

معمولی سے معمولی واقعے کو بھی ضرورت سے زیادہ شاعرانہ انداز میں بیان کر جاتا ہے۔ میں مثال کے طور پر شرر کی "آپ بیتی" سے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔

"شرر کے بزرگوں میں مولانا نظام الدین کوئی صاحب تھے جن کی نسبت انھوں نے لکھا ہے:" معمول تھا کہ لوگوں سے بہت کم ملتے۔ بجز اس کے کہ کبھی کبھی مرزا رفیع سودا کے پاس چلے جاتے جن سے زیادہ راہ و رسم ہو گیا تھا۔ ایک دن مرزا صاحب کے پاس گئے۔ وہ ایک خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمائش کی کہ اس وقت کوئی شعر تصنیف کر کے سنائیے۔ مرزا نے اِدھر اُدھر دیکھا خیمے کی چھت میں ایک بہت چھوٹا سا سوراخ تھا، اس میں سے شعاعِ آفتاب آ کے فرش پر پڑتی تھی اور دھوپ کی چتی فرش پر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ جیسے موتی پڑا ہوا ہے۔ سودا نے اس کی طرف اشارہ کر کے برجستہ شعر پڑھا۔

عرصۂ دنیا میں اپنا تنگ کیا کاشانہ ہے
پرتوِ خورشید یاں موتی کا جیسے دانہ ہے

طرزِ بیان کی اِس پیچیدگی اور زبان کی بلند آہنگی نے سودا کے مضامین و خیالات کو تاثیر سے محروم کر دیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سوائے خیال آفرینی کے کچھ نہیں۔ لیکن غزلوں کے اشعار کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں شاعر کی جذبات نگاری، جدتِ خیال اور ندرتِ بیان کا کمال نظر آتا ہے۔ اس قسم کے اشعار اُسی زمانے میں مقبول ہو چکے تھے اور لوگوں کی زبانوں پر جاری تھے اور اب تک جاری ہیں۔ ان میں سے بعض کو ضرب المثال کا درجہ حاصل ہے۔ چند شعر نقل کرتا ہوں۔ زبان و بیان کی صفائی و سلاست اور خیال و مضمون کی جدت ملاحظہ ہو:-

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کرے

Marfat.com

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خارِ دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں
ہمراہ تیرے پہنچے مل کر غبار میں

گردش ہے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

Marfat.com

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا کاروانِ درد کی مسدود ہیں راہیں
نہ پہنچا منزلِ مقصود کو مجنوں بھی اے سودا
سمجھ کر جائیو لٹتی ہیں ملک عشق کی راہیں

آہ و فغاں کی آج جو آتی نہیں صدا
شاید ترا جہان سے بیمار اٹھ گیا

بہار بے سپرِ جام یار گزرے ہے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گزرے ہے

نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے اے کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

اکثر اشعار میں عاشق کی واردات کو نہایت نزاکت سے بیان کیا ہے:۔

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اس مجلس میں کرنے کی
اٹھا دینے کے ڈر سے سانس داں لیتے ہیں ڈر ڈر کر

ایک اور شعر تقریباً اسی مضمون کا ہے :۔

ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچے میں آجاتا ہوں
صیدِ خائف کی طرح رو بہ قضا جاتا ہوں

Marfat.com

ناکام و نامراد عاشق پر نخوت پرست معشوق کے غیر وفادارانہ سلوک سے جو گزرتی ہے اسے سودا نے ایک دل جلے عاشق کی طرح بے قابو ہو کر غم و غصہ میں بیان نہیں کیا اور نہ جلی کٹی سنا کر دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں بلکہ اشارے اور کنائے میں معشوق کے غرورِ حسن کی اصل قدر و قیمت جتائی ہے :۔

دکھلایئے لیجا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

اس شعر کو غالب نے تیز نشتر کہا ہے۔ ایک دوسرے شعر میں حسن پر عشق کی عظمت جتائی ہے :۔

کمالِ بندگیٔ عشق ہے خداوندی
کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام لیا

عاشق و معشوق کے درمیان نامہ بر بھی عجیب و غریب شے ہے۔ اس مضمون پر شاعروں نے طرح طرح سے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ معشوق کی تند خوئی کو ایک جگہ سودا نے اس طرح بیان کیا ہے۔

نامہ لکھا تھا یار کو میں نے سمجھ کے یہ
عالم میں رسم نامہ و پیغام ہر کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ہو اس میں حرفِ تمنا سے گر کہیں
واں لا کے مجھ کو ماریے گردن کہ جس جگہ
پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں

Marfat.com

ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو
آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں

اُڑتا پھرے ہے نامہ گلی میں کسی طرف
دھڑ سے جدا پڑا ہے سر نامہ بر کہیں

وقتے کہ دلبرانِ جہاں کا ہو یہ سلوک
پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

تقریباً اس مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے :-

بھیجا تھا دیار اس کے میں میں نامۂ شوق اپنا
کیا شرح کروں اس کی بہتر ہے وہ نشنیدہ

جوں سگ لئے پھرتا ہے ہڈی کسی بستی میں
قاصد کنے یوں میرا ہے نامۂ پیچیدہ

سودا نے بادہ و مینا کی تعریف میں کئی شعر کہے ہیں اور اس مضمون میں بڑا تنوع پیدا کیا ہے :-

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

جوں تاک میکدے میں پڑے اینڈتے ہیں مست
زاہد بھلا یہ عیش ہے باغ بہشت میں

Marfat.com

کب سے اے سودا شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار
تو نے اے کمظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

یہ کیفیت ہیں ساقی جلوہ ہائے برق چشمک زن
خروشِ ابر سے دمساز کیا آوازِ قلقل ہے

غزل میں رندی و مستی کے مضامین کے ساتھ شوخی وظرافت کے مضامین بھی ہیں
کہیں تو بڑی پاکیزہ ظرافت کی چاشنی ہے اور کہیں اس مضمون کو شیخ وواعظ وزاہد
وعابد کی تضحیک وتحقیر کے پردے میں ادا کیا ہے۔

شیخ صاحب کے عقد میں دنیا   آئی تھی کب جو دی انھوں نے طلاق

شیخ مجھ کو نہ ڈرا اپنی بڑی پگڑی سے
ایسے تو دیکھے ہیں میں گنبد دستار کئی

محراب حرم سے ہمیں کیا کام ہے زاہد
عاشق کے ہے سجدے کی رگڑ تیغ کے خم سے

گو دختر رز عشق میں یاروں کے پگی ہے
زاہد جو برا مانے ہے کیا اس کی سگی ہے

زاہد نے پی ہے سودا چھپ چھپ شراب اس کی
مسواک گاڑ دیں تو ہو تاک ایک پل میں

Marfat.com

سوداؔ نے رشک کے مضامین بھی بکثرت قلمبند کئے ہیں۔ یہ مومنؔ خاں کا خاص محورِ خیال ہے۔ سوداؔ کا بھی رنگ ملاحظہ ہو:۔

پہنچا ئے ہے رقیب تلک بوئے زلفِ یار
ڈستی ہے سانپ سی یہ نسیمِ سحر مجھے

خاص کروں میں ہی نظارہ تو تو دید کی لذت ہو
کور بھلی یہ آنکھیں اُس دن جس دن جلوہ عام کیا

یار کے جب منھ کو وہ تکتا ہے سوداؔ رشک سے
جی میں آتا ہے کروں میں سنگ سار آئینہ کو

چاہتا ہے سینہ کو اپنے کروں میں چاک چاک
ہاتھ میں شانہ کے جب دیکھے ہے گیسو آئینہ

غزل میں کہیں کہیں اپنے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض مشہور معاصرین سے بھی شاعرانہ چشمک کی ہے اور بعض کی سخنوری کی داد دی ہے۔ اپنی در بدر کی آوارگی کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

ہوں وہ آوارہ کہ طفلی ہی میں جوں اشک مجھے
کر دیا مادرِ ایام نے گھر سے باہر

سوداؔ وہ شاد ہے کہ ز الطافِ دوستاں
اس دور میں پناہ بہ بیگانہ لے گیا

Marfat.com

کاوشِ احباب اور دوستوں کی بے التفاتی کا ذکر جا بجا کیا ہے۔

تجھے آزردہ دل اس بزم میں پاتا ہوں اے سودا
نہیں معلوم تجھ سے کاوشِ احباب ہے کیا ہے

ایک مسلسل غزل لکھی ہے جس میں شاہ جہاں آبادی دوستوں کے تغافل کی شکایت کی ہے۔ میر کا نام خصوصیت سے لکھا ہے:-

وہی ہیں دن وہی راتیں وہی فجر وہی شام
وہی ہے روشنیٔ مہر و مہ جو کچھ تھی مدام

نہ جانوں دورِ محبت کا کیا ہوا یا رب
کہ دوستوں سے جدا کر کے گردشِ ایام

ہمیں لے آئی ہے شہرِ غریب جس دن سے
کبھو انھوں کی طرف سے نہ نامہ و پیغام

علی الخصوص تغافل کو میر صاحب کے
کہوں میں کس سے کہ با وصفِ اتحادِ تمام

لکھا نہ پرچۂ کاغذ بھی اتنی مدت میں
کہ بے قرار دل کو تا ہووے موجبِ آرام

کبھی انھوں کو ہماری بھی الفتِ سابق
کسی کے ہاتھ جو بھیجے ہے نامہ و پیغام

جو وہ پھرے ہے اُدھر سے تو یہ بھی کہتا نہیں
کہ میں کہی تھی تری بندگی انھوں کو سلام

Marfat.com

بڑھاپے کا احساس :-

ضعف و نا طاقتی و سستی و اعضا شکنی
ایک گھٹنے میں جوانی کا بڑھا کیا کیا کچھ

ایک شعر میں مضمون کو یاد کیا ہے :-

بنا ہی اٹھ گئی یارو غزل کے خوب کہنے کی
گیا مضمون دنیا سے رہا سودا سو مستانہ

درد کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

سودا بدل کے قافیہ تو اور کہہ غزل
اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

میر صاحب کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ایک شعر میں کیا ہے :-

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ
ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

میر صاحب نے اس کا جواب ذیل کے شعر میں دیا ہے :-

طرف ہونا مرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن میں
یونہی سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

یہ سن کر سودا خاموش نہیں رہ سکتا تھا اس نے فوراً اس کا جواب دیا :-

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا وا[illegible] وہ یہ انداز کیا جانے

Marfat.com

کہیں کہیں ملکی مضامین اور تلمیحات بھی استعمال کی ہیں :-

برج میں ہے دہوم ہوری کی ولیکن تجھ بغیر
یہ گلال اُڑتا نہیں بھڑکے ہے اب یہ تن میں آگ

نہیں ہے گھر کوئی ایسا جہاں اس کو نہ دیکھا ہو
کنہیا سے نہیں کچھ کم صنم میرا وہ ہرجائی

ایک پوری غزل ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ و محاورات میں لکھی ہے دو ایک شعر ملاحظہ ہوں :-

نکل کے چوکھٹ سے گھر کی پیارے جو پٹ کے اوجھل ٹھٹک رہا ہے
سمٹ کے گھٹ سے ترے درس کو نین میں جیرا اٹک رہا ہے
گنی ہو کیسا ہی دھیان جس کا ترے گنوں سے لگا ہے پیارے
گیان پربت بھی ہے جو اس کا تو چھوڑ اس کو سٹک رہا ہے

جا بجا شاعرانہ فخر و تعلی کی ہے۔ اپنے فن و کمال پر چونکہ اعتماد تھا اس لئے جگہ جگہ زبان پر فخریہ اشعار جاری ہو جاتے تھے۔

شاعرانِ ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

بسانِ مہر یہ روشن ہے سارے عالم پر
جہاں میں جب سے کہ ہیں شعر تر لگا کہنے

Marfat.com

سخن کو ریختہ کے پوچھے تھا کوئی سودا
پسندِ خاطرِ دلہا ہوا یہ فن مجھ سے
کب اس کو گوش کرے تھا جہاں میں اہلِ کمال
یہ سنگریزۂ ہوا ہے دُرِ عدن مجھ سے

سودا کے خیالات میں جھلکے ہے خدائی
جو اپنے تخیل میں یہ چاہے سو وہی ہو

زبس رنگینیٔ معنی مری عالم میں پھیلی ہے!
سخن جس رنگ کا دیکھو گے میں بھی اس میں شامل ہوں

منزلت شعر کی ترے سودا
یوں یہ وہم و گمان پڑتی ہے
نہیں عیسیٰ تو پر سخن سے ترے
تنِ بے جاں میں جان پڑتی ہے

Marfat.com

واسوخت

ہم غزل کے ضمن میں لکھ آئے ہیں کہ سودا نے معاملہ بندی کے مضامین بھی باندھے ہیں۔ اس کا رجحان طبع اس طرز میں بھی کچھ تھا۔ اسی میلان نے اس سے واسوخت لکھوائے۔ واسوخت کی بنیاد معاملہ بندی پر ہے۔ غزل میں چونکہ یہ مضمون مسلسل اور عمدگی سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے معاملہ بند شاعروں نے واسوخت کو ایجاد کیا۔ فارسی میں اس کا موجد وحشی یزدی سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں یہ صنفِ نظم فارسی سے آئی۔ یہ بات ابھی تک پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچی کہ اردو میں سب سے پہلے اسے کس نے رواج دیا۔ بعض قدیم شعرا کے کلام میں یہ صنف پائی جاتی ہے۔ اور اس میں تو مطلق شبہ نہیں کہ سودا کے دور میں اس کا رواج پڑ چکا تھا۔ خود سودا نے ایک واسوخت کہا ہے اور اس کے ہمعصر میر تقی میر نے بھی چند واسوخت کہے ہیں۔ ان شاعروں کے پیش نظر فارسی کے واسوخت تھے جن کے نمونے پر اردو میں اس کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ سودا کے واسوخت کا ایک بند نقل کرتا ہوں جس سے اس کی عروضی ترکیب اور فارسی کے معاملہ بند استاد وحشی یزدی کی تقلید کا ثبوت مل جائے گا۔

شیشۂ دل کو مرے سنگ ستم سے پھوڑا
دل نے میرے بھی منہ اب تیری طرف سے موڑا

Marfat.com

تم جو کچھ ساتھ کیا میرے نہیں وہ تھوڑا
مجھ کو بھاتا نہیں ہر دم کا ترا نکتوڑا

خوبرویوں کا جہاں بیچ نہیں کچھ توڑا
شعر وحشی کا دل اپنے پہ یہ میں لکھ چھوڑا

میدہم جائے دگر دل بہ دل آرائے دگر   چشم خود فرش کنم زیر کف پائے دگر

یہ واسوخت کی ابتدائی شکل تھی۔ جرأت وغیرہ کے زمانے میں اسے خوب ترقی ہوئی۔ لیکن شکل میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوا۔ البتہ بعد کے زمانے میں اس کو مسدس تک محدود نہیں رکھا گیا اور یہ قید اٹھا دی گئی۔ مضامین میں بھی وسعت پیدا ہو گئی۔ سودا کے زمانے کے بعد اس کا بہت رواج ہوا چنانچہ لکھنؤ میں اردو واسوختوں کا مجموعہ دو جلدوں میں "شعلۂ جوالہ" کے نام سے چھپ چکا ہے، جس میں سودا سے لے کر امیر و داغ کے دور کے شاعروں کے واسوخت موجود ہیں۔ سودا کے واسوخت کے مضمون میں کوئی خاص بات نہیں۔ صاف سیدھا بیان ہے۔ شاعر ایک حسین پر فریفتہ ہو گیا۔ معشوق نے شروع میں مہر و محبت کا سلوک کیا لیکن اتفاقاً اس کی کسی اور سے آنکھ لڑی۔ پہلے عاشق سے (جس کو خاص عنوان سے گھائل کیا تھا۔ سرد مہری کا برتاؤ کرنے لگا۔ اس کی طرف سے آنکھ پھیری۔ دل جلا عاشق اس بے وفا و بے مروت سے اپنی ثابت قدم وفاداری کا حال سناتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میری بے مکر محبت نے تجھے معشوقیت بخشی ہے:-

باندھنا لٹ پٹی دستار سکھایا ہم نے
تنگ جامے کو ترے بر میں کھپایا ہم نے

Marfat.com

رکھ کے جدھر کو تجھے بانکا بنایا ہم نے
اکڑ چلنے کو تجھے سب سے بتایا ہم نے

شوخی و ناز کے طرزوں کو جتایا ہم نے
ہاتھ اپنے سے غرض تجھ کو گنوایا ہم نے

ایں نہ گویم کہ من از دست تو گشتم دلریش
کردۂ خویش مثل ہست کہ می آید پیش

اس کے بعد دغا باز حریفوں کے مکر و فریب سے معشوق کو آگاہ کرتا ہے ان کی محبت کو تباہ و بدنام کُن بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب چند روزہ بہار کے عاشق ہیں۔ آگے چل کر سب آنکھ پھیر لیں گے اور پھر تیرا کوئی خریدار نہ ہوگا اور تو کس مپرسی کا شکار ہو جائے گا۔ میں بھی تجھے جتا دیتا ہوں کہ اگر تیری بیوفائی کا یہی عالم رہا تو میں بھی کسی دوسرے دلدار کو اپنا دِل دے دوں گا اور پھر تو تنہا و بے بس رہ جائے گا اور سچے عاشق کو کھو کر پچھتاتا رہے گا۔ اس کے بعد اپنی لے کو دھیما کر کے معشوق کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنے خریدار کو مت ٹھکرا اسے غنیمت جان:۔

اس قدر کس لئے بیزار ہے مجھ زار سے تو
مت چھپا منھ کو سجن اپنے خریدار سے تو

چشم پوشی تو نہ کر عاشقِ بیمار سے تو
مجھ کو محروم نہ رکھ لذت دیدار سے تو

Marfat.com

سن لے یہ بات میاں اپنے گرفتار سے تو
دیکھ ایدھر بھی کبھو ایک نظر پیار سے تو
نگہے جانب سوداگر دگاہے کافی است   بلکہ از لطف باو نیم نگاہے کافی است

اسی بند پر واسوخت کو ختم کر دیا ہے۔

Marfat.com

قصائد

دہلی میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو تقریباً تمام اصناف سخن میں شاعروں نے طبع آزمائی کی۔ لیکن اولین طبقے کے شعرا کے قصائد اب تک دستیاب نہیں ہوئے شاہ حاتم اور آبرو وغیرہ کے دور کے بعض شاعروں کے چند قصیدے ہماری نظر سے گزرے ہیں لیکن ان پر الشاذ کالمعدوم کا پورا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرے یہ اپنی لفظی نحوی، بیانی اور معنوی حیثیتوں سے نہایت ادنیٰ اور معمولی ہیں۔ اس کی پہلی وجہ ہمارے خیال میں اس وقت کے سیاسی اور معاشرتی تباہ کن انقلابات تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ حالات قصیدے کے لئے سازگار نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسری وجہ اس زمانے کا عام مذاقِ ایہام گوئی ہے جو صرف غزل کے لئے مخصوص تھا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا نہایت دشوار ہے کہ سودا کے پیشِ نظر کن اردو شاعروں کے قصائد رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ قصیدے میں اس کی رہنمائی کسی قدیم اردو قصیدے سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے پیشِ نظر اساتذہ فارسی کے قصائد تھے۔ فارسی اساتذہ میں اس نے خاقانی، عرفی اور انوری کے رنگ کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت خود اس کے قصائد میں موجود ہے۔* عرفی کا ایک مشہور قصیدہ لامیہ ہے جو اکبری دربار کے ممتاز امیر میر ابوالفتح کی مدح میں تحریر ہوا ہے، جس کا مطلع یہ ہے :-

چہرہ پرداز جہاں رخت کشد چوں بہ حمل　　　شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

Marfat.com

سودا نے اس قصیدے پر اپنا مشہور اور معرکۃ الآرا لامیہ قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے :-

اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

* عرفی کا ذکر سودا نے اپنے کلام میں دو ایک مقام پر کچھ اس انداز میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قصائد ضرور اس کے مطالعے میں رہ چکے ہیں اور ان کا اثر اس کی طبیعت پر بہت کافی پڑا ہے۔ *

* انوری کی تقلید سودا نے ہجو نگاری میں کی ہے۔ انوری مدح و قدح کا استاد ہے۔ اس کا ایک مشہور قصیدہ ایک گھوڑے کی ہجو میں ہے۔ سودا نے بھی انوری کی تقلید میں اپنا مشہور قصیدہ تضحیکِ روزگار لکھا ہے (اس کا تفصیلی و تنقیدی ذکر ہجویات کے تحت ملے گا) خاقانی کے مشہور قصیدے "کہ ہمت داز ناشوئیت باز انور پیشانی" پر اپنا مشہور نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کے قافیے نورانی، درخشانی، مسلمانی وغیرہ ہیں۔

* ان شواہد کی موجودگی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سودا نے ان اساتذہ کے قصائد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور ان کی خصوصیت کا اثر ضرور اس کے قصائد پر پڑا۔ قدرت اللہ خاں شوق نے لکھا ہے کہ سودا نے خاقانی و عرفی کو قصیدہ نگاری میں پسِ پشت ڈال دیا۔ مصحفی نے تذکرہ ہندی میں لکھا۔ "اگر در علو مراتبِ معانی ابیاتِ قصیدہ خاقانی گویم ردا"۔ عقد ثریا میں مصحفی نے یہ بھی لکھا ہے: "قصاید دو غزلے در جواب قصائد عرفی تصنیف نمودہ"۔ آزاد کی رائے ہے کہ "سودا کی مشابہت ہے تو انوری سے ہے کہ محاورے اور زبان کا حاکم اور قصیدے اور ہجو کا بادشاہ ہے"۔ اصحاب ذوق جو عرفی اور انوری وغیرہ کے طرز و انداز سے واقف ہیں وہ بادنیٰ

Marfat.com

تامل اس بات کو محسوس کریں گے کہ ان اساتذہ کا سودا پر کیا اثر پڑا۔

سودا کے قصائد کے موضوعات حسب ذیل ہیں:-

(۱) مذہب۔ کئی قصیدے بزرگان دین اور ائمہ معصومین کی شان میں خلوص وعقیدت سے انشا ہوئے ہیں۔

(۲) مدح اہل دول۔ اپنے سرپرست امراء وغیرہ کی مدح و ستائش میں کئی قصیدے کہے ہیں۔

(۳) ہجو۔ ہجو میں چند قصیدے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہم ہجویات کے تحت کریں گے۔

(۴) واقعات۔ بعض قصائد میں اس عہد کے تاریخی و معاشرتی حالات قلمبند ہوئے ہیں۔

مطبوعہ کلیات میں صرف (۴۴) قصائد ملتے ہیں۔ ہم نے مزید گیارہ قصیدوں کا پتا چلایا ہے جس کا ذکر ہم غیر مطبوعہ کلام کے تحت کر چکے ہیں۔ ان قصیدوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو قصیدے سے فطری ذوق اور لگاؤ تھا۔ اس نے نہ صرف انعام و صلہ کے لالچ میں قصیدے کہے ہیں بلکہ محض خلوص اور حسن عقیدت سے بھی بلیغ اور معرکۃ الآرا قصیدے انشا کئے ہیں۔ بعض قصیدوں میں اپنی ناراضگی کی بنا پر یا مزاحاً دوسروں کی ہجو کی ہے۔ چند قصیدوں میں اپنے عہد کے تاریخی و معاشرتی حالات و واقعات کو بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔

قصیدہ گوئی میں سودا کا رتبہ

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قصیدہ گوئی میں سودا کا کیا رتبہ ہے اور صنف نظم میں اسے کیا کمال حاصل ہے۔ جہاں تک قدیم اساتذہ کا کلام دستیاب ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا سے قبل قصیدہ گوئی دہلی میں تقریباً رائج نہیں ہوئی تھی۔ سودا سب سے پہلا شاعر ہے جس کے کلیات میں متعدد قصیدے

Marfat.com

موجود ہیں۔ اور اس شان کے ہیں کہ جن کی نسبت تمام اساتذۂ تنقید کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اُردو زبان میں ان کا جواب نہیں۔ ان حالات میں بعض لوگوں کا یہ خیال کہ سودا اُردو قصیدے کا موجد ہے غلط نہیں ہے*۔ اور غالباً اسی بنا پر مصحفی نے لکھا ہے "نقاشِ اولِ نظم قصیدہ در زبان ریختہ اوست"

وہ حالات واسباب روشن ہیں جن کی بناء پر سودا کو قصیدہ گوئی کی تحریک ہوئی اس کے مذہبی جذبات نے اسے بزرگان دین وغیرہ کی شان میں قصیدے کہنے کے لئے متحرک کر دیا ہے، اور مصاحب پیشگی اور دربارداری نے اپنے سرپرست امیروں کی مدح وستائش پر مجبور کر دیا۔ طبیعت میں ظرافت تھی اس لئے خود بخود ہجویہ قصیدے اس کے قلم سے نکلے۔ سودا کے اس رنگ طبیعت کو دیکھ کر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے ممدوحین اس لائق تھے کہ ان کی شان میں نہایت شد و مد سے قصیدے کہے جائیں۔ سودا کے مذہبی قصیدوں کے متعلق یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کے ممدوحین بے شبہ اسی پائے اور درجے کے تھے اور ان قصیدوں کے متعلق یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ رسماً کہے گئے ہیں۔ سودا نے انتہائی عقیدت اور جوش سے ان کو انشا کیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلعم کی شان میں دو قصیدے کہے ہیں اور بقیہ اہل بیت کی مدح میں*۔ اہل دول ممدوحین میں بسنت خان خواجہ سرا عالمگیر ثانی، عماد الملک، سیف الدولہ، مہربان خاں، احمد خاں بنگش، شجاع الدولہ آصف الدولہ، سرفراز الدولہ حسن رضا خان اور رچرڈ جانسن رزیڈنٹ لکھنؤ ایسی ذی اثر شخصیتیں ہیں جن کی سرپرستی سودا کو حاصل تھی۔ یہ سب صاحب اقتدار لوگ تھے۔ ان کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سودا ان کی مدح وستائش کرنے میں حق بجانب نہ تھا۔ ہجویات اور واقعہ نگاری پر جو قصیدے ہیں ان کا ذکر ہم ہجویات کے تحت کریں گے۔ ان میں بھی سودا نے اپنے عہد کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس

Marfat.com

اعتبار سے یہ اس کا بڑا کارنامہ ہے۔

۲۔ سودا نے اپنے اکثر قصیدوں کے الگ الگ نام بھی رکھے ہیں۔ جن قصیدوں کے نام معلوم ہو سکتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) حضرت علیؓ کی منقبت میں ایک قصیدہ ہے۔ ع

"سنگ کو اتنے لئے کرتا ہے پانی آسماں"

اس کا نام بحر بیکراں ہے:۔

کرتو سودا اب قصیدے کو دعائیہ پہ ختم
گو خطاب اس کو دیا ہے تو نے بحر بیکراں

(۲) ایک اور قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے۔ ع

"اُٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل"

اس کا نام باب الجنت ہے:۔

تا مسمیٰ رہے یہ نظم بہ باب الجنت
جب تلک اس سے برآوے مری امید و امل
نخلِ امید سے اپنے ہوں برومند مُحب
ہو محبت نہ تری جن کو نہ پاوے وہ پھل

(۳) کاظمین علیہما السلام کی منقبت میں ایک قصیدہ ہے۔ ع

"ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک"

اس کا نام کوہِ دو پیکر ہے:۔

لیکن جو یہ قصیدۂ کوہ دو پیکر آپ
چاہے صلے میں ہند سے لے اصفہاں تلک

(۴) سیف الدولہ کی تعریف میں ایک قصیدہ ہے۔ ع

Marfat.com

"برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار"

نوٹ:- اس کا نام رزمیۂ بہار ہے ۔

بالفعل اس قصیدہ کا مانگے ہے یہ صلہ
اس کے تئیں خطاب ہو رزمیۂ بہار

(۵) گھوڑے کی ہجو میں ایک مشہور قصیدہ ہے ۔ ع

"ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار"

نوٹ:- اس کا نام تضحیک روزگار ہے ۔

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدہ کا تضحیک روزگار

(۶) ایک غیر مطبوعہ قصیدہ حضرت امام زین العابدینؓ کی مدح میں ہے ۔ ع

"کہا میں ایک دن اس کو کہ اے ستم ایجاد"

نوٹ:- اس کا نام خلاصۃ الاوراد ہے ۔

سبھوں نے ورد کیا یہ قصیدہ، اس خاطر
رکھا ہے نام میں اس کا خلاصۃ الاوراد

(۷) حضرت امام جعفر صادقؓ کی مدح میں ایک قصیدہ ہے ۔ ع

"فلک بتا دے مجھے اپنے عیش و غم کی طرح"

نوٹ:- اس کا نام صبح صادق ہے ۔

رکھا ہوں دل سے قصیدے کا صبح صادق نام
ہر ایک شعر ہے خورشید صبح دم کی طرح

(۸) ایک اور غیر مطبوعہ قصیدہ شیخ بریلی کی ہجو میں ہے ۔ ع

"لکھتا ہوں میں اک شیخ بریلی کی حکایت"

Marfat.com

؀ اس کا نام مضحکۂ دہر ہے ؎

سودا نے قصیدہ یہ کہا مضحکۂ دہر
سب اہل نظر اس پہ رکھیں اپنی عنایت

ہمارے قدیم اساتذۂ تنقید نے قصیدے کے جانچنے کا ایک معیار مقرر کر دیا ہے جس کو مدنظر رکھ کر ہمارے شعرا قصیدہ نگاری کرتے ہیں۔ قصیدے کے اولین لوازم میں چار چیزیں ہیں۔ سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ مطلع کس پایہ کا ہے۔ وہی مطلع کامیاب سمجھا جاتا ہے جس میں کوئی نئی اور جدت آمیز بات بیان کی جائے تاکہ طبیعت خوش ہو اور سامع آیندہ کلام سننے کے لئے فوراً متوجہ ہو جائے۔ خیال کی ندرت، بیان کی جدت اور زبان کی شگفتگی و برجستگی اگر مطلع میں نہ ہو تو وہ کامیاب نہیں سمجھا جاتا ہے۔ سودا کے اکثر قصائد کے مطلعے نہایت بلند اور شگفتہ ہیں۔ حسن رضا خاں کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کا مطلع ہے :- مطلع

؀ برج حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاجدار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صف لشکر بہار

قصیدۂ باب الجنت کا مطلع ہے :-

؀ اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اُردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

دو اور مطلعے ملاحظہ ہوں :-

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح و روزہ حرام

Marfat.com

ہوا کے فیض سے ایسا ہے سبز باغ جہاں
شبیہ سنبل تر سے ہے موج ریگ رواں

تمہید دوسری چیز تمہید یعنی تشبیب ہے جس کے معنی شباب کے تذکرے کے ہیں، اس کو نسیب بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنے حسن نسوانی کے تذکرے کے ہیں۔ ابتداءً تشبیب میں انھیں دو چیزوں کا ذکر ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ تشبیب کے مضامین میں تنوع پیدا ہوتا گیا۔ سوداؔ نے اپنے قصیدوں کی تمہیدوں میں موسم بہار و خزاں، ایام شباب، شکایت گردوں اور ذکر محبوب کا بیان لکھا ہے۔ اس کے ساتھ بعض تمہیدوں میں حکیمانہ خیالات اور اخلاقی صداقتوں کا بھی اظہار کیا ہے۔ قصیدہ لامیہ (باب الجنت) کی تشبیب بہاریہ ہے۔ جس میں سوداؔ نے تخیل کا زور اور مبالغے کا کمال دکھایا ہے۔

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمر دار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عز و جل

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے پات تلک پھول سے لے کر تا پھل

واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روشں پر مخمل

بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی
پوششِ چھینٹ قلمکار بہ ہر دشت جبل

عکس بلبل یہ زہیں پر ہے کہ جس کے آگے
کارِ نقاشی مانی ہے بدوم وہ ادل

Marfat.com

تار بارش میں پروتے ہیں گہرہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب رواں عکسِ ہجوم گل کے
لوٹتے ہے سبزے پہ ازبس کہ ہوا ہے بے کل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمئی نظارہ سے جاتی ہے پگل

جوش روئید گئی خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے ہے جو پھوٹے کونپل

دم عیسٰی سے فزوں فیض ہوا ہے یاں تک
دین میں قسم جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنی
کہیں دعوائے خدائی نہ کریں لات وہبل

اسی تشبیب کے چند اور شعر ملاحظہ ہوں ۔

آب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے
خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

سنا یہ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل

سنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا
تیغ کہسار ہوئی لبسکہ ہوا سے صیقل

حضرت امام حسن رضؓ کی مدح میں ایک غیر مطبوعہ قصیدہ ہے جس کی بہاریہ تشبیب

Marfat.com

کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

نظر کر آب میں ٹک عکسِ گل کہ کرتی ہے
دوچند رونق بستاں ترقیٔ معکوس

قبائے سُرخ ہے گل پہنے سرو جامۂ سبز
یہ شاہدانِ چمن کو عطا ہوا ملبوس

ذرا تو دیکھیو فیض ہوا کہ ہے شاداب
برنگ دانۂ گل عقدۂ نقابِ عروس

حضرت امام محمد باقرؑ کی مدح میں ایک غیر مطبوعہ قصیدہ ہے اس کی بہاریہ تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

چمن میں سبزۂ روئیدہ پر نہیں شبنم
ہوئے ہے خسروِ گل پر نثار لالہ قلم

ادھر کو لعل کے ساغر میں ارغوانی مے
بھری ہے لالۂ حمرا نے ہو خوش و خرم

لہک رہا ہے ادا سے ادھر کو نافرماں
لے اپنے ہاتھ نزاکت سے طرۂ نیلم

ادھر سے نرگسِ شہلا کہ سے ہے بد مستی
جو آنکھیں ہو دیں تو کوئی اس کی دیکھے گردن خم

کہاں ہے صحن کے تالاب بیچ نیلوفر
یہی ہے عالم آب اور یہی ہے جام جم

کنول کی آنکھ میں کیا سُرخ ڈورے چھوٹے ہیں
بہنگ دیدۂ مخمور بادہ نوش صنم

Marfat.com

یہ تمام بہاریہ تشبیہیں ہیں جن میں موسم بہار کے فطری اثرات و کیفیات تو کم ہیں لیکن خیالی تصویریں بڑی سبز مندی سے کھینچی ہیں اور اس میں تشبیہہ و استعارہ اور مبالغہ و اغراق کا رنگ بھر دیا ہے۔ بعض تشبیہوں میں عاشقانہ و رندانہ مضامین بھی باندھے ہیں اور بعض تمہیدیں بہاریہ اور عاشقانہ دونوں قسم کے مضامین کی حامل ہیں۔ عاشقانہ و رندانہ مضامین کو بزرگان دین کی مدح میں بعض اہل تنقید جائز نہیں سمجھتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ تحدید و پابندی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی ہے اس لئے کہ اسلام میں ابتداءً یہ رنگ پایا جاتا ہے چنانچہ قصیدہ بانت سعاد (جو حضور نبویؐ میں پڑھا گیا) عاشقانہ تمہید سے شروع ہوا ہے۔ لیکن سودا نے اس میں بہت غلو کیا اکثر ایسے قصیدوں کی تشبیہوں میں ایسے مضامین باندھے ہیں جن میں عاشقانہ تو کیا بلکہ واسوخت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شان میں قصیدہ کہا ہے جس میں ان کی عظمت و بزرگی اور عفت وحیا کی توصیف کی ہے لیکن تشبیب ٹھیٹ عاشقانہ ہے جو ہمارے خیال میں بدتمیزی اور سوء ادبی ہے:-

دیکھا ہے جب سے منھ کا ترے نور اے صنم
خورشید رہ گیا ہے خجالت سے سر چھپا

آنکھوں نے تیری خانۂ نرگس کیا خراب
سنبل کو تیری زلف نے بے قدر کر دیا

رُخ تیرا دیکھ گل کی تو چھاتی پھٹتی ہے آہ
خال سیہ کے رشک سے لالے کا دل جلا

تیرے دہن کو دیکھ کے غنچہ ہوا خجل
نرگس نین کو دیکھ کے آنکھیں گئی چرا

Marfat.com

ابرو کو تیری دیکھ چھپا ابر میں ہلال
صورت کو تیری دیکھ گھٹا بدر دلربا

لپٹے ہے زلف ہاتھ کو تیرے میں کیا کہوں
ناگن لپٹ رہی ہے عجب شاخ گل سے آ

قمری نے یوں کہا تری کاکل کو دیکھ کر
اللہ آج سرو سے لپٹا ہے اژدہا

یہ مطلع اول کے چند شعر ہیں۔ مطلع دوم بہاریہ و عاشقانہ ہے جس کے چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

ہے موسم بہار گل اور ابر کی گھٹا
قربان تیرے ساقی، گلرو شراب لا

بلبل کی میکشی کو سحر جا چمن میں دیکھ
گل کا پیالہ بادۂ شبنم سے ہے بھرا

اس کے آگے مسلسل کئی شعر رندی و مستی کے مضامین پر ہیں۔ لیکن اس کے بعد فوراً اسے مذموم کہہ کر مدح کی طرف گریز کی ہے:۔

ساقی نے گفتگو مری سن کر کہا تجھے
کچھ شاید عقل و فہم سے بہرہ نہیں ملا

تو اُس جنابِ پاک کا مداح ہے کہ بس
اللہ جس جناب کی کرتا ہے خود ثنا

پی جام جا کے ان کی محبت کا تو مدام
میخانۂ جہاں میں تو سرمست رہ سدا

Marfat.com

اسی طرح آنحضرت صلعم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے مطلع ثانی کی تمہید میں چند عاشقانہ شعر کہے ہیں لیکن فوراً اس سے گریز کرکے کہہ اُٹھا :-

سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چینِ پیشانی و لطفِ زلفِ طولانی

---

* بعض تمہیدوں میں غزلیں بھی داخل کردی ہیں جن کا مدعا محض عاشقانہ و رندانہ مضامین کو نشاط انگیز بنانا ہے۔ یہ غزلیں بھی اسی شان کی ہیں جو اس کا عام رنگ تغزل ہے۔ بعض تشبیہوں میں حسینوں کی تعریف کی ہے۔ ایک میں خوشی کو حسین شکل خیال کرکے اس کا بیان کیا ہے۔ ذوق نے بھی اپنے قصیدہ تائیہ کی تمہید میں یہی مضمون باندھا ہے لیکن سودا کے زور تخیل اور فطری تشبیہوں کے استعمال کے مقابلے میں اس کا درجہ بہت پست ہے*۔ ہم سودا کی تشبیب کے چند شعر جستہ جستہ نقل کرتے ہیں :-

حسن ایسا کہ جیسے ماہ شب چار دھم
یک بیک دیکھے تو یک چند ہی رہ جائے بھچک

چہرے میں ایسی ہے گرمی کہ شب و روز جسے
باد کرتی ہی رہے دامن مژگاں کی جھپک

زلفیں یوں چہرے پہ بکھری مانگے تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک

جعد وہ قہر کہ گھٹنے میں ہو جس کے ہر لہر
گھر ڈبا دینے کو عشاق کے دریائے اٹک

ناگنی پیچ میں آ اُن کے نہ مانگے پانی
کھیل جاوے وہیں کالا جو ڈسے اس کی لٹک

جبیں ایسی کہ جگر ماہ کا ہو جاوے داغ
اُس کی تشبیہ سے جب اس کو تجاوز دے فلک

ننگ رخسار سے شرمندہ ہو کندن کی دمک
آگے غبغب کے خجالت زدہ سونے کی ڈلک

ساعد دست حنا بستہ کی ایسی حرکات
شاخ میں گل کے پون بہنے سے جوں آئے لچک

کمر اس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اس کا وصف
تھی وہ ایک آہوئے دل کے لئے چیتے کی لپک

× بعض تمہیدوں میں عقل اور حرص کو مجسم مان کر ان کے اوصاف و عیوب اور نصائح و ترغیبات کو مکالمے کے پیرائے میں بیان کیا ہے اور پھر مدح کی طرف گریز کی ہے۔ بعض تمہیدوں میں اپنی بدنصیبی اور مظالم گردوں کا ذکر کیا ہے۔ اکثر تمہیدوں میں حکیمانہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔ ×

ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر دگر نہ ننگ عریانی

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشا مدکب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کی پیشانی

Marfat.com

عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

موقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عریانی

حضرت امام ضامن علی موسی رضا کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کی تشبیب میں لکھا ہے :-

نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بجت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہیں کہ نہیں
چنار کو تہی دستی سے نقص جوہر کا

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

جو ناتواں نہ کریں دست گیری دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما

اسی طرح اور بھی کئی تمہیدیں ہیں جو حکیمانہ خیالات سے لبریز ہیں اور ان کو صائب کے مثالیہ رنگ میں پیش کیا ہے اور تشبیہ و استعارہ کی ندرت و نزاکت سے کلام کو زینت دی ہے۔ بعض تمہیدوں میں شاعرانہ تعلی کی ہے :۔

عالم کی السنہ پہ مرا اس قدر ہے شعر
گویا ورق بیاض کا ہر منہ میں ہے زباں

میں نے سنا کہ تجھ کو مرے ایک شعر پر
دزدی کا اپنے معنی کے ہے وہم مہرباں

شاید باتفاق توارد ہو پر مجھے
لفظوں کا اپنے غم کہ ہوئے کس پہ رائگاں

گو زشت کو پنھاؤ کسی رنگ کا لباس
خوبوں میں اس کی جا نہیں جز پہلوئے بداں

ازراہ دوستی میں کہوں تجھ سے ایک بات
طبع شریف پر جو نہ آوے ترے گراں

زنہار ہمسری کا مرے تو نہ کر خیال
ہوگا غریب مضحکہ نزدیک شاعراں

ایسی نہیں بندھی ہے سخن کی میرے ہوا
کھلنے کا جس کا زیر فلک دل کو ہو گماں

اس کو یقیں تو جان کہ حیراں ہے اب تلک
عیسیٰ پئے معالجۂ نفخ آسماں

منشئ نہ فلک مری تحریر دیکھ کر
سمجھے بغیر گر غلطی کا کرے بیاں

Marfat.com

یاد ہے مرے قلم سے وہ فی الفور یہ جواب
چپ رہ کہ دوں تجھے غلطی سے تری نشاں

حک کردہ سطر ہے وہ ترے ہاتھ کی لکھی
کہتے ہیں جس کا اہل زمیں نام کہکشاں

---

* ہجو کا رنگ سودا کی طبیعت پر اس قدر غالب تھا کہ اس نے تشبیب میں بھی اس سے اپنے قلم کو نہیں روکا۔* حضرت امام ضامن علی موسیٰ رضا کے مدحیہ قصیدے کی تشبیب میں فاخر مکیں وغیرہ پر چوٹ کی ہے ۔

صاحب سخن اس طبقۂ شعرا میں کئی ہیں
ہم بزم سخنداں کو نہ ان سے کرے تقدیر

مصرعے میں اگر پشۂ معنی ہو قلم بند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا فیل کو زنجیر

نقارہ کا مضموں بدرستی جو یہ باندھیں
کوس لمن الملک کے ٹھونکیں ہیں بہم وزیر

سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر

کرتے ہیں مجالس میں پھر اس کو بہ بدی یاد
سامع کرے تحسین میں ان کی جو کبھو دیر

اس خبط کے عہدے سے وے وہ نہ بر آویں
جو ملک سخن کے ہیں مہنتوں میں مشاہیر

Marfat.com

استاد کی اُن کے ہے انھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودھ کو تم شیر

ایک قصیدے میں اپنے دہلوی معاصرین پر چوٹیں کی ہیں، اور ان کے پڑھنے کے انداز کا مضحکہ اُڑایا ہے۔

داغ ہوں اُن سے اب زمانے میں
بزم شعرا کے ہیں جو صدر نشیں
یعنی سودا و میر و قائم و درد
لے ہدایت سے تا کلیم و حزیں
کیا غرور و دماغ کیا نخوت
کون سا کبر ہے جو اُن میں نہیں
بعد صد منت و سماجت کے
جاویں گر یہ مشاعرے میں کہیں
میر مجلس کی تاب و طاقت کیا
کرے تکلیف شعر ان کے تئیں
شعرا اپنا پڑھیں جو ان کے حضور
کر کے سرگوشی یکدگر دو ہیں
ایک کہتا ہے یہ توارد ہے
دوسرا بولے اوف ری تمکیں
خلق کو انتظار کش کر کے
یک دو مصرعے پڑھیں جو آپ کہیں
درد کس کس طرح ملاتے ہیں
کر کے آواز منحنی و حزیں
اور جو احمق ان کے سامع ہیں
دمبدم ان کو یوں کریں تحسیں
جیسے سبحان من یرانی پر
لڑکے مکتب کے کہتے ہیں آمیں

٭۔ تشبیب قصیدہ نگار کے کمال کی کسوٹی ہے سودا نے اس کے مضامین و موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور خارجی و داخلی شاعری سے کام لیا ہے۔ اور لفظی،

Marfat.com

بیانی اور عروضی مہارت کا کمال دکھایا ہے۔ خیالی مضامین اور واقعات کو تشبیہ واستعارہ اور مبالغہ کے پیرائے میں ادا کیا ہے۔ اکثر مضامین میں خیالی باتوں کا اس قدر غلبہ ہے اور ان پر مبالغے کا رنگ اس قدر تیز ہے کہ ان میں واقعیت کا نشان نظر نہیں آتا، تاہم، ہم خیال و مضمون اور زبان و بیان کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تشبیب میں سوداؔ کو خاص کمال حاصل تھا لیکن عجیب بات ہے کہ اس نے بعض قصائد میں تشبیب نہیں لکھی بلکہ مدح سے قصیدے کا آغاز کر دیا ہے۔ قصیدے کی روح گریز ہے۔ یہ دراصل تشبیب و مدح کو ملاتی ہے، تشبیب و مدح دونوں کے مضامین بالکل مختلف ہوتے ہیں لیکن شاعر کا کمال اسی میں ہے کہ وہ دونوں میں ایسا ربط پیدا کر دے کہ سامع تشبیب کے بعد فوراً مدحیہ اشعار کے سننے کا مشتاق ہو جاوے۔ گریز کو عربی میں مخلص کہتے ہیں جو قصیدے میں مشکل ترین مقام ہے۔ سوداؔ گریز کے گُر سے خوب واقف تھا۔ اُس نے اِس کے لکھنے میں بڑی استادی دکھائی ہے۔

ایک قصیدے کی تشبیب میں حرص کی ترغیبات کا ذکر بڑے دلفریب انداز میں کیا ہے۔ لیکن گریز اس طرح کی ہے:۔

القصہ گزری تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیر عقل نے آ اس مکاں تلک

ایسا ہی مارا ایک طمانچہ کہ تا ہنوز
پہنچے ہے رنگ چہرہ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سوداؔ ہزار حیف
افسوس میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک

اس کے بعد عقل کی زبانی حرص کی مذمت کی ہے۔ اور اس کی اس ہدایت

Marfat.com

کا ذکر کیا ہے کہ دنیوی جاہ و تجمل کی تعریف میں غلو کرنا اپنا نامہ اعمال سیاہ کرنا ہے۔اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ایسوں کی مدح کرجن کو زمین و آسمان سجدہ کرتے ہیں۔ قصیدہ ُباب الجنت کی بہار یہ تشبیب کے بعد اپنے سخن کی رنگینی و شیرینی کا ذکر کیا ہے اور اس کا سبب حضرت علی کی مداحی کو بتایا ہے۔یہی گریز کا مقام ہے :۔

ہے مجھے فیض سخن اس کی ہی مداحی کا
ذات پر جس کے مبرہن کنہ عز و جل

گریز کے بعد مدح کی نوبت آتی ہے۔اس میں شاعر ممدوح کے اوصاف کا ذکر کرتا ہے۔ مدح نگاری کے عام معیار کا اندازہ مولانا حالی کے ایک اقتباس سے بخوبی ہو سکے گا :۔

۔مدح میں اکثر ایک نام کے سوا کوئی خصوصیت ایسی مذکور نہیں ہوتی جو ممدوح کی ذات کے ساتھ مختص ہو۔ بلکہ ایسے حاوی الفاظ میں مدح کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض مداح اس علت میں کہ فلاں شخص کی مدح کیوں کی ؛ عدالت میں ماخوذ ہو جائے تو قصیدے میں کوئی لفظ ایسا نہ ملے جس سے اس کا جرم ثابت ہو سکے۔ مدح میں زیادہ تر وہی معمولی محامد بیان ہوتے ہیں جو قدیم سے شعرا باندھتے چلے آتے ہیں۔اور ہر ایک خوبی کے بیان میں ایسا مبالغہ کیا جاتا ہے کہ قصیدہ کا مصداق نفس الامر میں کوئی انسان قرار نہیں پا سکتا۔ ممدوح کی ذات میں جو واقعی خوبیاں ہوتی ہیں اُن سے اصلا تعارض نہیں کیا جاتا بلکہ بجائے ان کے ایسی محال باتیں بیان کی جاتی ہیں جو کسی متنفس پر صادق نہ آسکیں۔ ممدوح کی طرف اکثر وہ خوبیاں

Marfat.com

منسوب کی جاتی ہیں جن کے اضداد اُس کی ذات میں موجود ہیں، مثلاً ایک جاہل کو علم وفضل کے ساتھ، ایک ظالم کو عدل وانصاف کے ساتھ، ایک احمق اور غافل کو دانشمندی اور بیدار مغزی کے ساتھ، ایک عاجز و بے دست وپا کو قدرت وتمکنت کے ساتھ، ایک ایسے شخص کو جس کی ران نے کبھی گھوڑے کی پیٹھ کو مس نہیں کیا، شہ سواری اور فروسیت کے ساتھ۔ غرضکہ کوئی بات ایسی نہیں بیان کی جاتی جس پر ممدوح فخر کر سکے یا جس سے لوگوں کے دل میں اُس کی عظمت ومحبت پیدا ہو۔ اور اس کے محاسن و مآثر زمانے میں یادگار رہیں۔"

سوداؔ کے قصیدوں میں یہ معائب بڑی حد تک موجود ہیں۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ممدوحین مدح کے مستحق نہ تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے مبالغہ کیا ہے لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مبالغہ ہماری شاعری اور خصوصاً قصیدے کی جان سمجھا جاتا ہے۔ وہ مدح بالکل بے لطف اور سپاٹ خیال کی جاتی ہے جس میں مبالغے کی چاشنی نہ ہو۔ سوداؔ نے اسی خیال سے مبالغہ آرائی میں کوئی تامل نہیں کیا۔ اس لئے مولانا حالیؔ کے اصلاحی معیار پر اس کی مدحیات کو جانچنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اس کی مبالغہ آمیز مدحیات میں بہت کم مواقع ایسے ملیں گے۔ جہاں مولانا حالیؔ کے معیار کی پوری شرطیں موجود ہوں۔ اس کا پورا سرمایۂ مدح مبالغے سے بھرا پڑا ہے۔ خیالی مضامین ہیں اور ان پر مبالغے کا نہایت شوخ و تیز رنگ ہے۔ یہ سوداؔ کی بدعت نہیں بلکہ یہ چیز اس کو فارسی سے ورثے میں ملی ہے۔ اس نے فارسی قصیدوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی مدحیات کو انشا کیا ہے۔ ایسی حالت میں ان کو کسی خاص معیار پر جانچنا اصولاً صحیح نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس نے ممدوحین کے کن اوصاف وفضائل کی ستائش کی ہے اور ان کے بیان میں

Marfat.com

کس شاعرانہ ہنرمندی سے کام لیا ہے۔

سودا نے تقریباً تمام لائق فخر اوصاف کو بیان کیا ہے۔ بزرگوں کی شان میں جو قصیدے تحریر کئے ہیں ان میں ان کی عظمت و بزرگی، شرافت و نجابت، حلم و حیا، فیوض و برکات اور کشف و کرامات وغیرہ کا ذکر ہے۔ سلاطین و امراء کے عدل و انصاف، شجاعت و دلیری، سخاوت و فیاضی، ہیبت و جلال، تدبر و سیاست وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کو مناسب و موزوں اسلوب بیان اور پرشکوہ الفاظ میں ادا کیا ہے۔ لیکن مبالغے کا زور اور تخیل کی بلند پروازی ہر جگہ کارفرما ہے۔

حضرت علی کے عدل و انصاف کا ذکر کس جدت آمیز پیرائے میں کیا ہے۔

ہیبت عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دھل

مور دسنگ ہو شیشہ تو غضب سے کر دے
کوہ کو ہر دو کف دست میں مل کر خردل

ذکر داذ کار ترے حفظ کا گر آجاوے
کسی محفل میں بہ تقریب زباں ہر یک پل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے دل پر
شب سے تا صبح قیامت نہ سکے موم پگھل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی شاہا
آنچ سے آگ کی مٹک جس میں جو آجاوے بل

Marfat.com

سا ظمین علیہما السلام کی عدل گستری کا ذکر کیا ہے ۔

ازبس اب ان کے عدل سے معمور ہے جہاں
پہنچا ہے کار خلق اس امن واماں تلک

بچہ جو گوسپید کا گم ہو تو گرگ و شیر
پہنچا دیں تا نہ ڈھونڈ کے اس کو جہاں تلک

دہشت سے اس خیال کے زہرہ ہوا ن کا آب
پہنچے نہ ہم مبادا کسی کے گماں تلک

جب سے ہوئی ہے گلشن دنیا میں یہ بہار
کچھ کام بلبلوں کو نہیں ہے فغاں تلک

گلچیں کی کیا مجال جو توڑے چمن میں پھول
صورت سے گل کی لرزے ہے باد خزاں تلک

عماد الملک کے ہیبت وجلال کو کس زور وقوت کے ساتھ بیان کیا ہے ۔

بار تجھ حلم میں ہے یہ کہ ترے وقت خرام
ہووے ذرہ بھی اگر مرکز خاکی کو دھمک

صدمہ ایسا کمر گاؤ زمیں کو پہنچے !
شاخیں ہر چند وہ کچھوائے تو نکلے نہ کسک

دست دوراں سے موالید کا سر رشتہ کار
نعرۂ قہر کی ہیبت سے ترے جائے ٹھٹک

Marfat.com

پیل دینا نہیں کچھ پیل کا پشہ کو کام
حول وقوت سے ترے چاہیئے ٹک اسکو کمک

تجھ کو للکار کے میداں میں صف مرداں کے
سامنے آئے ترے کون ہے ایسا مردک

وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی
گاڈ سر مار بغل جائے دبے پاؤں کھسک

شجاع الدولہ کی صولت کا ذکر کیا ہے ؛۔

صولت و قہر کے آگے ترے یوں دیو سیاہ
آنچ سے آگ کی جوں تاب میں آجائے بال

روز میداں قدم اپنا تو جہاں گاڑے ہے
کوہ کا سینہ پھٹے دیکھ ترا استقلال

شرق سے غرب تلک رعب ترے نیزے کا
دھاک ہے تیغ جنوبی کی تری تا بہ شمال

اُس کی خونریزی سے یوں فوج عدو گھونگھٹ کھائے
جوں مہِ نو سے محرم کے پلٹتا ہے سال

سیف الدولہ کی شجاعت کی تعریف اس طرح کی ہے ۔

اور اس کی پوچھتے ہو شجاعت یہ سن رکھو
اژدر کے چیرے جبڑے کہ جب تھا یہ شیر خوار

یکدم جو اس کی تیغ کی برش زرا سہو
دل میں اگر خیال کرے اپنے کو ہسار

Marfat.com

اجزا جو منجمد ہیں جمادات کے یہ سب
پا جاویں جوں حواس جہاں پل میں انتشار

جس تودے پر کہ تیر قضا کار گر نہ ہو
خاکہ کو اپنے اس میں سے پھوڑے ہے وہ دوسار

تیری ہی تیغ و تیر کی دہشت ہے یاں تلک
تا وحش و طیر نے کی سلح پوشی اختیار

دراج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ
ہر ایک کرگدن کے بدن پر سپر ہیں چار

ارجن کہے کماں کو تری دیکھ بھیم سے
اپنے تئیں تو کھینچنا اس کا ہے سخت کار

جس سمت رُخ کریں گے تو میدان ہی وسیع
گر زندگی عزیز ہے بھیا تو کر فرار

شجاعت و دلیری کے سلسلے میں شاعروں نے تلوار کا ذکر کیا ہے۔ سودا نے بھی جا بجا تلوار کی تعریف کی ہے۔ ذوالفقار حضرت امیر کی توصیف ملاحظہ ہو کس جوش و قوت سے کی ہے۔

اس قدر رکھتی ہے صولت اُس کی شمشیرِ دو سر
گر صفِ اعدا میں جا کر کیجیے اس کا بیاں

ڈال دیں رو ئیں تن اُس ہنگام میداں میں سپر
مو سے باریک اپنی گردن کو بتا دیں سرکشاں

کب ہو جلادِ فلک میں اُس گھڑی یارائے نطق
ہونٹ لاگے چاٹنے لکنت کرے منھ میں زباں

Marfat.com

انگلیاں اڑجاویں دم پر اس کے دست وہم کی
آبداری اس کی گر کیجے قیاسًا امتحاں

کس میں یہ قدرت جو کوئی منہ پہ اس کے آسکے
آشنا ہووے گر اوس کے عکس سے آب رواں

دھار پانی کی وہیں لپٹے زمیں کے قطر کو
کاٹ کر اودھر کو نکلے پردۂ نہ آسماں

صور اسرافیل سے کچھ کم نہیں اس کا نیام
نکلے وہ اس میں سے تو شور قیامت ہو عیاں

ہے دو انگشت قضائے مبرم اعدا کے لئے
ذوالفقار اس کے تئیں کہتے ہیں لیکن ہر زماں

حضرت امام مہدی الہادی کی شمشیر کی تعریف کی ہے :-

شمشیر گر علم ہو تری جن و انس کا
ہیبت سے آب ہو جگر و زہرہ وطحال

ہر پر غرور کی رگ گردن میں خوف سے
ہو جائے خشک خوں رگ یاقوت کی مثال

مارے اگر تو بر کمر آسماں اُسے
گاؤ زمیں کے تن سے نہ لاگا رہے دوال

شاہا ترے جو نشتر خنجر سے ایک دم
دشمن کے دل میں سہو سے گزرے اگر خیال

ہے کیا عجب کہ خوف سے ہر عضو کی رگیں
جا مغز استخواں میں چھپیں شمع کی مثال

Marfat.com

گھوڑے کی تعریف کئی قصیدوں میں کی ہے۔ حضرت علی کے گھوڑے کی تعریف میں کس قدر زور تخیل دکھایا ہے :۔

زیر راں ہے جو ترے رخش فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل
شکل کیا اس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے
دائرہ بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل
اس کی سر چوٹی کا ہیں حسن کہوں کیا جس کے
زلف معشوق کا دیکھے سے نکل جاوے بل
بزغہ وگام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار
ہے چھلاوے کی طرح چال میں اس کی چھل بل
جست وخیز اس کی بیاں کیجئے گر پیش حکیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجائے خلل
قاش سے زین کی ذرہ جو اچک جائے عناں
مارے جوں ردے زمیں پشت فلک کو ٹھوکنڈل
میخ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دوری کو تمام اپنی بیک آن زحل

عماد الملک کے گھوڑے کے زور و قوت اور تیزی وطراری کو اس طرح دکھایا ہے :۔

نہ چلے خامہ اب آگے نہ سیاہی ہو رواں
بادپا کا ترے کچھ وصف نہ کیجے جب تک

Marfat.com

چڑھ کے اس پر تری طبع میں گزرے یہ خیال
قاش سے زین کی تک لیجے اگر باگ اچک

گاہ آجائے نظر گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا پیچ وہ شبرنگ ہے جگنو کی دمک

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو شرق سے لے غرب تلک

اتنے عرصے میں پھر آدے کہ اسے باور کر
عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پاوے منفک

سیف الدولہ کے گھوڑے کی شوخی وسبک رفتاری کی اس طرح تعریف کی ہے :۔

گلگوں ترے کے وصف میں کیا کیا بیاں کروں
گرد اس کے کھینچے ہے گلِ رنگِ حنا حصار

اِس حصر میں کرے ہے وہ اس طرح شوخیاں
تڑپے ہے جوں نسیم چمن میں ہو بے قرار

رانوں میں یہ سبک جو پھرے سطحِ آب پر
ٹوٹے حباب سُم تلے آکر نہ زینہار

مشرق کی سرزمین سے مغرب کی سمت کو
اس برق وش کو پھینک دے گر ہو کے تو سوار

اس عرصے میں پھر آدے کہ شاید نہ بجھنے پائیں
گر پھینکنے میں نعل سے اس کے جھڑیں شرار

Marfat.com

کئی قصیدوں میں ہاتھی کی تعریف کی ہے۔ چند مقامات ملاحظہ ہوں ۔

عماد الملک کے ہاتھی کی تعریف کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں:۔

شوکت و شان کہوں کیا میں ترے ہاتھی کی
چرخ پر جوں مہ نو ماتھے پہ یوں اُسکے گجک
اس کے گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
کہکشاں جوں شب یلدا میں نمایاں بہ فلک

بیٹھنے میں ہے وہ کوہ اٹھنے میں ہے ابر سیاہ
عرش رفعت ہیں وہ اور چلنے میں جوں چرخ اٹک
شجر طور کا چہرے پہ ہو اس کے جلوہ
رنگیں تزئیں کے لئے جس گھڑی اس کی مستک

جھول پر اس کے ستاروں کا کہوں کیا میں حسن
تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چھٹک
لے کے خرطوم میں زنجیر پھرا دے وہ اگر
اس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہر زیرک

لیلیٰ نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمے سے
ملنے کو مجنوں سے سن سلسلۂ پا کی جھنک
روز میداں اسے دیکھو تو دلاور اتنا
سر کے واں سے نہ جہاں سے کہ زمیں جائے سرک

سامنے اس کے وہ چھوٹے ہے پٹاخوں کی لڑی
داغیں اک مرتبہ سو توپ جو ہم سنگ اٹک
چرخی کیا چیز ہے لادے جو اسے خاطر میں
بان بجلی کی کڑک کا کبھو پہنچے اس تک

Marfat.com

چاہے وہ توڑ کے جوں نیشکر اس کی چھڑ کو
پاؤں کھجلانے لگے سونڈھ میں لے کر پولک

بے تکان اسقدر اس کا ہے چلاوا جیسے
مہر میں ابر کے آنے سے ہو سایہ کی ڈھلک

آستانۂ حضرت علیؓ اور دیگر بزرگان دین کے مزارات کی شان میں بھی اشعار کہے ہیں
دو ایک مقام یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت امیر کے روضہ کی توصیف اس طرح کی ہے

اَب کہیں عالم میں اے سودا نظر آتا نہیں
جز پناہ اس آستاں کے موضع امن و اماں

جس کا پایہ قدر ایسا ہے کہ دیکھیں ہیں جسے
تھام کے دستار اپنی عرش کے باشندگاں

کرسی اس گھر کی جو کچھ رکھتی ہے قدر و منزلت
دیدۂ تحقیق میں یہ عرش کا پایہ کہاں

سطح پر اس کی ملک پھرتے ہیں با ذوق تمام
صحن میں کرتا ہے روح القدس مجرا جائے واں

اس کے قندیل و چراغ آگے یہ خورشید و فلک
جوں چراغ مضطرب یک قمقمے کے درمیاں

شعلۂ کوہ طور سے کیا کم ہے اس روضہ کی شمع
دونوں آپس میں ہیں گویا خلقت یک دودماں

حضرت امام علی موسیٰ رضا کے روضہ کی تعریف اس طرح کی ہے :-

Marfat.com

زہے وہ گنبد زریں کہ جس کا ہے یہ شکوہ
فلک نے دیکھ جسے دل میں پیچ کھا کے کہا

کہ کہنہ جان کے مجھ کو جناب اقدس نے
بنا کیا ہے سر نو سے آسمان طلا

شعاع نور سے خورشید جس کے قبے کی
پلک جھپکنے سے یک ذرہ بھی نہیں رہتا

زبس کیا ہے مرصع اُسے جواہر سے
کہ کان لعل سے خالی گہر سے ہے دریا

اگر نہ ہووے یہ کمیاب واں کے مصرف سے
نہ پاوے لعل یہ قیمت نہ دُر کو ہو یہ بہا

جبین آئینۂ مہر و مہ نہ ہو روشن
غبار در سے یہ اس کے اگر نہ پائیں جلا

لبان دیدۂ پرآب عاشقاں جاری
ہے اس کے صحن میں اک حوض فخر کوثر کا

دکھاؤں کس کو میں اُس گنبد طلا کا عکس
کہ جس طریق ہے پانی میں اس کے جلوہ نما

ہوا ہے دل کو یقیں یہ کہ حوض کوثر میں
کرے ہے آن کے گردوں سے آفتاب شنا

ایک قصیدے میں جنگ کا منظر دکھایا ہے۔ شجاع الدولہ اور حافظ رحمت خاں کی جنگ کا ذکر ہم تمہیدی حصے میں کر چکے ہیں۔ سودا نے اس کے واقعات کو

Marfat.com

بڑی خوبی سے قلمبند کیا ہے۔ فوجوں کی ترتیب اور اس کے لڑنے کے طریقوں وغیرہ کا نہایت واضح خاکہ کھینچا ہے۔ ایک مقام نقل کرتا ہوں، ملاحظہ ہو کس خوبی سے جنگ کا سماں دکھایا ہے :-

تھی سامنے ہمارے جو فوج ھسراولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار
سنتے ہیں اب ہر ایک سے اس فوج کے یہی
سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار
محبوب اور لبسنت و لطافت تھے یک طرف
یک سو تھا میر سید علی مستعد کار
لیکن انھوں کو آدمی کہئے کہ دیو دد
ان کا قدم دغا ہیں بہ پایا ہم استوار
ایدھر سے بان در ہکلہ و توپ متصل
پڑتی تھی پر وہ بڑھتے ہی آتے تھے سرگزار
بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اس ریلے پر جہاں سے جزائر کے ہوئے مار
لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار
تھیں کرتیاں تلنگوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار
توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن
رنجک مثال برق چمکتی تھی بار بار

Marfat.com

گجنال مثل رعد کے کڑکے تھی دمبدم
آواز شترنال تھی طاؤس کی جھنکار

بارود و گولہ توپ میں تھا یادہ باد تھی
جن نے کہ قوم عاد اُڑائی تھی جوں غبار

فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار

ہر ایک جا یہی نظر آیا ہر ایک کو
گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے ادھر پڑا سوار

اُڑتے تھے یوں پیادہ کہ تودے کو ردئی کے
نداف کا کمانچہ جو دے ہے انتشار

تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہمنشیں
ساتھ اس کے ہم پیالہ و باہم نوالہ خوار

وہ بھاگے اس طرح کہ یہ کہتی تھی ان کو خلق
بھاگا وہ دیکھو جائے ہے میداں سے کوہسار

نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا ہے نہ جینے کا کچھ بچار

مدح کے بعد قصیدے میں حسن طلب کی باری آتی ہے۔ اس میں شاعر اپنا مقصد بیان کرتا ہے۔ شاعر کو اس میں اس قدر سحر بیانی اور افسوں کاری سے کام لینا پڑتا ہے کہ ممدوح کی طبیعت پر گراں نہ گزرے اور اگر وہ بخیل بھی ہے تو کریم بن جائے اور شاعر کا دامن مراد گوہر مقصود سے بھر دے۔ سودا کے

Marfat.com

حسن طلب کے دو ایک نمونے بلاحظہ ہوں۔

بسنت خاں کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس میں اپنے مقصد کو اس طرح ظاہر کیا ہے :-

لیکن نہ سمجھیو یہ اس گفتگو سے ہرگز
منظور مجھ کو تیری ہمت کا امتحاں ہو
کس واسطے کہ مجھ کو اتنا ہی چاہئے ہے
جامہ ہو ایک برمیں کھانے کو نیم ناں ہو
سو تو زیادہ اس سے تیرا کرم ہے مجھ پر
کفران نعمت اوپر قادر نہ یہ زباں ہو
اتنی ہی آرزو ہے کچھ عمر ہو جو باقی؛
مصرف جہاں میں اس کا تیرے قدم کے یہاں ہو
کب جا سکے ہے کوئی دروازے تیرے آکر
بیٹھے جو تیرے در پر وہ سنگ آستاں ہو

سرفراز الدولہ کے مدحیہ قصیدے میں اپنے مطلب کا اس طرح اظہار کیا ہے

غرض کہ اس لئے تیری یہ میں نہیں کی مدح
کہ چاہوں تجھ سے میں اس کے صلے میں درہم و دام
غرض یہی اس کے صلے کے کروں میں تجھ سے عرض
قبول ہو جو مرا حرف اے ذو الاکرام
مجھے تو گوشۂ خاطر میں اپنے دے جا گہ
کہ تا بسر کروں لیل و نہار با آرام

Marfat.com

٭ قصیدے کی آخری منزل مقطع ہے جس کو حسن الخاتمہ بھی کہتے ہیں۔ قصیدے کو اس طرح ختم کرنا چاہیئے کہ اس کی ابتدائی شان و شکوہ کے مقابلے میں پست نظر نہ آئے بلکہ خاتمہ پر سامع مطمئن ہو جائے۔ چند مقطعے ملاحظہ ہوں :-

گرے ہے ختم دعائیہ پر اب سخن سودا
ادب سے دور ہے خدمت میں تیری طول کلام

الٰہی باغ جہاں میں ہو جب تلک مانا
شبیہ غنچہ صراحی سے شکل گل سے جام

مئے سرور تجھے دے ہر ایک عید کے دن
طرف سے ساقیٔ کوثر کے ساغر گلفام

غرض کروں ہوں دعائیہ پر میں ختم سخن
ادب کی مرضی ہے طول کلام ہو کوتاہ

الٰہی تا ہو جہاں تو ہو اور دنیا ہو!
جہانِ خوبی ہے تو اسے جہانیوں کی پناہ

٭ سودا کرے ہے ختم دعائیہ پر سخن
اس جا نہیں ہے طول سخن مقتضائے داب

اس تخت پر بہ مسند اقبال بیٹھ کر
کرتا رہے تو شادی نوروز اے جناب

٭
قصائد سودا پر اس تفصیلی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو قصیدہ نگاری

Marfat.com

میں غیر معمولی قدرت و مہارت حاصل تھی۔ مصحفی نے اس کے متعلق بالکل سچ لکھا ہے کہ "نقاش اول نظم قصیدہ در زبان ریختہ اوست۔ حالا ہر کہ گوید پیرو و متبعش خواہد بود"۔ اُس نے قصیدے میں متنوع مضامین و موضوعات کو داخل کیا اور داخلی و خارجی شاعری کا کمال دکھایا ہے۔ حکیمانہ خیالات اور اخلاقی تعلیمات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اُس کے قصیدوں میں لفظی، نحوی، بیانی اور عروضی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ہر چیز ہمارے قدیم معیار پر پوری اُترتی ہے اس کے قصائد کا جواب ہماری زبان میں موجود نہیں اور اب چونکہ زمانے کا مذاق بدل گیا ہے اس لئے توقع نہیں کہ اس رنگ میں آئندہ بھی اس کا کوئی جواب پیدا ہو

Marfat.com

مثنویات

اس سے قبل کہ سودا کی مثنویوں سے بحث کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور سے قبل کی مثنویوں پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ سودا سے قبل ان کا کیا رنگ تھا اور اس کے دور میں اس صنف نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کی تھیں۔

دکن اور گجرات میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو اس صنف میں بھی وہاں کے شاعروں نے طبع آزمائی کی۔ ان کی مثنویات کے موضوع بھی مختلف تھے بعض مثنویاں مذہبی ہیں، بعض اخلاقی اور فلسفیانہ، بعض عشقیہ اور بعض تاریخی اور داستانی۔ بہرحال مثنوی کے جو موضوعات ہو سکتے ہیں ان سب میں قدیم شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہے۔ ان میں سے بہت سی روشناس ہو چکی ہیں اور حال کے محققین کی کوششوں سے اور بھی روشنی میں آ رہی ہیں۔ قدیم دکنی اور گجراتی شعرا کے بعد اورنگ آبادی شاعروں نے بھی کئی مثنویاں لکھی ہیں، ان میں بعض بلند رتبہ رکھتی ہیں۔ سراج کی بوستان خیال (سنہ ۱۱۶۰ھ)، عاجز کی لعل و گوہر، سامی کی سرو شمشاد اور مثنوی طالب و موہنی وغیرہ اچھی خاصی مثنویاں ہیں۔ اسی زمانے میں شمالی ہند میں بھی شاعری

Marfat.com

کا باضابطہ آغاز ہو چکا تھا اور کئی بلند پایہ شعرا منظر پر آ چکے تھے۔ دکنی مثنویاں شمالی ہند کے شاعروں کی نظر سے گزرتی تھیں، چنانچہ اس زمانے کے تذکرہ نویسوں نے بعض کا ذکر کیا ہے۔ اِن قدیم مثنویوں نے شعرائے ہند پر کیا اثرات ڈالے آسانی سے نہیں بتایا جا سکتا۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مثنوی کے میدان میں طبع آزمائی کے لئے ان قدیم مثنویوں نے موضوع و اسلوب کے لحاظ سے نمونے کا کام دیا۔ سودا سے قبل دہلی میں حاتم، آبرو وغیرہم کے دور میں بعض مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ حاتم کے دیوان کے قلمی نسخوں کی چھان بین کے بغیر دو مثنویوں کا حال نہایت آسانی سے مل جاتا ہے۔ حمید اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ گلشن گفتار کے دیباچے میں ایک مثنوی[1] کا ذکر کیا ہے جو حمد، نعت، منقبت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ایک دوسری مثنوی کا ذکر شفیق نے کیا ہے جس کی فرمائش محمد شاہ نے زکی سے کی تھی۔ اس نے صرف دو شعر کہے تھے حاتم نے اسے پورا کیا[2]۔ اس کے کل تیس شعر تھے۔ آبرو نے بھی ایک مثنوی لکھی ہے۔ جس کا بعض تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے۔ قائم نے سب سے پہلے آبرو کی اس مثنوی کا حوالہ دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "مثنوی صد و پنجاہ بیت در باب تعلیم آرائش خوباں روزگار بسیار سداست موزوں کردہ"۔ ان بیانات سے ظاہر ہے کہ سودا سے قبل دہلی میں مثنوی کا رواج ہو گیا تھا اور اساتذہ وقت اس صنف میں طبع آزمائی کرنے لگے تھے۔ لیکن کوئی خاص دلچسپی اس صنف سے نہیں لی جاتی تھی۔ اس کا سبب محض ایہام گوئی ہے ایہام کی صنعت صرف غزل میں نبھ سکتی تھی۔ مثنویوں اور قصیدوں میں اس کا نبھانا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی اہم اور ادبی و شعری لحاظ

---

[1] عجیب بات ہے کہ میر گردیزی نے اسی مثنوی کے چند شعر زکی سے منسوب کئے ہیں۔

[2] دیباچۂ دیوان زادہ میں اس مثنوی کا ذکر موجود ہے اس کے سوا مثنوی قہوہ کا بھی۔

Marfat.com

سے بلند پایہ مثنوی نہیں لکھی گئی۔ سوداؔ کے زمانے میں میرؔ نے بھی کئی مثنویاں کہی ہیں اور اس کے بعد سے مثنوی کا رواج بڑھتا گیا یہاں تک کہ سوداؔ کی وفات کے چار سال بعد (۱۱۹۹ھ میں) اردو زبان کی مشہور مثنوی سحرالبیان لکھی گئی۔

سوداؔ کے زمانے میں مثنوی کو کئی لحاظ سے ترقی ہوئی۔ پہلے تو اس کے موضوعات میں تنوع پیدا ہوگیا۔ دوسرے مسلسل و مربوط اور شکل و صورت اور ڈھانچے کے اعتبار سے مکمل مثنویاں لکھی جانے لگیں۔ چنانچہ صرف سوداؔ کے ہاں مثنوی کے حسب ذیل موضوعات ملتے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت ہم اس کی مثنویوں کے نام بھی درج کر دیتے ہیں۔

(۱) عاشقانہ

اس موضوع پر سوداؔ کی صرف ایک مثنوی ہے۔ قصۂ پسر شیشہ گر۔

(۲) ہجویہ

اِس موضوع پر حسبِ ذیل مثنویاں ہیں۔

(۱) ہجو پیل راجا نرپت سنگھ۔ (۲) ہجو شدی فولاد خاں۔ (۳) ہجو امیر دولتمند۔ (۴) ہجو فوتی۔ (۵) ہجو میر ضاحک۔ (۶) ہجو طفل لکڑی باز۔ (۷) ہجو دختر دایہ۔ (۸) ہجو حکیم غوث۔ (۹) ہجو مرزا فیضو۔ (۱۰) حکایت ڈومنی۔

(۳) مدحیہ

(۱) تعریف بادشاہ شاہ عالم و وزیر آصف الدولہ (۲) تعریف دیوان اشعار مہربان خاں۔ (۳) تعریف چاہ مومن خاں۔ (۴) تعریف شکار آصف الدولہ

(۴) اخلاقی

مثنوی در بارۂ زن و شوہر۔

Marfat.com

(۵) ادبی تنقید

(۱) معانی بیت مولانا روم ۔ (۲) سبیل ہدایت ۔

(۶) خط و کتابت

(۱) خط در اشتیاق ۔ (۲) خط در شکایت ۔

(۷) فطری مناظر وغیرہ

شکایت موسم گرما۔

یہ کل میں مثنویاں ہیں جو مختلف سات موضوعات پر تقسیم ہو سکتی ہیں۔ ان میں وہ مثنویاں شامل نہیں ہیں جو الحاقی ہیں۔ ان مثنویوں پر نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہے کہ سودا کے زمانے میں مثنوی نے ترقی کی کئی منزلیں طے کر لی تھیں بے شبہ ان موضوعات کے علاوہ قدیم دکنی اور گجراتی مثنویات دوسرے وسیع اور بلند موضوعات پر ملتی ہیں۔ لیکن شمالی ہند میں سودا کے دور سے قبل مثنوی کے اپنے موضوع مقرر نہیں ہوئے تھے۔

دیکھنا یہ ہے کہ سودا نے موضوعاتِ مثنوی میں تنوع پیدا کیا تھا یا اس کے معاصرین نے؛ صرف میر، ایسا شاعر ہے جو مثنوی کا بلند پایہ استاد سمجھا جاتا ہے۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ سودا نے پہلے مثنویاں لکھیں یا میر نے۔ اکثر مثنویوں میں کوئی قرینہ تعین زمانہ کا نہیں ملتا۔ لیکن چونکہ سودا نے میر سے بہت قبل شاعری کر دی، یہاں تک کہ جب اس کی شاعری کی دھوم اور عام شہرت تھی تو اس وقت میر کی ابتدائی مشق تھی۔ اصلاح الدین نے لکھا ہے:۔

جن روزوں میں حاصل تھا سخن کا اسے کمال
تھی میر کی تب مبتدیانہ یہی نہ تقریر

Marfat.com

اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ مثنوی کے میدان میں پہلے سودا نے طبع آزمائی کی اور ایجاد و تقدم کا فخر اسی کو حاصل ہے۔

اس کے بعد ایک بات اور فیصلہ طلب رہ جاتی ہے کہ دونوں میں اہمیت اور افضلیت کس کو حاصل ہے۔ اس کا فیصلہ دونوں کی مثنویوں کے موازنے سے ہو سکتا ہے لیکن چونکہ دونوں کی مثنویوں کے اکثر موضوعات مختلف ہیں اس لئے موازنہ و مقابلہ بھی اصولی طریقے سے نہیں ہو سکتا، البتہ تین موضوعات ایسے ہیں جن میں دونوں کی مثنویاں موجود ہیں۔ وہ موضوعات یہ ہیں:۔ ہجویہ، عشقیہ، تعریف شکار، ہجویہ میں میر صاحب اپنی قنوطیت پرست طبیعت کی وجہ سے ہیٹے ہیں جیسا کہ تمام اساتذہ تنقید کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ان کے کلیات میں ہجویہ مثنویاں موجود ہیں، لیکن ہجو نگاری کے اعتبار سے ان کا پایہ بہت گرا ہوا ہے۔ عشقیہ میں سودا میر کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سودا کو اس موضوع سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ وہ خود لکھتا ہے:۔

کہا سودا نے حضرت کو تو ہے خبط   مجھے قصہ کہانی سے ہے کیا ربط

اسی ناموافقت طبع کی وجہ ہے کہ سودا نے عشقیہ مثنویاں بہت کم کہی ہیں۔ ہمیں اب تک متعدد قلمی دواوین کی چھان بین کے بعد اس کی صرف ایک عشقیہ مثنوی ہی ملی ہے اور وہ بھی ایسی ہے کہ میر صاحب کی مثنویوں کی روائداد وں سے مختلف و متضاد ہے۔ ایسی صورت میں میر و سودا کو عشقیہ مثنوی کے میدان میں مقابلہ کی خاطر لا کھڑا کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

آصف الدولہ کے شکار کی تعریف میں میر اور سودا دونوں نے مثنویاں لکھی ہیں۔ سودا نے صرف ایک مثنوی لکھی ہے جس کا سال تصنیف ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۵ھ کے درمیان پڑتا ہے۔ میر صاحب نے ۱۱۹۷ھ یا اس کے بعد شکار نامے لکھے ہیں

اس لحاظ سے اس موضوع میں سودا کو میر پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ میر کے سامنے سودا کی کہی ہوئی مثنوی کا نمونہ موجود تھا۔ اس نے اس پر ضرور اضافے کیے۔ اس موضوع پر سودا کی مثنوی میر صاحب کی مثنویوں کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی، ان موضوعات کو چھوڑ کر میر صاحب کے ہاں مثنوی پر بہت کم کلام ہے۔ مثنوی کے موضوعات اور ظاہری شکل اور ڈھانچے کا جہاں تک تعلق ہے سودا کو افضلیت حاصل ہے اور داخلی خوبیوں اور ادبی لطافت و شعری حسن کے اعتبار سے میر کا درجہ بلند ہے۔

یہ موازنہ محض یہ معلوم کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ سودا کو مثنوی کی صنف میں کیا رتبہ حاصل ہے۔ اس نے مثنوی کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور اس کے مضامین کو غیر معمولی وسعت دی۔ اس کے زمانے ہی میں اس کے شاگردوں نے اس صنف میں مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ قائم، شیدا، ممتاز وغیرہم کی کہی بلند معیار مثنویاں موجود ہیں۔ یہ سب سودا کا اثر تھا۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد ہم سودا کی مثنویوں کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھیں گے اور ان کی ظاہری و معنوی خصوصیات اور معائب و محاسن سے بحث کریں گے

سب سے پہلے ہماری نظر ایک عشقیہ مثنوی پر پڑتی ہے جس کی داخلی و خارجی خصوصیات جانچنے کے لئے ہم پہلے اس کی روداد کا خلاصہ درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حمد، نعت اور منقبت کے بعد سودا نے موسم بہار پر کئی شعر کہے ہیں اس کے بعد قصہ کی تمہید لکھی ہے اور اصل قصے کو اس طرح شروع کیا ہے۔ ایک مشہور عابد تھا جس کے کئی مرید تھے۔ وہ دل سے کعبہ کا عزم رکھتا تھا۔ ایک روز سودا سے اتفاقی ملاقات ہوئی۔ اس عابد نے قصد کعبۃ اللہ ظاہر کیا اور کہا مسلمان پر

Marfat.com

لازم ہے کہ اپنی نجات حاصل کرے اور اور تمام گناہوں کو دھو ڈالے۔ خانہ کعبہ کی زیارت عفو جرائم کا باعث ہے۔ تو بھی میرا ساتھ دے! کہاں تک رندی و بت پرستی کرے گا۔ خدا سے دل لگا اور میکدے سے منہ موڑ۔ یہ سن کر سودا بھی تیار ہو گیا۔ اسباب سفر دونوں نے درست کیا اور روانہ ہوئے۔ پانچویں منزل پر قزاقوں نے آگھیرا۔ تمام مال و اسباب اس بیدردی سے لوٹا کہ تسبیح کا تار تک نہ چھوڑا۔ اس عابد نے سودا سے مشورہ کیا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ سودا نے جواب دیا کہ اب گھر جا کر کیا منہ دکھائیں۔ جب عزم کر لیا ہے تو پورا کر دکھائیں۔ عابد نے کہا کہ تم مسئلہ مسائل سے بالکل ناواقف ہو۔ طوفِ حرم ذی مقدور پر فرض ہے۔ آج مال گیا آگے جان کا خوف ہے۔ مریدوں نے بھی متفق ہو کر سودا سے کہا کہ حضرت کا سخن معقول ہے۔ اس بے نوائی میں حج نہیں سے مقبول ہو گا۔ سودا نے کہا کہ آپ مختار ہیں میری بات بارِ خاطر نہ ہو۔ غرض واپسی کی ٹھہری۔ نماز ظہر کے بعد کوچ کیا۔ شام ہوئی تو ایک جگہ ٹھہر گئے۔ زادِ راہ مفقود تھا۔ عابد نے کہا کہ ہمیں خواب و خور تو میسر نہ آئے گا۔ بہتر ہے کہ قصہ خوانی کیجئے۔ سودا سے فرمائش کی اس نے کہا کہ حضرت کو خبط ہے مجھے قصہ کہانی سے کیا ربط ہے۔ بہر حال بہ پاس خاطر ایک شہر کا قصہ سنانا شروع کیا۔

حلب میں ایک شیشہ گر کا لڑکا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا تھا۔ حسین و پری چہرہ تھا اور ایک عالم اس پر فریفتہ تھا۔ باپ سے شیشہ سازی سیکھتا تھا اور بالکل بے نیاز و آزاد تھا۔ اتفاقاً ایک زرگر کے لڑکے پر اس کا دل آیا۔ اطمینان اور دلجمعی کافور ہو گئی، عشق کا روگ لگ گیا اور زندگی تلخ ہو گئی۔ رنگ اڑنے لگا اور خواب و خور حرام ہو گیا۔ ماں باپ پریشان تھے۔ علاج معالجہ اور جھاڑ پھونک شروع ہو گئی بے شمار تدبیریں کی گئیں لیکن سب بے سود ثابت ہوئیں۔ ایک رات وہ دیوانہ وار گریبان

Marfat.com

چاک کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور گلی گلی تلاش محبوب میں ٹھوکریں کھاتا پھرا۔ صبح ہوئی تو ماں باپ نے اس کا بستر خالی پایا۔ سراسیمہ و حیران ہو کر گلی کوچوں میں ڈھونڈھنے لگے۔ کہیں پتا نہ پایا تو رمالوں اور نجومیوں کے در کی خاک چھانی ایک نے ترس کھا کر بتایا کہ وہ زندہ ہے اور مشرق میں سو کوس کے فاصلے پر ایک ایسے بیابان میں سرگرداں ہے جہاں وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو اپنی جان سے بیزار ہے۔ باپ نے کہا اس کے بغیر یہ زندگی بے کار ہے۔ گھر آیا۔ احباب کو منجم کا سخن سنایا۔ ان میں سے اکثر تیار ہو گئے اور اس کے ساتھ منزل بمنزل راہ طے کرنے لگے۔ ایک ایسے مقام پہ پہنچے جہاں سب کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ باپ نے جرأت کی اور آگے بڑھا۔ ایک لق ودق صحرا نظر آیا کہ جسے دیکھ کر شیر کا جگر بھی شق ہوتا تھا۔ اندر داخل ہوا تو عجب نظارہ تھا کہیں آگ سے جنگل دہک رہا تھا، کہیں سیاہ بادل اُمنڈ رہے تھے۔ کہیں اژدھے اور کہیں خونناک جانور۔ کہیں آواز گریہ تھی اور کہیں صدائے خندہ۔ اس تیرہ و تار ویرانے میں امید کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آئی۔ آگے بڑھا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک آوارہ و بے خانماں نوجوان بیٹھا ہے۔ صحرا کی وحشت سے زیادہ اس پر وحشت برس رہی تھی۔ آنکھیں خونچکاں تھیں کانٹوں سے تلوے چھد گئے تھے۔ منہ پر گرد اٹی ہوئی تھی۔ باپ نے بے قرار ہو کر نام لے کر پکارا، اسے متوجہ کیا اور بڑی منت و سماجت سے یہ وعدہ کیا کہ اس کا ہر کہا مانا جائے گا۔ بہت بہلا پھسلا کر اُسے لایا۔ ایک روز پھر اس پر وحشت طاری ہوئی اور عالم جنوں میں چل نکلا۔ پیچھے پیچھے ماں و باپ گریہ و زاری کرتے ہوئے رواں دواں تھے۔ اور لوگ بھی از راہ ہمدردی ساتھ ہو لئے اور سمجھا منا کر پھر واپس لائے۔ لیکن حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور جوش جنوں انتہا کو پہنچ گیا والدین نے مجبوراً اس کو پابہ زنجیر کیا۔ ابھی تک راز محبت آشکار نہیں ہوا تھا۔ لیکن تابہ کے۔ روئی میں چنگاری کب تک چھپ سکتی تھی۔ آخر کار

Marfat.com

یہ راز فاش ہوا اس کی زبان سے اشعار جاری ہونے لگے کہ شراب عشق زہر ہے محبت کی موج کالے کی لہر ہے۔ یہ سنتے ہی سب نے بات پائی اور تفتیش حال میں لگ گئے کہ کس کے دام عشق میں گرفتار ہے۔ یہ عقدہ ابھی کھلنے نہ پایا تھا کہ عاشق کے جذب کامل اور کشش صادق نے زور کیا، مطلوب نے خواب دیکھا کہ اس کے لئے ایک نامراد اس طرح غم والم اور رنج و محن کا شکار ہے۔ بے قرار ہو کر گھر سے طالب کی تلاش میں نکلا۔ آواز زنجیر پر ٹھٹکا اور بے تاب ہو کر اس کے قدموں پر جا گرا۔ ضبط و تمکین کھو کر کہنے لگا کہ میں تیرے عشق کے قربان، میری جان تجھ پر نثار۔ یہ سخن طالب کے کان میں پہنچا تو وہ ہوش میں آیا۔ دونوں نے نہایت دردناک اور دل دوز باتیں کیں۔ فرط شوق سے بے خود ہو کر بغلگیر ہوئے اور دونوں بحر آتش کی طرح مل کر اس طرح روئے کہ دیکھنے اور سننے والے بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ مدعا اس قصہ کا یہ ہے کہ طلب صادق اور عشق محکم بڑی چیز ہے اور دنیا کی کوئی قوت راہ محبت میں مانع نہیں ہو سکتی۔ خدا سے محبت کرنے کا بھی یہی حال ہے۔ اگر اس سے سچی محبت ہو تو بیڑا پار ہے۔ پھر قزاقوں سے لٹنے کا کیا غم۔ لٹ جانا طوف حرم سے کیونکر باز رکھ سکتا ہے۔

یہ بظاہر عشقیہ مثنوی ہے لیکن اس کا انجام ناصحانہ ہے۔ عشق و محبت کی داستان ہے مگر وہ بھی کچھ بے جوڑ سی۔ عشق محکم کا سبق دیا ہے اور قصہ گھڑ لیا ہے۔ روئداد میں تصنع اور بناوٹ صاف طور سے نمایاں ہے۔ اس میں فطری پن مطلق نہیں، اس میں وہی باتیں ہیں جو ہم اس دور کی اور اس کے بعد کی مثنویوں میں دیکھتے ہیں۔ اچانک عاشق ہونا عشق سے خراب و خستہ حالی ہونا۔ رمال اور نجومیوں سے مدد چاہنا، عاشق کا صحرانوردی کرنا وغیرہ وغیرہ سب رسمی لوازم ہیں۔ بہت کم افسانے اس سے خالی ہیں۔ یہ ہماری افسانوی پیداوار کے اجزائے لاینفک ہیں۔

Marfat.com

اس رسمی التزام کے قطع نظر سودا نے مثنوی لکھنے میں بڑی استادانہ صناعی سے کام لیا ہے۔ اور عشق و محبت کے اثرات اور کیفیات بڑی ہنرمندی سے دکھائے ہیں۔ ایک سچے عاشق اور حقیقی طالب پر جو کچھ گزرتی ہے اس کے بیان کرنے میں صداقت برتی ہے۔ مبالغہ ہے لیکن ناگوار اور گراں نہیں۔ جذب عشق سے بیقرار ہو کر عاشق گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہے اور رات جس طرح کاٹتا ہے اس کا نقشہ کھینچا ہے :-

کہ یک شب پھاڑ کر اپنا گریباں
برنگ گل وہ گل روتا بہ داماں

چلا اس طرح گھر سے بے سر و پا
کہ جاتا ہوں کدھر جا کر کروں کیا

دلے وہ شب تھی ایسی تیرہ و تار
کہ ہو روز سیہ کو جس سے زنہار

عجب شب تھی بہ زیر چرخ وہ شب
بھری ہو جوں دوات اندر مرکب

چراغ و شمع کا یوں نور نایاب
سیاہی میں ہوں جیسے قطرۂ آب

ثوابت یوں فلک پر تھے سراسر
عرق کے قطرے جوں زنگی کے منھ پر

ہوئی تاریک یاں تک چشم انجم
کہ رہ کی سبعۂ سیارہ نے گم

اور ایسے وقت وہ مجنونِ دلریش
ہوا راہی نہ دیکھا کچھ پس و پیش

Marfat.com

تن تنہا وہ اور کوئی نہ تھا ساتھ
کہ ڈگتے پانو کو تھا نبے پکڑ ہاتھ

چراغ داغ دل چھٹ روشنی اور
نہ تھی پستی بلندی جس سے ہو غور

نہ تھا وہ یوسف ثانی کچھ آگاہ
کہ میرے سامنے خندق ہے یا چاہ

کسی در پہ گرے تھا کھا کے ٹھوکر
کسی دیوار سے جا لاگتا سر

گرے تھا جا بجا با جان ناشاد
فغاں گرنے میں اور اٹھتے میں فریاد

کٹے تھی اس کو ہر کوچے میں یوں رات
کھڑکتا باؤ سے پھرتا ہو جوں پات

بیاں کیا کیجیے اس رات کا طول
فلک گویا سحر کرنا گیا بھول

عاشق ہونے کا ذکر کیا ہے اور عشق کی کیفیات بیان کی ہیں :-

قضا کا کیا کہوں آگے ہیں نیرنگ
کہ مارا اس پہ ناگہ عشق نے چنگ

ہوا مائل وہ اک زرگر پسر پر
دیا آئینۂ دل اک نظر پر

بہار اس کی خزاں کرنے لگی زرد
نسیم آسا لگا بھرنے دم سرد

Marfat.com

کبھو آنکھوں میں اپنے اشک بھر لائے
کبھو ہنس کر وہ آپ ہی آپ رہ جائے

جو پوچھو کیوں ہے تیرا رنگ کاہی
کہے معقول بولے گاہ واہی

رہے وہ صبح سے تا شام بے خواب
کہ جیسے چودھویں شب کا ہو مہتاب

کہا کرتے تھے ہمدم اس کو رو رو
خدا کے واسطے تو ایک دم سو

سوئے کس کروٹ آچی پر بنی تھی
کہ ہر مو، تن پہ برچھی کی آنی تھی

نگہ کرتا تھا حیرت سے بہر سو
حباب آنکھیں تھیں گویا برلب جو

نہ فکر روزی و نا خواہش قوت
ہوا زرگر پسر کو دیکھ مبہوت

صحرا میں عاشق کی زار و زبوں حالت کا نقشہ دکھایا ہے :-

نظر آیا اُسے یوں اس کا دلبند
کہ اس میں وحشت اُس صحرا سے دو چند

دل اس کا واں نہ تھا خوف و خطر میں
وہ صحرا بلکہ تھا اس سے حذر میں

بہے تھا گرم یہ آنکھوں سے خون ناب
کہ تھا گرد اس کے اک آتش کا گرداب

Marfat.com

جمی تھی چہرے اوس کے پر زلبس گرد
کرے پاک اس کو ایسا کون تھا مرد

وہ آنکھیں جس پہ جی دیتا تھا عالم
نہ تھیں کچھ رخنۂ دیوار سے کم

پڑے تلووں میں خار دشت سے چھید
قدم تک موئے سر تھے صورت بید

ان کیفیات و اثرات کے علاوہ بعض مناظر بھی دکھائے ہیں۔ اس صحرا کا ذکر کیا ہے جس میں عاشق مجنوں وار خاک چھان رہا تھا۔

نظر آیا عجب صحرا لق و دق
کہ دیکھے سے جگر ہو شیر کا شق

عجب وہ موضعِ خوف و خطرناک
دیا ان کو دکھائی زیر افلاک

بیاباں تھا وہ ایسا وحشت انگیز
کہ وحشت جس کی تھی عالم کی خوں ریز

نہ پائے چغد کی اس سمت آواز
کرے بوم اُس طرف منھ کر نہ پرواز

کسی روئیدگی سے تھا نہ واں پات
ہزاروں طرح کی اُس جا بلیات

نظر آئیں وہ حالات عجائب
نہ دیکھا ہو کسی نے وہ غرائب

کبھو آتش سے جوں دھکے ہے جنگل
کبھو اِس طرح جوں برسے ہے بادل

Marfat.com

کہیں نظروں میں تھے واں روز و شب گم
کہیں تھے یک جگہ خورشید و انجم

گہے واں سوز تھا اور گاہ واں ساز
گہے رونے کی گہہ ہنسنے کی آواز

ہوا کا نام اوس جا تھا نہ زنہار
مگر تھی اس جگہ اژدر کی پھنکار

نظر آتا کبھو ان کو جو وہ دشت
تو جھکتے دیکھ مخدوم جہاں گشت

مثنوی مربوط و مسلسل ہے، جزئیات اور تفصیلات عمدگی سے ادا کی گئی ہیں غیر فطری اور مافوق العادت عناصر ہیں لیکن بہت کم۔ روئیداد میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ روئداد معاشقہ غیر فطری ہے۔ مرد کا مرد پر عاشق ہونا اور حقیقی بے لوث محبت کے اثرات دکھانا اور اس کا اخلاقی سبق دینا کسی طرح خالص عشقیہ داستان کا لطف نہیں دے سکتا۔ جو لطف اور جان عشقیہ داستان میں ہے وہ اخلاقی نظم میں نہیں۔ اِس کا خاتمہ بھی غیر موثر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ شاعر نے اپنی قادر الکلامی سے اس کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے لیکن زبان اور اسلوب بیان نے شاعر کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کی زبان اور بیان دونوں مثنوی کے لئے کچھ زیادہ موزوں نہیں۔ عشقیہ داستان کے خاتمے پر جو لطیف تاثرات مرتب ہوتے ہیں وہ اس سے پیدا نہیں ہوتے مثنوی کے خاتمے کو ہم آخر کے چار شعر چھوڑ کر نقل کرتے ہیں۔

ہو زنہ گر لیسر جوں اس میں موجود محبت یوں ہو تو ہو عہد معبود

Marfat.com

محبت حق کی جس میں یوں در آئی　　کرے ہے بندگی میں وہ خدائی
جو حق کے عشق میں ثابت قدم ہو　　مکاں دیر بھی اس کو حرم ہو
جو آگے اس کے ہو دیوار یا در　　نہ سمجھے حق سے خالی ہے یہ اب گھر
خدا کب عشق کو ایسے کے مانے　　جو اس کو ہر جگہ حاضر نہ جانے

اس میں طربیہ کی وہ شان کہاں جو قاری اور سامع کے دل کو متاثر کر دے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ واعظ نے اپنے وعظ کے دوران میں ضرورتاً کوئی قصہ بیان کیا اور اس سے اخلاقی یا حکیمانہ نتیجہ استنباط کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سودا کو عشقیہ مثنوی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس نے خود لکھ دیا ہے کہ مجھ سے قصہ کہانی کی توقع رکھنا خبط ہے۔

ہجویہ

مثنویوں کا دوسرا موضوع ہجو ہے۔ اس میں سودا کا رتبہ بہت بلند ہے اردو کا کوئی شاعر اس موضوع کے میدان میں سودا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس موضوع پر اس کی گیارہ مثنویاں ہیں جو زبان و بیان کی پختگی کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے سوا شاعر کے تخیل کی شوخیاں بھی جگہ جگہ جلوہ گر ہیں۔ ہم نے ہجویات کے تحت اس پر بحث کی ہے۔ وہاں اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ مثنوی ہجو نگاری کے لئے کیسا وسیع میدان ہے اور اس میں سودا نے اپنے تخیل اور زور طبع کی کیا جولانیاں دکھائی ہیں، اردو زبان میں اب تک کوئی ایسا شاعر نہیں ہوا جس نے مثنوی میں ہجو نگاری کا کمال دکھایا ہو۔

مدحیہ

بعض مثنویاں ایسی ہیں جن میں امراء و سلاطین کی مدح کی گئی ہے۔ مدح و

قدرح تو سودا کے خاص میدان ہیں۔ مدح نگاری کی جو شان قصائد میں ہے وہ ان مثنویوں میں نہیں اور نہ مثنوی کی زمین مدح کے قابل ہے۔ تاہم اپنے زور طبع سے اس میں بھی سودا نے گلفشانیاں کی ہیں۔ یہ مثنویاں کل چار ہیں۔ ایک شاہ عالم بادشاہ اور نواب آصف الدولہ کی مدح اور دعا پر مشتمل ہے۔ یہ اکیس شعر کی مثنوی ہے جو خان عالم بہادر کی فرمائش سے لکھی گئی ہے۔ اس میں ان کی بھی تعریف ہے۔ اس میں دعا اور سرسری مدح کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دوسری مثنوی مہربان خاں رند کے اشعار کی تعریف میں ہے۔ اس کے کل اکتالیس شعر ہیں۔ پہلے اشعار کی تعریف ہے اس کے بعد مہربان خاں کی سخاوت و شجاعت کی تعریف ہے۔ دعا پر خاتمہ کیا ہے۔ درمیان میں مہربان خاں کے استاد سوز کی تعریف و سفارش کی ہے۔ دیوان رند کی ظاہری شکل کی تعریف ذیل کے الفاظ میں کی ہے۔ اور دو شعروں میں اس کے حسن بیان کا بھی ذکر کیا ہے ؎

یہ سفینہ ہے رشک ! بہ بہار — ہر ورق اس میں قطعۂ گلزار
اس کے ہوتے نہ کر چمن پہ نظر — شعر اس میں ہے گل سے رنگیں تر
اس کے پٹھوں پہ جلد کی یہ بہار — در باغ بہشت کے ہیں کواڑ
صرف شیرازہ جو ہوا تیار — ہے رگ جان عاشقان زار

لعل سفتہ لب دو دہن تیرا — در شہوار ہے سخن تیرا !
تجھ دہن میں زبان سحر طراز — ناطقے کی ہے تکیہ گاہ ناز

اس مثنوی میں بھی قصیدہ کی ہلکی سی جھلک آجاتی ہے۔ تیسری مثنوی ایک کنوئیں کی تعریف میں ہے جس کو شاہ مرداں دہلی میں مومن خاں نامی کسی شخص نے تعمیر کرایا تھا[1]۔ اس میں وہ مبالغہ کیا ہے کہ مثنوی پر قصیدے کا رنگ جم گیا۔

---

[1] سرد آزاد۔

کنوئیں کے پانی کی خنکی کا ذکر ہے :۔

ڈگڈگا کر اگر کوئی پیوے ۔۔۔ تا نہ اوڑھے لحاف کب جیوے
شور شورے کا اُٹھ گیا یکبار ۔۔۔ ہوگیا سرد برف کا بازار
برف والے جہاں تلک ہیں اب ۔۔۔ گرد و پیش اُس کنوئیں کے آکر سب
کہتے ہیں ہائے چاہ مومن خاں ۔۔۔ گھر ہمارے کو کر دیا ویراں

چوتھی مثنوی آصف الدولہ کے شکار کی تعریف میں ہے۔ نواب کو شکار کا انتہائی شوق تھا۔ ایک محل ہی الگ تعمیر کرایا تھا جس میں شکار کے موقع پر جا کر قیام کرتا تھا۔ شکار کے ایک موقع پر سودا نے ۵۳ شعر کی ایک مثنوی لکھی ہے۔ جس میں مدح کا رنگ غائب ہے۔ شکار کی کیفیت، اس کے طریقے، راستے اور مناظر وغیرہ کا تفصیلی ذکر نہیں آغاز ہی ایسا کیا ہے کہ اس میں قصیدے کا رنگ جھلکتا ہے :۔

سر صفحہ پر آج یوں صبح دم ۔۔۔ لگا دست سودا میں کہنے قلم
جو اس عہد میں ہند کا ہے وزیر ۔۔۔ بہمت جواں و بہ تدبیر پیر
بدھر آصف الدولہ جس کا ہے نام ۔۔۔ سلیماں شکوہ و ذوی الاحتشام

اس کے بعد عزم شکار کا حال ہے۔ مختلف جانوروں کا ذکر ہے۔ شکار کھیلنے کا تو حال لکھا ہے لیکن تفصیلات نہیں صرف چند تعریفی الفاظ ہیں :۔

سنی جس طرف کو خبر شیر کی ۔۔۔ پہنچنے میں ہرگز نہ واں دیر کی
جو کیسا ہی وھاں شیر تھا منگرا ۔۔۔ تو کھال اس کی بھی کھینچ کر بھس بھرا
ہوئے شیر بیشوں میں اتنے شکار ۔۔۔ کہ باہر پڑے تھے ز حد بے شمار
کیا دشت و بیشہ جو شیروں سے پاک ۔۔۔ پڑی شیر کے مارنے کی یہ دھاک
رکھا نام پھر ان نے از خوف جاں ۔۔۔ کہ جس شخص کا نام تھا شیر خاں

Marfat.com

درندوں سے جب صاف جنگل کیا | تو خیمے میں تشریف فرما ہوا
رہے دیکھ حیراں صغیر و کبیر | جب آگے سے اٹھ بھاگے غالیس کے شیر
زمیں سے فلک تک جو پہنچا یہ ذکر | پڑی اپنی برج اسد کو بھی فکر

اس مثنوی میں موقع تھا کہ مناظر اور راستوں وغیرہ کی تصویریں دکھائی جائیں جانوروں کی خصوصیتیں بتائی جائیں، اسلحۂ شکار کا ذکر کیا جاتا اور نواب کے شکار کرنے کے طریقوں کو وضاحت سے بیان کیا جاتا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی باتیں تفصیل طلب تھیں۔ لیکن چونکہ شاعر کا مدعا محض تعریف تھا اس لئے وہ اس سے آگے نہیں بڑھا۔

چوتھی مثنوی مہربان خاں کی مُہر کی تعریف میں ہے جس میں خلاف معمول، بہت کم یعنی سات شعر ہیں۔

اخلاقی

ایک مثنوی ہے جو خالصتاً اخلاقی نصیحت سے تعلق رکھتی ہے۔ سوداؔ کا ایک دوست نہایت حسین تھا جس کی شادی سوء اتفاق سے ایک بدصورت عورت سے ہوگئی تھی۔ وہ تھی تو نیک سیرت اور اطاعت شعار لیکن اپنے شوہر کی نظروں میں ہرگز محبوب نہ تھی۔ شوہر اپنی شریک زندگی کی اس بدصورتی پر کڑھتا اور گھلتا تھا۔ اس غم میں چند ہی دنوں میں اپنا مشہور آفاق حسن کھو بیٹھا۔ سوداؔ سے ملاقات ہوئی وہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ حسن و زیبائی کی تباہی کا سبب پوچھا۔ اس نے اپنا دکھڑا رو دیا۔ سوداؔ نے اسے مختلف پیرایوں میں مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ اصل حسن سیرت کا ہے صورت ایک اضافی چیز ہے۔ اپنے زمانے کے ان حسینوں

Marfat.com

کا ذکر کیا جو اس دار فانی سے گزر چکے تھے اور جن کے غم نے دل میں زخم ڈال دئے تھے۔ اس کے بعد اپنے دوست کو نصیحت کی ہے کہ کسی ایسے سے دل نہ لگا جو باعث رنج و غم ہو۔ دنیا فانی ہے۔ ظاہری شکل و صورت کا کیا اعتبار۔ اس مثنوی میں بعض باتیں ضمناً بہت مفید اور کام کی ہیں۔

(۱) شادی کے بعض رسوم اور معاشرتی آداب کا ذکر آگیا ہے جو اس زمانے میں رائج تھے۔ جلوے اور آرسی مصحف کی رسموں کا ذکر کیا ہے :-

ڈومنی جلوہ لگی دینے جو نہیں — اور وہاں ماتھا سرا ٹھنکا دو ہیں
آرسی مصحف لگا جب دیکھنے — آسماں اوپر لگا تب دیکھنے

دلہن اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ کس کس سے پردہ کیا جائے :-

جس سے اب فرمائیے اس سے چھپوں
کس کے آگے ہوں میں اور کس سے چھپوں

(۲) اس زمانے کے بعض حسینوں کے نام اس میں مل جاتے ہیں جن کو سودا نے بڑی حسرت سے یاد کیا ہے۔ وہ نام یہ ہیں :-

عبدالحیٔ تاباں، سلیمان، مصری، عزیز، مالک، میر قطبی اور رگمانی۔

اس مثنوی میں سودا نے شاعرانہ صناعی اور استادانہ ہنرمندی سے کام لیا ہے اور تشبیہ و استعارہ کے پردے میں مضمون کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ شادی کے بعد اپنے دوست کے حسن و رعنائی کے بگڑ جانے اور رنگ و روغن کے اڑ جانے کا ذکر کیا ہے :-

پڑ گئی ہیں منھ کے اوپر چھائیاں — ناک پر بھی آگئی ہیں سیاہیاں
چہرہ مسّوں سے ہے سارا بد نما — رنگ منھ کا اڑ گیا جیسے ہما
چاند پر بادل کہ جیسے چھا گیا — مورچہ جوں مغربی کو کھا گیا

Marfat.com

منہ پہ سبزی اور سیاہی جم گئی		جس طرح پانی پہ کائی جم گئی
ہو گیا اک مرتبہ ہی سبز رنگ		جیسے آئینہ کو کھاجاتا ہے زنگ

آرسی مصحف دیکھنے لگا تو دلہن کی صورت نظر آئی :-

جو ہیں پڑتی ہے میری اس پر نگاہ		ہے گویا اک پارۂ ابر سیاہ
آنکھ سے آنسو چلے بے اختیار		جیسے برسے ہے کوئی ابر بہار
ابر غم کا دل کے اوپر چھا گیا		آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا
دیکھتے ہی جی گیا اپنا دہل		روح قالب سے گئی وو ہیں نکل

مثنوی کی روداد تو بہت معمولی ہے اور جو اخلاقی نصیحت کی ہے وہ بھی عام اور معمولی ہے تاہم زبان و بیان اور قوت و زور کے لحاظ سے یہ مثنوی بلند پایہ رکھتی ہے -

ادبی تنقید

اس موضوع پر صرف دو مثنویاں ہیں - پہلی ہیں مولانا روم کے ذیل کے شعر کے معانی کے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے -

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام		ہفصد وہفتاد قالب دیدہ ام

اس شعر کو اہل علم مختلف معانی پہناتے ہیں ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ سبزہ کی طرح سو بار اگا اور سات سو ستر قالب دیکھے - اس سے تو تناسخ ظاہر ہوتا ہے جو یقیناً شدید کفر ہے - مولانا روم یہ الحاد آمیز خیال کیونکر ظاہر کر سکتے تھے - اور ایک کلمہ کفر اپنی زبان سے کس طرح نکال سکتے تھے اس کے حقیقی معنی کا سمجھ میں نہ آنا شعور کا قصور رہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ مستی کا کلام ہے اور جب تک مئے عرفاں کا جام نہ پئیں یہ رمز سمجھ میں نہیں آسکتا - مولانا اس طرح کہہ جاتے ہیں - سودا نے یہ معنی بتلائے ہیں کہ اُگنے سے مدعا نشوونما ہے اور ہر جگہ خودی کرنے سے مراد فنا ہونا ہے

Marfat.com

قالب سے مراد ہر ایک کا دل ہے، چاہے نیک ہو یا بد۔ انسان ہو یا جانور ہو یا پرندہ قالب دیکھنے سے مطلب اُن کی سیر کرنی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ میں نے ہر جگہ سیر کی اور ہر ایک کے دل کو ٹٹولا سوائے خدا کی ذات کے کوئی چیز نظر نہ آئی۔

مدعا اُگنے سے ہے نشو و نما — ہر جگہ کرنا خودی سے ہو فنا
ہے غرض قالب سے دل ہر ایک کا — خلقت خالق میں بد اور نیک کا
لے کے انسانات سے تا وحش و طیر — دیکھنی قالب سے مطلب ان کی سیر
یوں کلام مولوی دے ہے خبر — یعنی میں جس دل میں دیکھا بیٹھ کر
کچھ نظر آیا نہ غیر از اس کی ذات — اس قدر پایا محیط کائنات

دوسری مثنوی سبیل ہدایت ہے جس میں تقی مرثیہ گو کے سلام اور مرثیہ پر ناقدانہ اعتراضات کئے ہیں۔ اس کا ذکر ہم نے تفصیل کے ساتھ تصانیف سودا کے باب میں کیا ہے۔

خط و کتابت

دو مثنویاں ایسی ہیں جن سے خط وکتابت کا کام لیا گیا ہے۔ ایک کسی خان صاحب کے جواب میں ہے۔ ان کے خط آنے پر جو خوشی اور مسرت ہوئی اس کا ذکر کیا ہے۔ خط کی رنگینیٔ عبارت کی تعریف کی ہے اور خان صاحب کی اس شکایت کی تردید کی ہے کہ باوجود چند خطوط لکھنے کے سودا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شروع میں جدائی اور فرقت کا دکھڑا رویا ہے۔ اس کے بعد اس شکایت کا جواب دیا ہے مثنوی میں الفاظ کا شکوہ اور صنائع بدائع کا التزام ہے۔ فرقت وجدائی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

یاد میں شب کو بیاض صبح کی — چشم اختر سے لگی ہے ٹکٹکی

Marfat.com

چشم طوفاں خیز ہے کیا اپنی آہ　　　تار مژگاں ہے رگ ابر سیاہ

یہ اٹھائیس شعر کی مثنوی ہے جس میں آداب والقاب اور خط وکتابت کے رسم وآئین کو بڑی عمدگی سے ادا کیا ہے۔

ایک اور مثنوی بطور خط ہے جس میں مکتوب الیہ کے اشعار کی تعریف ہے جو اس نے بھیجے تھے۔ اور اس شکایت کی تردید ہے کہ سودا نے خط کا جواب نہیں دیا۔ سودا نے اس کی تردید کی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ جو شخص ملنے کا مشتاق ہے اُسے نامہ وپیام سے کیا تسکین ہوگی بہتر تو یہ ہے ملنے کی سبیل کی جائے اور فراق ومجبوری کا رنج دور کیا جائے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں۔ صاف اور سیدھا خط ہے۔

فطری مناظر وکیفیات۔

فطری مناظر اور موسموں وغیرہ پر اُردو میں بہت کم نظمیں لکھی گئی ہیں۔ سودا سے قبل کے دہلوی شعرا اس موضوع سے بڑی حد تک ناآشنا تھے۔ سودا نے اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ موسم گرما پر اس کی ۸۱ شعر کی ایک مثنوی ہے۔ یہ چونکہ اس موضوع پر اولین اور ابتدائی کوششوں میں ہے اس لئے ہماری توجہ کی مستحق ہے۔ شمالی ہند کی گرمیاں مشہور ہیں۔ شاعر نے شدت گرما کو محسوس کر کے یہ نظم کہی ہے۔ اس میں ان اثرات کو دکھایا ہے جو گرمیوں کی وجہ سے مختلف چیزوں پر ہوتے ہیں۔ انسان، حیوان، نباتات وجمادات پر اس موسم میں جو گزرتی ہے اس کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ پوری نظم صنائع بدائع اور مبالغے سے آراستہ ہے۔ پہلے گرمیوں کے نقیب موسم بہار کا ذکر ہے۔ اس موسم میں شاخ گل، گلاب، دستۂ گل اور غنچہ پر جو گزرتی ہے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:-

گرم ہے یہ بہار کا موسم　　　شاخ گل پھلجھڑی سے نہیں ہے کم
یہ پٹاخا چٹکتی وقت گلاب　　　کف نرگس پہ چھٹتی ہے مہتاب

Marfat.com

دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ — اس میں ہت کھول کے سے ہیں گے ڈھنگ
غنچے کھلتے ہیں یوں ہو آتش بار — گویا پھٹتا ہے داغنے میں انار

حیوانات کے حال زار کو اس طرح دکھایا ہے ۔

مرغِ آبی چمن میں اب جو ہے — منھ کھلا ہی رکھے ہے جوں لبطے
طوطی کی گر سنے کوئی آواز — نومی گویا پڑھے ہے سوز و گداز
پانی کو بلبلیں پھریں بھٹکی — طفل غنچوں کو لگ گئی چٹکی

نسیم و صبا جیسی خوشگوار اور جانفزا ہواؤں کی تاثیر کے بدلنے کو دکھایا ہے،

ہے عرق اس سے بھی گلوں کے تئیں — گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نہیں
گرم گل کا نہیں فقط گلگوں — ہے جلو میں صبا کے سیکڑوں لوں

بادہ پرستوں کی تصویر کھینچی ہے ۔

ہے پسینے سے میخوروں کا یہ حال — باد گویا ہے آب در غربال
منھ کو ساقی کے وہ یوں دیکھیں ہیں — آگ سے جوں جلے کو سینکیں ہیں

بہار جو گرمیوں کا مقدمتہ الجیش ہے اس کا یہ رنگ ہے تو گرمیوں کی شدت کا کیا ٹھکانا ۔

ہوئے جس سال یہ بہار کا رنگ — آگئے گرمی کے کیا کہوں ہیں ڈھنگ
شفق آفتاب شام و سحر — آگ دے ہے جہان کو یکسر

ان گرمیوں میں پنکھے جھلنے سے کیا حاصل۔ اس زمانے میں دم عیسیٰ زیادہ سے زیادہ باد سموم کی تاثیر رکھتا ہے ۔

پنکھے ہاتھوں میں اور ہونکیں ہیں — رات دن کوئلے سے دھونکیں ہیں
پنکھے سے تو تسلی اب معلوم — دم عیسیٰ بھی ہو تو ہو وے سموم

شدت گرما کی یہ تاثیر ہے کہ گدائے مُبرم اپنا سوال بھول گیا ہے۔ خس خانوں

Marfat.com

میں آگ لگ گئی ہے اور انسان کو سوائے زیر زمین کہیں آرام نہیں۔

بھیک مانگے ہے شہر میں جو فقیر — دم بدم اس کی ہے یہی تقدیر
کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے — مجھ سے بے کس کی اب لگی کو بجھائے

سرد خس خانہ پوچھنا ہے خبط — آگ اور پھوس میں ہے کچھ بھی ربط
غیر تہ خانہ جائے امن نہیں — اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

اس مثنوی میں گرما کے فطری اثرات کو صحیح صحیح اور بے کم و کاست بیان نہیں کیا گیا۔ پوری نظم شاعرانہ مبالغے سے بھری ہوئی ہے۔ فطرت کی سچی تصویریں اس میں نہیں ہیں بلکہ محض شاعرانہ تخیل کی جولانیاں ہیں۔ اسی لئے فطری سادگی کی بجائے اس میں تصنع ہے۔ یہ دراصل شاعرانہ صناعی ہے جس میں الفاظ کی بندش، تشبیہ و استعارہ کا التزام اور تخیل کے اختراعات ہر چیز مکمل ہے۔ اس نظم کی بس یہی ایک خوبی ہے۔

سودا کو فطرت نگاری کے سلسلے میں گو کوئی خاص کامیابی نصیب نہیں ہوئی، لیکن اس میں اس کو تقدم ضرور حاصل ہے۔ اس نے اس کی ابتدا کی تو اس کے شاگردوں نے اس کو بہت وسعت دی۔ قائم نے موسم سرما پر ایک مثنوی لکھی جو کافی بلند معیار ہے۔ قائم کے سوا سودا کے دوسرے شاگردوں نے بھی اس قسم کی مثنویاں لکھی ہیں جن میں فطرت کی ترجمانی بڑی صحت اور عمدگی سے کی گئی ہے، یہاں ان سب کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس موضوع کو سودا نے چھیڑا اور اس کے شاگردوں نے اس میں بڑی وسعتیں پیدا کیں۔ یہ بہت بڑا کام ہے اور اسی میں سودا کو تقدم و افضلیت حاصل ہے۔

سودا کی مثنویات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اس نے اس کی طرف

Marfat.com

کوئی خاص توجہ نہیں کی لیکن پھر بھی اس کا رتبہ اس صنف میں خاص ہے۔ اس نے مثنوی کے موضوعات کو وسعت دی اور ایسے نمونے چھوڑے جن پر آنے والی نسلوں نے بڑی آزادی سے طبع آزمائی کی۔ زبان و بیان اور تخیلات کے اعتبار سے بھی سودا کی یہ مثنویاں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہے اور تخیل کی قوت ہر جگہ کارفرما ہے، خصوصاً ہجویہ مثنویوں میں جن پر تفصیلی بحث ہم نے الگ کی ہے۔ مثنوی کے اس موضوع میں سودا کا کوئی مد مقابل نہیں۔ سوائے عشقیہ مثنویوں کے کہ جن سے سودا کو کوئی رغبت نہ تھی وہ ہر حیثیت سے صنف مثنوی میں ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ بعض اساتذۂ تنقید نے جو یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کی مثنویاں پست ہیں وہ محض عشقیہ مثنوی کے متعلق صحیح ہو سکتا ہے۔ میر اور میر حسن کی مثنویوں سے سودا کی مثنویوں کا مقابلہ اہل تنقید کرتے ہیں اور اس میں اس کا مرتبہ پست بتاتے ہیں۔ سودا کی صرف ایک عشقیہ مثنوی ہے جو بادل نخواستہ کہی گئی تھی۔ ایسی حالت میں سودا کی کل مثنویوں کو پست اور ادنیٰ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس کی ہجویہ مثنویاں مثلاً ہجو پیل نرپت سنگھ، ہجو امیر دولتمند ہجو ضاحک وغیرہ کے مقابلے کی کوئی مثنوی اردو زبان میں نہیں۔ ان حالات میں اساتذۂ فن اور خصوصاً شیفتہ کی رائے کہ "مرزا از اقسام شاعری در مثنوی فکر معقول نہ داشت"، کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ یہ رائے محض عشقیہ مثنویات کے متعلق ہے جو میر و میر حسن وغیرہ کی عشقیہ مثنویوں سے متاثر ہو کر صادر کی گئی۔

Marfat.com

رُباعیات

سوداؔ کے کلیات میں تقریباً اسّی رباعیاں ملتی ہیں، جن کے موضوعات مختلف ہیں، مدح۔ ، مذہب، اخلاق، عشق و محبت، شاعرانہ فخر و تعلی اور ذاتی حالات وغیرہ پر سوداؔ نے رباعیاں لکھی ہیں۔ اس لئے اس کی رُباعی کا کوئی خاص رنگ نہیں جس طرح اس کے موضوعات مختلف ہیں اسی طرح اس کی زبان و بیان میں بھی فرق ہے۔ رُباعی نظم کی ایک اہم صنف ہے۔ اس میں وہی شاعر کامیاب ہو سکتا ہے جس کے خیالات میں پختگی اور تسلسل ہو اور جس مضمون پر وہ طبع آزمائی کرے اس میں اپنی ذاتی مستقل رائے رکھتا ہو۔ اگر وہ اس پر حاوی نہ ہو تو چار مصرعوں میں وسیع خیال و مضمون کو ادا کرنا اس کے لئے مشکل ہے۔ خیال کی پختگی کے ساتھ زبان بھی نہایت صاف ستھری اور اسلوب بیان بھی نہایت برجستہ اور شستہ و رفتہ ہونا چاہیے۔ تاکہ مضمون فوراً ذہن نشیں ہو جائے یا قلب پر اثر کرے سوداؔ کی رباعیوں میں یہ اوصاف موجود ہیں لیکن ان کا مقابلہ ہم میر انیسؔ یا دوسرے رباعی گو اساتذہ کی رباعیوں سے نہیں کر سکتے۔ میر انیسؔ وغیرہ کا یہ خاص میدان تھا اور سوداؔ کو اس سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، پھر دونوں کے زمانوں میں بہت بُعد ہے۔ میر انیسؔ کے زمانے تک زبان اپنی کئی ارتقائی منزلیں طے کر چکی تھی۔ تاہم سوداؔ کی رُباعیاں کسی طرح

Marfat.com

نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ ان میں خیال، زبان اور بیان کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ چند رباعیات ہم اس کے حالات وغیرہ کے تحت نقل کر چکے ہیں یہاں چند اور نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت علیؓ کی منقبت میں ایک رباعی کہی ہے۔

ایوان عدالت میں تمھارے یا شاہ
کیا ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
شیشہ کا جو واں طاق سے رپٹے ہے پانو
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب وہی پیرہن وہی ہو کلاہ
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر
برنگ رشتۂ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور
مفلس پہ کرم کر کے نہ ہوویں مغرور
جھکتا ہے اگر شاخ ثمر دار کا ہاتھ
پھل دے کے وہ ہیں آپ کو کھینچے ہے دور

ایک رباعی میں فخریہ اپنے کو خاقانیٔ ثانی لکھا ہے:۔

سودا بہ جہاں اپنی زبانی تو ہے
آفاق میں خاقانیٔ ثانی تو ہے

Marfat.com

ذی نطق کا ہر چند نہیں تو خالق
پر نطق کا خلّاق معانی تو ہے

ایک اور رباعی میں تعلّی کی ہے :-

سوّدا شعر میں ہے بڑائی تجھ کو
تشریف سخن عرش سے آئی تجھ کو
عالم تجھے اس فن میں پیمبر سمجھا
پوجا جہلا نے بخدائی تجھ کو

ایک رُباعی میں اپنی ہجو کا اثر بتایا ہے :-

گر ہجو میرے کہنے سے اس پر ہو نگاہ
تا یہ ہے کہے جانے مجھے خلق اللہ
سودہم تمھارا ہے میں اور آپ کی ہجو
لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ !

منہ پھیرے ہے گو دیکھ کے ہم کو عالم
قدر اس سے کچھ اپنی نہیں ہوتی ہے کم
اتنا ہے بڑا ہم کو کیا خالق نے
خلقت کی نظر میں نہیں آسکتے ہم

Marfat.com

قطعات

سودا کے قطعات، ہجو کے موضوع کو چھوڑ کر ذیل کے مضامین پر مشتمل ہیں:-
(۱) اخلاقی و ناصحانہ۔ (۲) مدحیہ۔ (۳) تاریخی۔

قطعہ کی صنف کو سودا نے بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ ان پر ہم ان کے موضوعات کے اعتبار سے بحث کریں گے۔

عام اخلاقی صداقتوں اور حقیقتوں کے متعلق سودا کے جو خیالات تھے اور جو غزل میں خوبی سے ادا نہیں ہو سکتے تھے اُن کو اُس نے قطعات میں ادا کیا ہے۔ یہ قطعات اس کی تصانیف میں مختلف حیثیتوں سے خاص درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں صوری اور معنوی خوبیاں موجود ہیں جس اخلاقی صداقت اور عام حقیقت پر اس نے زور دیا ہے اسے نہایت موزوں زبان و بیان میں پیش کیا ہے۔ ایک قطعے میں دنیائے دنی سے دل لگانے اور اس فانی عالم کی محبت میں غلو کرنے کو نامردی اور کمزوری سے تعبیر کیا ہے اور اس کو شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:-

گئے یاں سے وہ محبوبانِ رعنا
گل نورستہ آگے جن کے تھا گرد

Marfat.com

لگا مت دل کو بلبل اس چمن سے
نظر جو آج سبز آوے تو کل زرد

لگی ہے اس کی دیواروں میں جو خشت
حقیقت کی ہے وہ ہر ایک کی فرد

لب جو پر سے جس کی کھلتی ہے آنکھ
حباب اُٹھ جائے ہے بھر کر دم سرد

تماشے سے غرض اس بے وفا کے
جنھوں نے موند لیں آنکھیں وہ ہیں مرد

غیبت اور بُرائی کی مذمت ایک قطعہ میں کی ہے۔ اور ایک شخص کی اس شکایت پر کہ دنیا میں لوگ منافق اور حاسد، خود غرض اور بے مروت ہو گئے ہیں، یہ نصیحت کی ہے:۔

یہ سن کے اس سے کہا مسکرا کے سودا نے
شکایت اتنی کسو کی کوئی بیاں نہ کرے

بھلے برے کے تجھے امتحاں سے ہے کیا کام
یہ شکر کر کہ کوئی تجھ کو امتحاں نہ کرے

کئی قطعے امرا و سلاطین کی تعریف وغیرہ میں مختلف تقریبوں سے کہے گئے ہیں ان میں بعض تہنیت اور مبارکباد کے مضمون پر مشتمل ہیں اور بعض مدحیہ ہیں۔ سودا چونکہ اکثر امیروں سے متوسلانہ تعلق رکھتا تھا اس لئے اس کو مختلف تقریبوں سے کچھ نہ کچھ کہنا پڑتا تھا۔ عالمگیر ثانی، عماد الملک، مہربان خاں، احمد خاں بنگش، شجاع الدولہ، آصف الدولہ اور حسن رضا خاں وغیرہ ایسے مقتدر سرپرست تھے جن سے سودا کو توسل تھا۔ ان کی خدمت میں عیدین کی تقریب سے، مسند نشینی کے

Marfat.com

موقع پر۔ صحت یابی کے وقت اور دوسرے مناسب مواقع پر سوداؔ نے قطعات کہہ کر پیش کئے ہیں۔ ان قطعات میں کوئی خاص ادبی وشعری جوہر نہیں لیکن استادی اور کہنہ مشقی کے آثار ہر قطعے میں پائے جاتے ہیں۔ آصف الدولہ کی مسند نشینی اور وزارت پر مبارکباد دی ہے:۔

تدبیر شہنشاہی و تقدیر الٰہی
باہم یہ تجھے دیکھ کے پڑھ کر فتبارک
تدبیر لگی کہنے کہ ہے باب وزارت
تقدیر اٹھی بول کہ بسیار مبارک

اکثر قطعوں میں قصیدے کا رنگ پیدا ہوگیا ہے حالانکہ ان کا مُدعا خالصتاً مدح وستائش نہیں۔ حسن رضا خاں کو عید الضحےٰ کی مبارکباد دی ہے دو شعر نقل کرتا ہوں:۔

رہے جہان میں جب تک کہ رسم قربانی
ہمیشہ تا کہ بجا لادیں حج و عمرہ عباد
ترا حریم سعادت ہو خالق کا مسجود
رہے یہ خانۂ دولت زمانے میں آباد

اِن تہنیتی قطعوں کے علاوہ بعض محض تعریف و توصیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ عالم کی خدمت میں عید کے موقع پر تہنیت پیش کی ہے جس میں قصیدے کی پوری شان ہے:۔

نوید زیر فلک یوں ہوئی ہے شہرۂ عام
ہلال عید سے کہہ کر گیا ہے ماہ صیام
دہل بجا کے منادی کا دے الغول کو خبر
جہاں کے بیچ یہ مشہور رہے جنوں کا نام

Marfat.com

نشاط و جشن و طرب ، خرمی دامن داماں
خوشی و خوش دلی و عیش و عشرت و آرام

صباح عید یہ حاضر ہے تہنیت کے لئے
اُس آستاں پہ کہ ہے گا وہ سجدہ گاہ انام

شجاع الدولہ کی تعریف میں لکھا ہے :-

یہ روز عید ہے آفاق میں ہے رسم قدیم
موالی چاہیئے مولا کو نذر دیں زر و سیم

بقدر رتبے کے حاضر ہوئے ہیں لے کر نذر
جو تیرے دامن دولت کے سایہ میں ہیں مقیم

کوئی تو لعل لے آیا ہے اور کوئی یاقوت
سخن وہ نذر کیا میں کہ بہ زدر یتیم

تاریخی قطعات میں چند قطعے اس لئے اہم ہیں کہ ان سے بعض تاریخی واقعات کی صحیح اطلاع ملتی ہے۔ ان میں ایک تو فتح شجاع الدولہ کا مشہور تاریخی قطعہ ہے۔ اس کے علاوہ آصف الدولہ کے لڑکوں کی ولادتوں کی تاریخیں اور نواب مہربان خاں کی شادی کی تاریخ بھی قابل ذکر ہے۔ باغ ٹکیت رائے ، چاہ آصف الدولہ ، مسجد آصف الدولہ اور مسجد مولوی فضل عظیم کے تاریخی قطعات بھی اچھے خاصے ہیں۔ یہ تاریخیں نہایت برجستہ اور اصول تاریخ گوئی کے مطابق ہیں۔ مہربان خاں کی شادی کی تاریخ کہی ہے۔ آخری دو شعر نقل کرتا ہوں ؂

جب اس شادی کو اس شاعر نے دیکھا
جہاں میں وہ جو ہے رشک انوری کا

Marfat.com

کہی اے مہرباں صاحب یہ تاریخ
ہوا ہے وصل ماہ و مشتری کا

فتح شجاع الدولہ کے تاریخی قطعے کے آخری دو شعر ہیں :۔

غرض اس فتح و فیروزی سے جس دم
ہوا دل دوستوں کا خرم و شاد
تو میں ہاتف سے پوچھا سال تاریخ
وہ بولا ہے یہ فتح تو خدا داد

Marfat.com

ہجویات

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ سودا کی طبیعت میں شوخی و ظرافت فطرتاً واقع ہوئی تھی۔ اس کے آثار جا بجا اس کی زندگی کی ہر منزل میں پائے جاتے ہیں۔ شوخی و زندہ دلی اس کی طبیعت میں اس درجہ تھی کہ جہاں کہیں موقع ملتا وہ بے اختیار ظریفانہ انداز میں اپنے خیال کا اظہار کر دیتا اور کہیں نہ چوکتا۔ یہ افتاد طبع شاعروں کو اکثر ہزل کی طرف مائل کر دیتی تھی۔ نظم کی وہی ایک قسم تھی جس کے میدان میں ہمارے ظریف مزاج شعرا بے تکان اور نہایت آزادی سے جولانیاں دکھاتے تھے۔ اس میں پاکیزہ اور لطیف مزاج کا عنصر اتفاق ہی سے رہ جائے تو وہ رہ جائے ورنہ وہ فحش اور تمسخر کا دفتر کھل جاتا ہے کہ شرم سے پڑھنے والا آنکھیں اور سننے والا کان بند کر لے۔ ہزل نام ہی تھا فحش اور تمسخر کا نظم کی اس قسم کو کسی دوسرے موضوع سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہزل گوئی کے رسمی جکڑ بندیوں اور ماحول نے ہمارے ظریف طبع اور خوش مزاج شاعروں کے دل و دماغ کی شگفتگی و لطافت کو گندگی و کثافت سے بدل دیا اور اس طرح ادبیات کو زندہ دلی و تازہ خیالی کے جوہر سے محروم کر دیا۔

سودا کی طبیعت کا یہ نمایاں وصف ہے کہ اس نے ہزل کے تنگ کوچے

Marfat.com

میں قدم نہیں رکھا بلکہ اپنے لئے ہجو کا وسیع میدان تجویز کیا۔ یہ رسمًا یا خوش طبعی یا دل بہلانے کی خاطر نہیں بلکہ ضرورتًا۔ اس نے اپنا دل بہلانے یا لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ہجو نہیں کہی ہے۔ اُس کی ہجو گوئی کے بس دو ہی محرکات تھے۔ یا تو وہ کسی سے ناراض اور خفا ہو یا پھر کوئی ایسا واقعہ نظر سے گزرے جو خود موجبِ تضحیک ہو۔ ہجو اس کے دل سے نکلتی تھی جس میں تصنع کو کوئی دخل نہ تھا۔ یہ بھی اس کے کردار کا ایک وصف ہے۔ وہ کبھی ایسی چیز یا واقعہ کو دیکھ کر چپ نہیں رہ سکتا تھا۔ جو خود تضحیک کا باعث ہو یا کوئی امر اس کے ناگوارِ خاطر ہو، وہ ضبط و صبر سے اس باب میں زیادہ کام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ فورًا ناگواریٔ خاطر کا انتقام اور شخصِ مضحک کی سرزنش ہجو سے کرتا تھا۔ یہ ایک طاقتور حربہ اس کے پاس تھا جس کے استعمال کی فطری صلاحیت اس میں تھی۔ اس نے ہر صنف نظم کو اپنی ہجو گوئی کا ذریعہ بنایا۔ نظم کی کوئی صنف ایسی نہیں کہ جس میں اس کا ہجویہ کلام موجود نہ ہو۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، مثلث، مخمس، مسدس، ترجیع بند غرض کوئی صنف ایسی نہیں کہ جس میں اس نے ہجو سے کام نہ لیا ہو۔

جب ہم اس کے ہجویہ کلام پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ اسباب و محرکات صاف نظر آتے ہیں جو اس کی ناخوشی و ناراضگی کا باعث ہیں۔ یہ محرکات تین قسم کے ہیں۔ (۱) سوسائٹی کی معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں۔ (۲) سیاسی اور حکومت کی بے عنوانیاں اور خامیاں (۳) افراد و اشخاص کی بیہودگیاں۔ وہ کنجوس اور حریص کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ کنجوسی اور حرص اس کی نظروں میں اخلاقی بیماریاں تھیں۔ اسی طرح تکبر اور بے جا تفاخر سے وہ متنفر تھا اور کسی متکبر کو دیکھ کر اس کا دل خاموش نہیں رہتا تھا۔ ظلم و تعدی اور استبداد و ایذارسانی

Marfat.com

کا وہ پکا دشمن تھا۔ ظالم و ایذا رساں پر اس کا دل ہمیشہ پیچ و تاب کھاتا۔ ریاکار و منافق کی حرکتیں ہمیشہ اس کے دل میں کھٹکتی تھیں نا اہل اور کمزور شخص کو وہ با اختیار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کسی نالائق و نا اہل بادشاہ یا امیر کی انتظامی خرابیوں کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایسے اسباب ہیں کہ جن پر ایک نیک دل اور شریف انسان کا دل ضرور کڑھتا ہے۔ با اختیار اور صاحبِ اقتدار لوگ تو اس کے ازالہ کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن جہاں کسی کو اختیار نہ ہو اور اس کا دل کڑھتا ہو تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ عیوب کی پردہ دری کر کے اپنے دل کا بخار نکالے۔ سوداؔ نے اپنی ناخوشی اور ناراضگی کا انتقام بس اپنے قلم سے لیا اور جہاں کہیں اس کو ایسے واقعات و حالات سے دوچار ہونا پڑا اس نے اپنے قلم کو ہجو کے میدان میں دوڑایا۔ اس حد تک وہ اپنی ہجوگوئی کے باب میں حق بجانب ہے۔ لیکن کہیں کہیں اس نے ایسے مواقع پر بھی رکیک ہجو سے کام لیا ہے جہاں خاموش ہونا چاہیئے تھا۔ یہ مواقع اس وقت پیش آئے ہیں جب کوئی مذہبی اختلاف پیدا ہو گیا یا کوئی ذاتی اور معمولی سبب رنجش کا رونما ہو گیا۔ اسی لئے غالباً باقرؔ آگاہ نے لکھا ہے :-

"ہجوہائے رکیک سے آشنا اور انداز تدین و تمکین سے بیگانہ تھا۔"

اب ہم سودا کے ہجویہ کلام پر اس اعتبار سے نظر ڈالتے ہیں کہ وہ ہجو سے کام لینے میں کس حد تک حق بجانب تھا اور کس حد تک اس نے اس باب میں زیادتی برتی ؟ اس کے بعد ہم اس کے ہجویہ کلام کی اہمیت اور حیثیت پر نظر ڈالیں گے۔

سوداؔ کی ہجوگوئی کے دو پہلو ہیں۔ اس نے کہیں کہیں لطیف مزاح سے کام لیا ہے۔ کمزوری، کوتاہی، برائی اور بدی کو ظریفانہ انداز میں عریاں تو کیا ہے

Marfat.com

لیکن مطمح نظر ہمدردی اور اصلاح ہے۔ طیش میں آکر عام ذمائم پر غم و غصہ اور ناراضگی و بیزاری کا اظہار نہیں کیا بلکہ باسلوب لطیف ان خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن کئی ہجو یہ نظمیں ایسی ہیں جن میں لعن طعن، طنز و تشنیع اور سب و شتم سے کام لیا ہے۔ پہلے ہم آخرالذکر انداز ہجوگوئی سے بحث کریں گے۔

اس قسم کی نظموں میں سب سے پہلے ہماری نظر اس قصیدے پر پڑتی ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہجو میں کہا گیا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے:۔

کروں چمن میں اگر جا کے میں غزل خوانی
تو بلبلیں ہوں میرے پیچھے کی دیوانی

کلیات سودا کے متعدد قلمی نسخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کی ہجو ہے۔ اب تک کسی تذکرہ نگار نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ متداول و مروجہ نسخوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ شاہ صاحب کو یہ الزام دیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیف "ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفا یا قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" میں معاویہ کو خلیفۂ پنجم لکھا ہے۔ ہماری نظر سے یہ کتابیں گزر چکی ہیں ان میں کہیں یہ بات درج نہیں۔ اور نہ کوئی ایسی بات لکھی ہے کہ جس سے معاویہ کی حمایت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ چنانچہ خود مصنف نے اپنی کتاب کی جو وجہ تالیف بتائی ہے اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے لیکن سودا اس بے بنیاد الزام پر اس قدر برہم ہوا کہ ایک طویل قصیدہ ہجو میں لکھ مارا۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ کوئی مذہبی عالم اور مجتہد نہ تھا کہ شاہ صاحب جیسی شخصیت کے منہ آئے۔ لیکن محض مذہبی جوشِ جنوں میں شاعرانہ یاوہ گوئی سے کام لے کر اس قدر فحش بکا ہے کہ پڑھنے سے شرم آتی ہے۔ اس قسم کی ہجو سے کوئی شریف انسان خوش نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقتاً سودا کی زیادتی ہے۔ اس قسم کا کلام بجائے

Marfat.com

خوشی وانبساط بخشنے کے دلوں کو مکدر ومنغض کر دیتا ہے ۔ یہ اپنے موضوع و مضمون کے اعتبار سے نظر انداز کر دینے کے قابل ہے ۔ زمانے نے خود اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ ہرزہ سرائی شاہ صاحب کی شان میں ہے ۔ ایک قصیدہ مولوی ساجد کی ہجو میں ہے ۔ جس کا مطلع ہے :۔

سنا ہے میں یہ کسی نے بمدعائے فساد   کہا یہ مولوی ساجد سے جا کے شاہ آباد

اس کی بنیاد بھی مذہبی اختلاف پر ہے ۔ اس قصیدے کے خاتمے پر جو فارسی مطلع لکھا ہے اُس سے صاف مذہبی تعصب نمایاں ہے :۔

مکن تو لعن بہ شمر و یزید و ابن زیاد   بگو بہ مولوی ساجد مدام لعنت باد

ایک اور قصیدہ مولوی ساجد متوطن کھٹر کی ہجو میں لکھا ہے جس کا مطلع ہے :۔

ساجدا کیوں نہ یہ پرواز کرے تا بفلک
پہنچی پشتنین سے یوں نطفہ کی حلت جس تک

اس میں مولوی ساجد کی خاندانی عصمت وعفت کی خرابی دکھائی گئی ہے اور اس اخلاقی برائی کے جو خیالی امکانات ہو سکتے ہیں ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور بڑے شرمناک اور حیا سوز خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ سودا کا مذہبی جوش اس پر بھی دھیما نہیں ہوا ۔ ایک رباعی میں اس کو لعن طعن کی اور لکھا کہ چیل ، کوا ، گلہری ، مینڈک ، چھپکلی وغیرہ اس کی خوراک ہے ۔ مذہبی اختلاف کی جھلک دو اور نظموں میں بھی نظر آتی ہے ۔ ایک تو مخمس در ہجو ہاتف علی ہے جس نے حکیم آفتاب کی ہجو لکھی تھی ۔ اس پر یہ اعتراض ہے اس نے سادات کی ہجو کہی ہے دوسرا مخمس قوم کشمیری کی ہجو میں ہے جس کو یہ الزام دیا گیا کہ یہ قوم حضرت علی سے بظاہر محبت رکھتی ہے لیکن درپردہ اہل بیت کی دشمن ہے ۔

Marfat.com

بعض اوقات سودا نے بڑا غضب کیا کہ جن لوگوں کی ہجو کی ہے ان کے ساتھ ان کی بہو بیٹیوں اور بیویوں تک کی ہجو کہہ ڈالی اور وہ بھی ایسی فحش کہ سننا اور پڑھنا ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ مخمس در ہجو اہلیۂ ضاحک اور مسدس در ہجو دختر مولوی ندرت کشمیری اس کی مثالیں ہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں سودا نے ضبط و تمکیں کو ہاتھ سے دے دیا اور بے قابو ہوکر فحش اور رکیک ہجویں کہی ہیں۔ یہ رکیک و فحش ہونے کے سوا بے جا و بے محل بھی ہیں۔ یہ شاعر کی طبیعت کی کمزوری ہے۔

اس قسم کی ہجویات کے قطع نظر سودا کے کلام میں ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں وہ حق بجانب ہے اور اپنے زمانے کا فطری اور حقیقی ترجمان۔ سلطنت مغلیہ کی ابتری، انتظامی خرابی، اور امرا کی سازشوں اور بادشاہ وقت کی نااہلی کی پردہ دری نہایت جرأت سے کی ہے۔ اس قسم کی نظموں میں ہماری نظر سب سے پہلے قصیدۂ تضحیک روزگار پر پڑتی ہے جس میں بادشاہی فوجی نظام کی ابتری و خرابی کو بڑی عمدگی سے بے نقاب کیا ہے۔ ایک مثنوی ہے جس میں شیدی فولاد خاں کوتوال شہر دہلی کی ہجو ہے۔ اس میں شہر کے بندوبست کی بدامنی، عمال کی رشوت خواری، چوری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری کا ذکر ہے۔ اس قسم کی نظموں میں قصیدۂ شہر آشوب بھی خاص طور سے اہم ہے، جس میں دہلی کے باشندوں اور ان کے عام معاشرتی و مالی حالات کی سچی تصویریں ہیں۔ امرا، علما، شعرا، اطبا، اہل حرفہ، تجار وغیرہ کی جو ناگفتہ بہ حالت تھی اور جس کس مپرسی اور بے روزگاری کی نازک گھڑیاں ان مختلف طبقوں پر گزر رہی تھیں، اور دہلی کے باشندوں پر جو افلاس اور نحوست چھائی ہوئی تھی، اور جس دور ابتلا میں وہ گزار رہے تھے۔ ان سب کا نہایت سچا بیان اس قصیدے میں ملتا ہے۔ اس بے روزگاری، کس مپرسی اور افلاس و نحوست کا ذمہ دار در پردہ اعیان حکومت اور والیٔ ملک کی نااہلی کو قرار

Marfat.com

دیا گیا ہے اور پردے ہی پردے میں ان کی ہجو کہی ہے۔ ایک اور مخمس شہر آشوب ہے اس میں بھی بے روزگاری کا رونا ہے اور بادشاہ وقت اور امرائے سلطنت کی نالائقیوں کا علانیہ بیان ہے۔ ایک قطعہ "پہرہ" پر لکھا ہے جس میں اس مصیبت و تکلیف کا بیان ہے جو روزگار نے مختلف فرقوں پر عائد کی ہے اور جس میں اچھے برے سب گرفتار ہیں۔ دربار اودھ کے ایک عامل (خیر آباد) کی ہجو میں بھی ایک قطعہ ہے جس نے سرکاری احکام کی کوئی پروا نہ کی اور سوداؔ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ ایک اور قطعہ ہے جس میں بادشاہ و وزیر کے بے جا عزل و نصب کا ذکر ہے۔ خاتمہ پر لکھا ہے :-

خان خاناں کے بیل سے لے کر
شتر کے بچے کو قلمداں دے

ان نظموں کی تفصیلات سے ہم کسی اور جگہ بحث کریں گے۔ یہ وہ نظمیں ہیں جن میں حکومت کی کمزوری کا ذکر ہے۔ اب ہم ان نظموں سے بحث کرتے ہیں جن کا تعلق ان ذمائم اخلاق سے ہے جن کو زمانہ نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس قسم کی نظموں میں سب سے پہلے ایک مثنوی پر ہماری نظر پڑتی ہے جو ایک بخیل دولتمند کی ہجو میں کہی گئی ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور   جس سے روشن ہے آسماں کا تنور

اس میں بخیل کی نفسیات پر بڑے ظریفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے اور بخل کے مرض سے انسان میں جو اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا ذکر نہایت استادانہ طریقہ سے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ ایک مسدس ایک اور بخیل کی ہجو میں ہے۔ اس کے صرف دو بند ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔ اس کا مطلع ہے۔

وہ ہے سب بخیلوں کا جو افتخار   کہا میں یہ اس سے سن اے نو جمار

Marfat.com

بخل کے ساتھ بسیار خوری کی بھی مذمت ایک مثنوی میں کی ہے۔ یہ میر ضاحک کی ہجو ہے۔ اس میں بھی قوت متخیلہ سے کام لے کر پیٹو پن کی مذمت کے نئے نئے پہلو نکالے ہیں۔ اس کا مطلع ہے:۔

ہے عجیب و غریب زیر سما　　　اک یہاں صورت آشنا اپنا

ایک اور مخمس ہے جس میں ضاحک کی ہجو کہی ہے۔ یہ وہی ہجو ہے جس کی بنا پر ضاحک اور سکندر دست گریباں ہو گئے تھے۔ گو یہ محض تفنن طبع کے لئے کہی گئی تھی لیکن سودا نے اس میں بھی ضاحک کی ہجو کے پردے میں اخلاقی خرابیوں کا مضحکہ اُڑایا ہے اور ایک مثنوی مرزا فیضو چیک کی ہجو میں ہے جس کو چڑی مار بتلایا گیا ہے اور اس روزگار سے اس کو جو انتہائی شغف تھا اس کا مضحکہ اُڑایا ہے۔

حسّاد اور متکبرین کا بھی سودا نے جگہ جگہ مضحکہ اُڑایا ہے۔ اس قسم کی نظموں میں فدوی کی ہجویں ہیں جو پنجابی شاعر اور نسل کا بقال تھا، اور سودا سے فنی رقابت اور حسد رکھتا تھا۔ یہ ایک برخود غلط اور عامیانہ وضع آدمی تھا، مشاعرں میں اکثر کھڑے کھڑے غزل پڑھتا اور چلا جاتا تھا۔ ٹانڈے سے فرخ آباد سودا کے ساتھ مقابلہ و مجادلہ کرنے کے لئے آیا تھا لیکن سودا اور اس کے شاگردوں نے اس کی ایسی ہجویں لکھیں کہ ذلت اُٹھا کر بھاگ نکلا۔ اس کی ہجویں سب سے پہلے پانچ شعر کی ایک نظم ہے جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

شاعر ہوا ہے فدوی کیا شاعروں کا تلا　　　مادہ وزن تخلص یاروں کا مسخرا

ایک ترجیع بند بھی اس کی ہجو میں ہے جس کا ذکر ہم الحاقی کلام کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ ایک مخمس بھی اسی موضوع سے متعلق ہے جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:۔

جہاں میں کون بنا تا ہے الو بنیے کا　　　کسی سے بن کوئی آتا ہے الو بنیے کا

Marfat.com

مولوی ندرت کشمیری کی ہجویں بھی اسی قسم کی نظموں سے تعلق رکھتی ہیں۔ سودا سے ان کو پرخاش تھی اور انھوں نے فارسی میں اس کی ہجویں بھی لکھی تھیں۔ ایک ہجو کے مصرعوں کو تضمین کر کے سودا نے خود ان کی ہجو لکھ دی۔ پہلا بند خان آرزو کا ہے بقیہ مخمس سودا کا ہے :-

شعر ناموزوں سے تو بہتر ہے کہنا ریختہ
کب کہا میں، نقل کر مضموں کسی کا ریختہ

مولوی ندرت کی ہجو میں ایک اور مخمس ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

مولوی جی سے اب کوئی جا کے مرا پیام دو
کن نے کہا کہ یہ غزل پڑھنے کو اذن عام دو

ایک رباعی ہے جس میں لکھا ہے کہ ندرت کو شعر موزوں کرنا نہیں آتا اور اس پر لوگوں کی ہجو کرتا پھرتا ہے یہ بھی ایک ندرت ہے۔

ناصر مکیں کی ہجویں بھی اسی قبیل کی ہیں۔ یہ اصل میں کشمیری تھے۔ فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ لیکن انتہا درجے کے بد دماغ اور نازک مزاج۔ اچھے اچھے اساتذۂ فن اور مجتہدین سخن پر نہایت حقارت اور بے باکی سے حرف گیری کرتے تھے۔ سودا سے ان کی چشمک تھی جس کا ذکر رسالۂ عبرت الغافلین کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اُن کی بد دماغی اور تکبر نے سودا کو ہجو کہنے پر مجبور کیا۔ ان کے حق میں سودا نے تین چار نظمیں کہی ہیں جن میں کوئی خاص خوبی مضامین اور زبان و بیان کے اعتبار سے نہیں۔

انیس بند کا ایک مخمس شیخ علی حزیں کی ہجو میں لکھا ہے[1]۔ یہ بزرگ کسی ہندوستانی اہل کمال کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بلکہ ہندوستان کی ہر شے کو

---

[1] چمنستان شعرا۔

Marfat.com

بنظرِ حقارت دیکھتے تھے۔

ایک مثنوی بطور ساقی نامہ لکھی ہے جس میں اپنے شاگرد قیام الدین قائم کی ہجو کی ہے۔ جس نے یہ گستاخی کی کہ اپنے استاد کے ایک شعر پر اعتراض کیا اور شاعرانہ کمال کی ترنگ میں اس کی اہمیت اور شخصیت کو نظر انداز کر دیا۔ سودا نے اس پر برہم ہو کر ہجو کہی ہے اور اس کی شاعری کا بھرم کھول دیا ہے۔ جس پر قائم نے گھبرا کے معافی مانگی۔ سودا نے درگزر کر کے قائم کا نام نکال دیا اور اس کی جگہ فوقی کا فرضی نام لکھ دیا۔ بعض قلمی نسخوں میں قائم کا نام موجود ہے۔

ایک اور قطعہ ہے جس میں بے ہنر نکتہ چینوں اور نا اہل حرف گیروں کی مذمت کی ہے جس کا پہلا شعر ہے:۔

بوقتِ صبح مری بلبلِ طبیعت سے ہر ایک مرغ چمن آن کر لگا کہنے

بعض اوقات سودا نے کم سواد اور جھوٹے مدعیانِ فن کمال کا بھی خاکہ اڑایا ہے۔ ان میں ایک مشہور مرثیہ گو اور خوشنویس کاتب میر محمد المتخلص بہ تقی ہیں جن کو اب غلطی سے میر تقی میر سمجھا جاتا ہے۔ تقی ایک خوشنویس اور مرثیہ گو شاعر تھے[1]۔ سودا نے ان کی مرثیہ گوئی پر تنقید لکھی ہے اور ایک الگ قطعے میں ان کی خوشنویسی کا بھانڈا پھوڑا ہے:۔

ایک مشفق کے گھر گیا تھا میں سنو ٹک نقل یہ عجائب ہے

اس قسم کی نظموں میں سب سے زیادہ اہم حکیم غوث کی ہجو ہے۔ اس میں سودا نے اپنی قوتِ متخیلہ سے کام لے کر ایک طبیب کی ہجو کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ ایک غزل میاں حسرت عطار کی ہجو میں ہے۔ وہ بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔ اس کا مطلع ہے:۔

---

[1] میر حسن، اسپرنگر۔

Marfat.com

بھدا نہ کا آندھی سے اُڑا ڈھیر ہوا پر ہر مرغ اسے کھا کے ہوا سیر ہوا پر

مختلف فرقوں کی معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کا ذکر بھی سودا نے کیا ہے اور ان کی بڑی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اس قبیل کی نظموں میں سب سے زیادہ جاذبِ نظر ایک مخمس ہے جس میں حلت غراب کا ذکر ہے۔ مذہبی عالموں کے ادنیٰ ادنیٰ منافشوں اور ان کے اثرات کا خاکہ بڑی عمدگی سے اڑایا ہے۔ اس سے بعض علما کی تنگ نظری اور اخلاقی و معاشرتی کوتاہیوں کا حال بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اور اس قسم کے مذہبی مناظروں اور مباحثوں میں اُجڈ لشکری اور اس قسم کے جاہل افراد جس سرگرمی اور جوش و خروش سے کام کرتے ہیں ان کی نفسیات کو بھی کھول کر دکھایا ہے۔ اس قسم کے ہنگاموں کی بنیاد دراصل بے روزگاری کو قرار دیا ہے۔ بے روزگاری کے زمانے میں لوگ نئے نئے شگوفے اور شاخسانے نکالتے ہیں اور چونکہ کام کاج، کاروبار اور فرائض کے بار سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے عجیب و غریب فتنے جگاتے ہیں جن کے واقع ہونے کا سان و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس مخمس کا پہلا بند یہ ہے :-

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے
کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امر دینی میں کرنا محال ہے
جو فقہ داں ہیں سب کا یہ ان سے سوال ہے
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

ایک مثنوی لکڑی بازی کے ایک شوقین لڑکے کی ہجو میں ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح لڑکے ماں باپ سے ضد کرتے ہیں اور کشتی اور پٹہ بازی کے اکھاڑوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اصل کردار اکھاڑے کے پختہ کار

Marfat.com

استاد کا ہے ایسے نوعمر لڑکوں کی خاطر اکھاڑا قائم کرتا ہے اور اس کو اپنی ہوا و ہوس کے پورا کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ مثنوی میں بعض مقامات بہت فحش ہیں، لیکن اس سے اس قسم کے اکھاڑوں اور ان کے بانیوں کے اخلاقی امراض کا حال کھل جاتا ہے۔

بزدلی اور کم ہمتی کی مذمت میں بعض نظمیں ملتی ہیں۔ ایک قطعہ ضابطہ خاں کی شکست کے حال میں لکھا ہے کہ کس طرح اس بہادری اور دلیری کے دعویدار نے پست ہوصلگی و دوں ہمتی سے شکست کی ذلت اٹھائی۔ اسی قسم کا ایک اور قطعہ ہے جس کا پہلا شعر ہے :-

جس بزرگی سے وہ گئے یاں سے ماجرا اس کا مجھ سے مت پوچھو

سودا نے بعض ہجویات میں اپنے اصلاحی خیالات بھی پیش کئے ہیں، خصوصاً ادبیات اور شعر و سخن کی نسبت جو تباہ کن مسالک تھے ان کی بڑی مذمت کی ہے۔ اس قسم کی نظموں میں وہ قطعہ ہے جو مرزا مظہر جان جاں کے ریختہ کی ہجو میں لکھا ہے اور جس میں غیر مانوس فارسیت کے عنصر کی ریختہ میں آمیزش کرنے کا مضحکہ اڑایا ہے۔ ایک اور رباعی میں اسی خیال کو ظاہر کیا ہے :-

اس ریختے کو فارسی میں گو کیجے یا فارسی سے ریختہ اس کو کیجے
مضمون کثافت سے بر ودت کے ساتھ خرقہ تو نہیں یہ جسے سنگ شو کیجے

ایک مخمس ہے جس میں ایہام گوئی کی مذمت کی ہے۔ اس صنعت کے التزام میں شاعر کو جو کھکیڑ اٹھانی پڑتی ہے اس کا خاکہ اڑایا ہے

کامل فن سخن کہتے ہیں اس کو اکمل
پرورش لفظ کی منظور ہو جس کو اول

سودا نے بعض جانوروں کی بھی ہجویں لکھی ہیں جن میں راجا نرپت سنگھ کے

Marfat.com

ہاتھی کی ہجو مشہور ہے ۔ یہ ایک مثنوی ہے ۔ ایک قطعہ مرغ سبزداری کی ہجو میں بھی ہے اس کے کل دو شعر ملتے ہیں جو کسی لحاظ سے اہم نہیں ۔

بعض نظمیں ایسی ہجووں پر مشتمل ہیں جن کے محرکات غیر معمولی عجیب اور مضحک واقعات ہیں ۔ اس قبیل کی نظموں میں ایک قطعۂ تاریخ ہے جو شیخ سبغت اللہ کی کدخدائی کے موقع پر کہا گیا ہے ۔ یہ حضرت کسی طرح بھی بیاہ کے لائق نہ تھے ۔ دلہن ان کے سن و سال اور صورت و شکل سے بیزار تھی ۔ وہ ان کو بھائی کہتی تھی، اور یہ اُسے بوا کہنے کے لائق تھے ۔ اس قسم کی نظموں میں ایک شیخ جی کی ہجو بھی مشہور ہے ۔ یہ ایک مخمس ہے جس میں ایک بڈھے کھوسٹ کا جوان سال لڑکی سے شادی کرنے کا حال ہے ۔ ایک اور مخمس بھی اسی مضمون سے متعلق ہے ۔ سودا نے بعض نظموں میں مضحکہ خیز عادتوں اور انوکھی چال ڈھال اور وضع قطع کی بھی ہنسی اُڑائی ہے اور بعض نظمیں ایسی ہیں جن کی بنیاد معاصرانہ چشمک پر ہے ۔ ان میں درد، میر اور مظہر کی شاعری پر اعتراضات ہیں ۔ دو قطعے میر تقی کے اُس قطعے کے جواب میں ہیں جس میں سودا کی سگ پروری پر اعتراض کیا گیا تھا ۔

سودا کی ہجویات کے اِس جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتفاقی نہیں بلکہ ضرورتاً کہی گئی ہیں ۔ ہجو کی تعریف اس نظم پر صادق نہیں آتی جو ہجو کی نیت سے نہ کہی جائے ۔ سودا کی ہر ہجو کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ مضحکہ اُڑایا جائے اور طنز و طعن سے مخالفین کی خبر لی جائے ۔ سودا کی ہجویات کے متعلق بالکل شبہ باقی نہیں رہتا کہ اُن کا شمار اِس صنف نظم میں ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ ہمارا موجودہ مذاق اُس کی بعض ہجویات کو آج ہجو کی تعریف سے خارج کر دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی الم پرست طبیعت کو کوئی سخت ترین ہجو بھی ہجو نہ معلوم ہو اور کسی خوش مست کو معمولی ظریفانہ فقرہ ہجو کا مزہ دے جائے ۔ یہ پڑھنے والے کے مذاق پر منحصر ہے ۔

Marfat.com

اب ہم سودا کی ہجویات پر اس نظر سے بحث کرتے ہیں کہ ادبیات میں ان کا کیا رتبہ ہے اور ہجو کی جو غرض ہے وہ اُن سے کس حد تک پوری ہوتی ہے پہلے ہم ہجو کے اُن عام معائب و محاسن کو پیش کرتے ہیں جو اساتذہ تنقید نے اس کے لئے بطور معیار مقرر کئے ہیں۔ اس کے بعد اس معیار پر ہم سودا کی ہجویات کو جانچیں گے۔

ہجو کے لئے سب سے پہلا عیب یہ ہے کہ اس میں فحش و دشنام سے کام لیا جائے۔ دوسرا عیب یہ ہے کہ جس شخص کی ہجو کی جائے اُس کے جسمانی اور پیدائشی عیوب بیان کئے جائیں۔ تیسرا عیب یہ ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے بحث کی جائے۔ چوتھا عیب یہ ہے کہ وہ فرضی واقعات اور عیوب بیان کئے جائیں جن کا پڑھنے والے کو ہرگز یقین نہ ہو۔ ہجو کے محاسن میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ شوخی و ظرافت ہو۔ دوسرے ایسے عیوب اور کمزوریاں دکھائی جائیں جن کو پڑھنے والا بے تامل تسلیم کرے۔ تیسرے ہر عیب کو اشارہ اور کنایہ کے پیرائے میں بیان کیا جائے۔ چوتھے اگر تفصیل سے کام لیا بھی جائے تو قوت متخیلہ سے ایسے نئے نئے پہلو نکالے جائیں کہ ہجو طوالت کی وجہ سے گراں نہ گزرے بلکہ بلیغ معلوم ہو۔ مبالغہ جو بعید از فطرت ہو وہ عام شاعری میں نامقبول ہے مگر ہجویہ نظموں میں اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ایسے مبالغے سے پڑھنے والے کو ہنسنے ہنسانے اور لطف اندوز ہونے کا خوب موقع ملتا ہے۔ اس معیار پر جب ہم سودا کی نظموں کو جانچتے ہیں تو ان میں معائب و محاسن اور ہر دو نظر آتے ہیں جہاں تک فحش اور رکیک نظموں کا تعلق ہے وہ ہر طرح نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔ ان میں کوئی سبق آموز بات ہمیں نہیں ملتی۔ نہ تو تخیل کی صحیح جولانیاں اُن میں ہیں اور نہ کوئی نصیحت آمیز نکات۔ یہ حصہ در اصل فحش اور تمسخر کا دفتر ہے

Marfat.com

جس کو ہم ہرگز قابلِ اعتنا نہیں خیال کرتے۔ سودا کا کلیات ہر جگہ آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے اور ہر پڑھنے والا ہجویات کے فحش حصّے کو بہ سہولت معلوم کر سکتا ہے۔ ہم اس حصے کو یہاں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان ہجویہ نظموں سے بحث کرتے ہیں جن میں شاعر نے اپنے تخیل کی جولانیاں دکھائی ہیں، ظریفانہ انداز میں سبق آموز اشارے کئے ہیں، انسانی فطرت کی خوبیوں کو سراہا ہے اور اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا مضحکہ اُڑایا ہے۔

دہلی کے دورِ انحطاط کا نقشہ جس عمدگی سے دو نظموں میں "شہر آشوب" کے عنوان سے دکھایا ہے اس کا جواب ہماری ادبیات میں نہیں۔ مختلف طبقوں کے معاشرتی اور مالی حالات، ان کے مشاغل اور وظائف کا بیان اِس خوبی اور لطافت سے کیا ہے کہ اس زمانے کی سچّی تصویریں ہماری آنکھوں کے سامنے پھرتی ہیں۔ امرا اور والیٔ ملک کی نااہلی اور انتظامی خرابی کی تفصیلات اس شاعرانہ انداز میں پیش کی ہیں کہ ہمارے سامنے اُس زمانے کے ادبار و انحطاط کا ہولناک منظر آجاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اِن نظموں کا اندازِ بیان بلیغ و لطیف ہے اور اس نے یاس و الم کی شدت کو بہت کچھ دھیما کر دیا ہے۔ لیکن اس لطافت و بلاغت کی شگفتگی کی تہ میں یاس و الم موجزن ہیں۔ دل پر ایک غیر محسوس اثر زوال و انحطاط کی یاس انگیز تصویروں کا ہوتا ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے عروج کی دلچسپ اور نشاط انگیز داستان کو پیشِ نظر رکھ کر جب ہم اِن نظموں کو پڑھتے ہیں تو مغلوں کے عبرت انگیز زوال کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وقت ہم شاعرانہ خیال آرائیوں اور تفریحی اندازِ کلام سے لطف اندوز ہونے کی بجائے اس ہولناک انقلاب پر آنسو بہاتے ہیں، اس وقت سخن گسترانہ بھول بھلیاں میں ہم گم نہیں ہو جاتے بلکہ سنجیدہ انداز میں عروج و انحطاط اور اقبال و زوال کی

Marfat.com

تصویروں کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کی زوال یافتہ مملکت کے امرا و اعیان کی نااہلی کا ذکر اس طرح کیا ہے :-

انھیں ہے اپنی امامت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مورچھل اور ایک کاتبی سمور
نہ رسم صلح کی سمجھیں نہ جنگ کا دستور
جوان میں قاعدہ داں تھے ہوے وہ ان سے دور
تماش ان کی طبیعت کا سب طرح سے ٹھٹھول
جو کوئی ملنے کو ان کے انھوں کے گھر آیا
ملے یہ اس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا
انھوں نے پھیر کے ادھر سے منھ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

اکبر و جہانگیر اور شاہجہان و عالمگیر کے درباری امرا کا مقابلہ ان ارکانِ سلطنت سے کیجئے اور دیکھئے کہ نظم عبرت کا سبق دیتی ہے یا تفریح و تفنن کا سامان مہیا کرتی ہے۔ جاگیرداروں، منصبداروں اور نقدی گیروں جیسے خوش حال طبقوں کا حال سنئے :-

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصبدار
تلاش کر کے ڈھلیتی انھو نے ہو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دی سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ میں کچکول

Marfat.com

دہلی کی فلک رس عمارتوں کا حال سنئے :-

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھنے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں ڈھئی مرغول

نجیبوں اور شریفوں کا حال سنئے :-

دیا بھی واں نہیں روشن تھی جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانہ کے مانوس
کروڑ دل پر از امید ہو گئے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گئی ناموس
ملی نہ ڈولی انھیں جو تھے صاحب چنڈول

نجیب زادیوں کا اندنوں ہے یہ معمول
وہ برقعہ سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ان کی گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

نجیبوں اور شریفوں کے اس بُرے حال کا اکبر و جہانگیر کے عہد کے امرا سے موازنہ نہ کیجئے۔ اس انقلاب کو دیکھ کر دل پر چوٹ سی لگتی ہے۔ بالکل سچ کہا ہے:-

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر

Marfat.com

جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

اسی طرح قصیدۂ شہر آشوب کے خاتمے پر لکھا ہے :۔

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہنا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
سو اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

شدی فولاد خاں کی ہجو میں ایک مثنوی کہی ہے لیکن دراصل شہر کی بدامنی کا دُکھڑا رویا ہے۔ کوتوال شہر کی رشوت خواری، اس کی چوروں سے ساز باز، چوروں کی دلیری اور اس کے شہر کے بندوبست پر تباہ کن اثرات کا نہایت کھلا بیان اس میں درج ہے۔ چوروں کی جرات اور کوتوال کی رشوت خواری کے برے انجام کا اندازہ ذیل کے مکالمے سے ہوگا جو کوتوال اور چوروں کے درمیان ہوا ہے، کوتوال چوروں سے سوال کرتا ہے :۔

ایک دن اس نے سب سے طنز کی راہ ‏ ‏ کہا تم ہو مرے نپٹ دل خواہ
چیز میری جواب چراؤ تم ‏ ‏ چوک میں بیچنے نہ جاؤ تم
قیمت اس کی جو کچھ مشخص ہو ‏ ‏ او تنے کو تم اسے مجھی کو دو

چور جواب دیتے ہیں۔

ایک ان میں سے یہ سخن سن کر — لگا کہنے کہ اس سے کیا بہتر
کیا جب آپ تم نے یہ انصاف — میں بھی کرتا ہوں عرض رکھئے معاف
آپ کے سر پہ یہ جو پگڑی ہے — وہ خریدار اس کے ہیں درپے
دس روپے وہ مجھے دلاتے ہیں — کہئے اب آپ کیا لگاتے ہیں
دوسرے نے کہا کہ میں ہوں غلام — نہیں ہوں جس سے ہووے ایسا کام
پگڑی آقا رکھے نہ سر سے اُتار — اور قیمت کی اس کی ہو تکرار
پر دوشالے کے تئیں لگا کر گھات — آج جاگا کیا ہوں ساری رات
میری محنت پہ ٹک نظر کیجے — آگے جو دل میں آئے سو دیجے

چوروں کے ڈر سے کوئی امن نہیں۔ اسے شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ عیش و نشاط کی محفلوں میں لوگ ڈر کر اس طرح مسلح جاتے ہیں گویا رن پر جا رہے ہیں۔

بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں — بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں

میخانہ میں ہائے دہو کا جو شور ہے یہ در اصل جوش نشہ کا نہیں بلکہ چوروں کے خوف کی دُہائی ہے۔

بے خطر ڈر سے اب کوئی نہ رہا — اہلِ مے خانہ میں بھی ہے ہو ہا

شاعرانہ خیال آرائیوں سے بڑے نازک مضامین پیدا کئے ہیں لکھا ہے کہ "چوروں کے ڈر سے فتنہ بھی جاگتا رہتا ہے۔ چاند کی آنکھ بھی رات بھر کھلی رہتی ہے۔ شام کے وقت شمع سے بھی چور لگتا ہے (شمع کے ایک طرف سے گھل جانے کو چور کہتے ہیں) شمع کے طرہ کا ذکر ایک طرف آفتاب کی دستار بھی رات کے وقت گم ہو جاتی ہے۔ شبنم جو صبح کے وقت پھول پر ہوتی ہے وہ بھی غنچہ کے بقچہ

Marfat.com

کو روتی ہے جو گم ہو گیا ہے :-

تسپہ ہے یہ کہ بہر طرۂ زر | لگے ہے چور شمع سے آگر
طرۂ شمع اک طرف لے یار | گم ہے خورشید کی بھی شب دستار
شام سے صبح تک یہی ہے شور | دوڑیوں گٹھڑی لے چلا ہے چور
صبح شبنم جو گل پہ ہوتی ہے | بقچے کو غنچے کے وہ روتی ہے
آنکھ تو کس لبشر کی لاگے ہے | چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے
آسماں پر بھی منعدم ہے خواب | کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

اس بدامنی اور ظلم و بیداد کی فریاد لوگ کوتوال سے کرتے ہیں تو وہ رشوت خوار نہایت بےحیائی کا جواب دیتا ہے جس کو شاعرانہ انداز میں لکھا ہے :-

بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار | گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھ سے اب بجا کر ڈھول | میری پگڑی کا میرے سر پہ مول
یار دکچھ چل سکے ہے میرا زور | دیکھو تو ٹک کہاں کہاں ہے چور
مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل | ہے امیروں کے گھر میں چور محل[۱]
دیکھئے گر بتاں کو بھی بجند ا | ہاتھ میں ہے انھوں کے وزدحنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی | چوری کرنے سے کون ہے خالی

ان حالات میں کون ہے جو شہر کی بدامنی کو بھول کر محض شاعرانہ مبالغوں اور لطائف کی دلچسپی میں گم ہو جائے ۔

قصیدۂ تضحیک روزگار میں بظاہر ایک گھوڑے کی ہجو ہے لیکن یہ دراصل فوجی نظام کی خرابی کا مرثیہ ہے ۔ ناکارہ اور نکمے سپاہیوں کے برے ہدڑے، علف و دانہ کا موجود و فراہم نہ ہونا، اور مہینوں تنخواہ کا نہ ملنا یہ سب اس میں مذکور ہے ۔

---

[۱] داشتہ عورت ۔

اس کی تمہید اس طرح اٹھائی ہے کہ زمانے کی حالت دگرگوں ہے۔ جن کے طویلے میں عربی اور عراقی گھوڑے بندھے رہتے تھے آج وہ اس قدر مفلس ہو گئے ہیں کہ اپنی جوتی اُدھار پر گٹھواتے ہیں۔ بعض لوگ مالدار بھی ہیں مگر انتہا درجے کے کنجوس ہیں، ان میں ہمارے ایک دوست بھی ہیں جو سو روپے تنخواہ پاتے ہیں۔ ایک گھوڑا رکھ چھوڑا ہے جس کو دانہ گھاس میسر نہیں، اور نہ اس کے لئے کوئی سائیس ہے۔ اس کا جو حال ہے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:-

نہ دانہ دنہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اِس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کرو گے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

اس کی بھوک کی شدت اس طرح بیان کی ہے:-

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

Marfat.com

خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار

اس کے ضعف و ناتوانی کا حال اور اس کے رنگ روپ کی حالت کو اس طرح دکھایا ہے :-

ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہو دیں نہ استوار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لُہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بے شمار

ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

اس کے بعد سودا نے ایک لطیفہ بیان کیا ہے کہ اس نے یہ گھوڑا مستعار لینا چاہا جس پر اس کے مالک نے اس کی عجیب و غریب تاریخ سنائی ہے جس کو سودا نے اپنے شاعرانہ انداز میں اس طرح لکھا ہے ۔

حشری ہے اس قدر کہ بجشر اس کی پشت پر
دجال اپنے منہ کو سیہ کر کے ہو سوار

اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت
جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار

Marfat.com

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

گھوڑے کی سست رفتاری پر اس طرح خیال آرائی کی ہے ۔

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

سبزے سے خط سیاہ وسیہ سے ہوا سفید
تھا سرو ساجو قد سو ہوا شاخ باردار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گزار

مرہٹوں کی فوج سے مقابلے کے لئے گھوڑے کا مالک اس پر سوار ہو کر جس شان سے نکلا تھا اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے ۔

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل وخوار

چابک تھے دونو ہاتھ میں پکڑے تھا منھ میں باگ
نک تک سے پاشنہ کی مرے پانو تھے فگار

آگے سے تو بڑا ادسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص وعام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگا دُکہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

Marfat.com

کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

دھوبی کمہار کے گدھے اسدن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار

ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمھار

میدان جنگ میں پہنچنے پر جو کیفیت گزری ہے اسے اس طرح لکھا ہے۔

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانو سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

یہ نظمیں بظاہر تفریحی معلوم ہوتی ہیں لیکن دراصل مغلوں کے زوال کی دکھ بھری داستان ہے جو ہمیشہ ایک زوال پذیر اور مفلوج قوم کی ابتری اور تباہی کا خوفناک منظر پیش کرتی رہے گی۔

ہم نے ان نظموں کا اوپر ذکر کیا ہے جو عام اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتی ہیں ان میں ایک بخیل کی ہجو مشہور ہے۔ بخل اور حرص اخلاقی امراض ہیں اور ہر زمانے میں نفرت کی نگاہوں سے دیکھے گئے ہیں۔ ایک دولت مند امیر کو بخل کا گھن لگ گیا ہے جس سے اس کی نفسیات ہی بدل گئی ہے۔ عام آداب و آئین اور تہذیب و معاشرت کے رسوم کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ جائز اور ناگزیر خرچ پر

Marfat.com

بھی اس کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ بہت ہی معمولی اور ناقابل لحاظ صرف پردہ محبت والفت کے فطری رشتے توڑنے تیار ہو جاتا ہے۔ کسی مہمان کو ایک وقت کا کھانا کھلانا بھی اس پر اس قدر شاق گزرتا ہے کہ وہ اُسے ٹالنے کی عجیب وغریب تدابیر ذہنی کد وکاوش سے اختراع کرتا ہے۔ بخیل کی نفسیات کی ننگی تصویر اس نظم میں نظر آتی ہے۔ تمام جزئیات کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔ پڑھنے والا بے اختیار مزے لیتا اور بخیل کی ہنسی اُڑانے میں شریک ہو جاتا ہے اور انسانی فطرت کی اس کمزوری پر ہرگز ہمدردانہ نظر نہیں ڈالتا۔

جس طرح سودا نے بخیل کی ہجو میں بخیل سے کام لے کر بخل کی مذمت کے نئے نئے پہلو نکالے ہیں اسی طرح میر ضاحک کے پیٹو پن کی ہجو میں اپنی قوت متخیلہ کا کمال دکھایا ہے۔ بسیار خور کے عادات واطوار اور ہوکے پن کو عجیب عجیب طرح سے بیان کیا ہے۔

حکیم محمد غوث کی ہجو اپنی لطافت ودلچسپی کے اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے اس میں گو زیادہ خیال آرائی نہیں تاہم جو کچھ بیان کیا ہے اس میں شاعرانہ نزاکتیں ہیں حکیم غوث طب سے قطعاً ناواقف ہے اور اس ناواقفیت میں اُلٹے علاج کر کے قتل عام کرتا ہے۔ اس کی ذات سے گورکن اور مردہ شو وغیرہ کا روزگار گرم ہے۔ وہ اگر بیمار ہو جاتا ہے تو یہ سب ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ آپ اپنے احمقانہ علاج سے مر نہ جائے اور ہماری معاش کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔

ہو کے کسلمند جو وہ بے حیا — اپنے تئیں آپ کرے ہے دوا
مردہ شو و مولوی، تابوت گر — گھیرتے ہیں آن کے سب اُس کا گھر
دیں ہیں دُہائی وہ بصد قیل وقال — ان میں سے ہر ایک کرے ہے سوال
اپنی دوا آپ تو ظالم نہ کر — میرے کس دکھ کی طرف کر نظر

Marfat.com

خوب جو کرتا ہے تو اپنی دوا   اور کوئی آپ سا ہم کو بتا!
روزی سے خاطر ہو مری تا کہ جمع   بھیجوں تری گور پہ گل اور شمع

اس کے بعد اس کے طریق علاج اور نسخہ نویسی وغیرہ پر خوب خوب خیال آرائیاں کی ہیں۔

اخلاقی نظموں میں راجا نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو مشہور ہے۔ اس کا آغاز بھی دلچسپ ہے اور خاتمہ بھی معنی خیز اور سبق آموز۔ یہ مثنوی ہے لیکن اس کی گریز میں قصیدے کی شان ہے۔ لکھا ہے کہ میرا سخن فیل معنیٰ ہے جو ہمیشہ میرے ہاں بندھا رہتا ہے۔ سخندانوں کی فہم اس کے لئے میدان گشت ہے۔ اس کی پاک طینتی کا یہ عالم ہے کہ خاک پر ہرگز قدم نہیں رکھتا۔ اس قدر سبک رفتار ہے کہ کاغذ پر بے تکلف دوڑتا چلا جاتا ہے۔ آواز تحسین اس کے لئے بانگ درا ہے اپنی جلالت شان کے سبب مستک کو کبھی سیندور سے آلودہ نہیں کرتا۔ قدو قامت میں عرش سے اونچا ہے۔ اُس کے لئے دل مہادت اور نالہ بھالہ بردار ہے۔ آہ شرربار آتشبازی کی چرخی کا کام دیتی ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے سبھوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اگر خدا کسی کو ہاتھی دے تو ایسا دے نہ کہ راجا نرپت سنگھ کے ہاتھی جیسا۔ یہ گریز ہے۔ اس کے بعد راجا کے ہاتھی کی شرارت نحوست، اُس کے ڈیل ڈول وغیرہ پر خیال آرائی کی ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اس کے مہادت سے کہا کہ اس کی بجائے گدھا خرید لو۔ اُس نے بھی اس کی بہت برائی کی اور کہا کہ گو میری روزی کا دار و مدار محض اس ہاتھی کی زندگی پر ہے۔ لیکن یہ اس قدر منحوس و شریر ہے کہ دل سے اس کی موت چاہتا ہوں۔ شاعر نے اس سے یہ سبق لیا ہے کہ ہماری ہمت ایک معمولی فیل بان سے گئی گزری ہے۔ وہ جتنا ایک شریر ہاتھی کی ہلاکت کے درپے ہے ہم اسی قدر

Marfat.com

اپنے ظالم اور شریر نفس کی پرورش میں لگے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بہت جلد مشہور ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے اس کے جواب میں ایک مثنوی کہی ہے جس کا ایک شعر آبحیات میں درج ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

تم اپنے فیل معنی کو نکالو　　　　مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

ان ہجویات کے سوا چند ہجویں ایسی بھی ہیں جو محض خوش طبعی اور ظرافت کے طور پر کہی گئی ہیں۔ ان کا تعلق دراصل ہجویات سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ظرافت و مزاح کی تعریف میں آتی ہیں۔ اس قسم کا بہت سا کلام سودا کے کلیات میں موجود ہے، جس پر ہم نے کسی دوسری جگہ بحث کی ہے۔

سطور بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سودا کی ہجویات اس معیار پر پوری اُترتی ہیں جو ایک کامیاب ہجو کے لئے معین ہے۔ ہجو کے اساسی عناصر، زبان و بیان اور تخیل ہیں۔ زبان کی لطافت و پاکیزگی، بیان کی سلاست و پختگی اور تخیل کی بلند پروازیاں ایسی ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر ہجو نگاری کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ سودا کی اکثر نظموں میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کا تخیل بقول آزاد ایک پھلجھڑی ہے۔ جس موضوع پر وہ لکھتا ہے اس کے ہر پہلو پر نہایت شاعرانہ خیال آرائی کرتا ہے اور بات میں بات پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک معمولی سی بات میں مختلف پہلو نکالتا ہے اور اپنی قوت متخیلہ سے بیجان سی بیجان چیز میں تڑپ اور جان پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے بیان میں مبالغہ ضرور ہے لیکن اس کو اس استادانہ طریقے سے نبھایا ہے کہ ناگوار نہیں گزرتا اور پڑھنے والے کو اپنا ہمنوا بنا لیتا ہے۔ مضمون آفرینی اور معنی تراشی کے قطع نظر

Marfat.com

جب ہم اس ہجویہ کلام کی زبان و بیان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سلاست و پختگی اور لطافت و پاکیزگی کے آثار ہر جگہ نظر آتے ہیں ۔ زبان موزوں اور شگفتہ ہے اور موضوع کے لئے نہایت مناسب ۔ اسی طرح اسلوب بیان میں بھی استادانہ مشاقی ہے ۔ مصرعے چست ہیں کسی جگہ بندش ڈھیلی نہیں ۔ تشبیہ و استعارہ کا بھی التزام ہے لیکن غیر فطری نہیں ۔ یہ تشبیہیں اور استعارے مطالعۂ فطرت سے اخذ کئے گئے ہیں ۔ ظرافت اور ہجو میں الفاظ کے صحیح اور برمحل استعمال کو بھی خاص دخل ہے ۔ اگر الفاظ موقع اور محل کے اعتبار سے نہ بٹھائے جائیں تو ظرافت بے جان سی معلوم ہونے لگتی ہے اور الفاظ کی بھدی اور ڈھیلی نشست ہجو کا لطف زائل کر دیتی ہے ۔ سوداؔ نے برجستہ الفاظ و محاورات کے استعمال سے اپنی ہجویات میں جان ڈال دی ہے ۔ اس کا تخیل جس قدر وسیع اور بلند ہے اسی قدر اس کی زبان اور بیان بھی مناسب اور پختہ ہیں ۔ کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ زبان کی کوتاہی سے ادائے خیال میں کھانچے پڑ گئے ہیں ۔ خیالات اور زبان و بیان کی خوبیوں کے سوا سوداؔ کی ہجویات کی ایک اور اہم خصوصیت ہے ۔ اس کی اکثر ہجویات میں کوئی نہ کوئی مقصد پنہاں ہے ۔ ان سے اخلاقی اور اصلاحی سبق ملتے ہیں ۔ اس کی بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن کی تہ میں کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما نہ ہو ۔ وہ ایک خاص مقصد سے ہجو کے میدان میں اپنا قلم دوڑاتا ہے ۔ ان تمام خصائص پر نظر کر کے اساتذہ تنقید نے اس کی ہجویات کی صوری و معنوی خوبیوں کی تعریف بڑے شد و مد سے کی ہے اور اس کو اردو زبان کا سب سے زبردست ہجو نگار تسلیم کیا ہے ۔

Marfat.com

مراثی

سودا کے مرثیوں کا ایک دیوان ہی الگ ہے۔ اس کے مرثیوں کی اہمیت و حیثیت قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مرثیہ گوئی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ اُس نے اس صنف میں کس دور میں طبع آزمائی کی اور اس میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

مرثیہ گوئی کا آغاز اُردو کی ابتدائی نشوونما کے ساتھ ہی ہوا۔ چنانچہ گجرات اور دکن کے مرثیہ گو شاعروں سے قطع نظر دوسرے مقامات میں بھی مرثیہ گو پائے جاتے ہیں جن کا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ شمالی ہند میں جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو وہاں کے شاعروں نے مرثیہ گوئی کی ابتدا کب اور کس طرح کی۔ دہلی میں اردو شاعری کا باضابطہ آغاز جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے محمد شاہ کے اوائل حکومت میں ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی بھی شروع ہو گئی۔ یوں تو دکنی مرثیے اس سے بہت قبل ہندوستان میں پہنچے تھے چنانچہ قائم کے ذیل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۱۸ھ سے قبل (عہد اورنگ زیب میں) دکنی مرثیے ہاتھوں ہاتھ دکن سے شمالی ہند پہنچتے تھے۔ قائم نے شاہ قلی خاں شاہی مصاحب و ندیم تانا شاہ کے ضمن میں لکھا ہے۔

Marfat.com

"سابق بریں پنجاہ سال ابیات و مرثیہ اش در بلاد ہندوستان دست بدست گردیدہ اند"

میر حسن نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے:" بیشتر مرثیہ می گفت، در ولایت ہندوستان دست بدست می آوردند "

لیکن عہد محمد شاہ سے پہلے شمالی ہند میں مرثیہ گوئی کا باضابطہ آغاز نہیں ہوا تھا۔ صرف دکنی مرثیوں نے شاعروں کے لئے ریختہ میں مرثیہ کہنے کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ دکنی مرثیہ گوئی کے اثرات سے شمالی ہند میں بعض مرثیہ گو عہدِ محمد شاہ سے قبل ہوئے ہیں چنانچہ قائم کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، لیکن مرثیہ گوئی کا مستقلاً آغاز نہیں ہوا تھا البتہ اس کے عہد میں ہم فضلی (صاحب کربل کتھا) کے علاوہ تین مشہور مرثیہ نگاروں کا ذکر سنتے ہیں۔ مسکین اور اس کے دو بھائی حزیں، وغمگیں، جن کے متعلق نواب درگاہ قلی خاں نے لکھا ہے

"وے بزبان ریختہ گفتن مہارت تمام دارند۔ در ہمہ شہر کلام اینہا شہرت دارد و درد اقعہ ہر سہ کس بسیار خوب می گویند و الفاظ الم آور بہ مضامین حسرت آگیں ایجاد می کنند۔ نوا سنجان مرثیہ بخدمت اینہا طرفہ رجوعے است۔ مسودۂ اشعارش بہ تلاش بدست می آرند و ذرا مثال ذقران افتخار می کنند۔ طرز ہائے عجیب و تلاشہائے غریب در فکر این عزیزاں بنظر می آید۔ حق تعزیہ در کلام خود ادا می کنند خلوص محبت طیبین وطاہرین برہمگنان ظاہر است۔ صلۂ معتد بہ کہ معاش ذا کند را نہ مکا نہائے معین دارند و فکر غیر از منقبت بخاطر نمی رسانند۔ الیے از استماع مرثیہ ہا لیش بہ ارباب تعازی می رسد کہ از روضۃ الشہدا متصور نیست و نہ از وقائع مقبل۔ قدر دان مراتب الم و چاشنی گیران مائدۂ غم امتیاز می کنند۔

ماند اینم نسیم دلنشا نسیم صبا	ہر کہ آرد خبر دوست دل از ما ببرد

Marfat.com

اسی دور کے دو اور مرثیہ نگار ہیں۔ ایک پسر لطف علی خاں دوسرا محمد نعیم جن کے متعلق درگاہ قلی خاں کا بیان ہے :-

"پسر لطف علی خاں..... منقبت در ریختہ بہ طمطراق تمام و ساز و سامان مالا کلام می گوید۔ دنیائے مرثیہ بہ عجب ،سوز و گداز می گزارد۔ معدن اندوہ است دکان الم۔ مخزن مصیبت است و گنجینۂ غم"

"محمد نعیم.... مضامینے در ریختہ می آرد کہ فارسان مضمار فارسی زمین گیر می شوند۔ شعرش چوں ناشی از درد و اندوہ است بمجرد شنیدن طبائع را مقارن غم و الم می گرداند۔"

ان مرثیہ گویوں کے علاوہ عہد محمد شاہی میں کئی مرثیہ خواں بھی تھے جن کا ذکر درگاہ قلی خاں نے کیا ہے۔ ان کے سوا بعض اور شاعروں نے بھی مرثیے میں طبع آزمائی کی ہے جن میں مصطفےٰ خاں یکرنگ۔ سعادت علی سعادت، میر برہان الدین عاصمی معاصرین آبرو و حاتم قابلِ ذکر ہیں۔ گردیزی اور میر حسن نے اول الذکر کے مرثیے کے چند شعر نقل کئے ہیں۔ ان کے بعد کئی مرثیہ گو پیدا ہوئے جن میں سے بعض مشہور شاعروں کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں ۔ان میں دو شاعر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک مراد (یا مرزا) علی قلی ندیم شاہ جہاں آبادی۔ دوسرا میر محمد تقی ندیم کے متعلق قائم نے لکھا ہے :-

"سابق بریں چند سال اکثر مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین الصلوٰۃ والسّلام بقوت نام و قدرت تمام می گفت و در مشکل ترین ردیف و قوافی طبع آزمائیہا می کرد چنانچہ شہرت ابیاتش گواہ عدل است۔ بالفعل کہ طور گفتن مرثیہ بے ادبانہ دل نشین مردم است دست ازیں کار برداشتہ بگفتن شعر ریختہ مشغول است"

اس کے متعلق میر حسن کا بیان ہے "بکمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ

Marfat.com

می گفت چنانچہ اکثر مرثیہ ہائے او مشہور اند ۔"

تقی کے متعلق میر حسن نے لکھا ہے ۔ "سید نجیب الطرفین از مرثیہ گویان حضرت ابا عبداللہ الحسین سید محمد تقی عرف میر گھاسی ۔ فقیر او را نہ دیدہ لیکن اکثر اوصاف آن بزرگوار شنیدہ ۔ مولدش شاہجہاں آباد ۔ الحال بطرف فرخ آباد استقامت دارد ۔ گاہ گاہے فکر شعر ہم می کند ۔"

یہ دونوں مرثیہ گو سودا کے ہمعصر تھے ۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مرثیہ گو شاعر ہیں جن کے حالات آسانی سے میر حسن، شوق، مصحفی اور قائم وغیرہ کے تذکروں میں مل جاتے ہیں ۔

اوپر کے بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ مرثیہ گوئی ریختہ گوئی سے الگ سمجھی جاتی تھی اور یہ ضرور نہ تھا کہ جو مرثیہ گو ہو وہ غزل بھی کہے ۔ مرثیہ گویوں کا گروہ ہی الگ تھا جو شاعروں سے مختلف و ممیز تھا ۔ سودا کے زمانے میں کثرت سے مرثیہ گو پیدا ہو گئے تھے ۔ جن میں میر اعلیٰ علی، میر امانی اسد، سید محمد تقی، سکندر، صبر، گمان، ندیم، میر حسن اور میر تقی میر وغیرہم خاص طور سے اہم ہیں ۔ مرثیہ گویوں کی تعداد تو بڑھ گئی تھی لیکن مرثیہ گوئی کی حالت بری تھی ۔ پہلے تو اکثر مرثیہ گو بلند پایہ شاعر نہ تھے ۔ دوسرے ان کا مطمح نظر سامعین وغیرہ سے صلہ حاصل کرنا بھی تھا ۔ جیسا کہ اوپر مسکین وغیرہ کے بیان میں مذکور ہوا ہے، اور سودا نے بھی ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؛-

یہ روسیاہ تو ایسا نہیں جسے ہووے — تلاش مرثیہ گوئی سے دام و درہم کا

سامعین کے پاس ادب و عقیدت سے فائدہ اٹھا کر مرثیہ گو جری ہو جاتے تھے ۔ اور بے جھجھک فنی غلطیاں کرتے تھے ۔ یہی وجوہ ہیں کہ بعض معقول اور رتبہ دار شاعروں نے مرثیہ گوئی ترک کر دی تھی جیسا کہ اوپر ندیم کے متعلق قائم نے لکھا

Marfat.com

ہے۔ یہی شکایت سودا کو بھی تھی۔ اس نے لکھا ہے ؛۔

"لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے۔ نادر مقالہ ہے کہ عقلا جو نہ سمجھیں اور ضبط تضحیک و قصد بکا میں رہیں اس کا سیاق و سباق جہلا دریافت کریں اور پھوٹ بہیں "

قائم اور سودا کے بیانات سے ظاہر ہے کہ مرثیہ گوئی کی حالت ابتر تھی، اور نا اہل شاعروں کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی۔ عیوب پر مذہبی احترام اور عقیدت پردہ ڈال دیتے تھے۔ مرثیہ گو بے تکان طبع آزمائی کرتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ اکثر شاعروں نے مرثیہ گوئی کو معاش کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اس میں تنقید و تنقیص کی زد سے بھی بچاؤ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ سودا جیسا بے باک ہجو گو بھی اعتراض کرنے سے ہچکچاتا تھا۔ اس نے آخر صاف کہہ ہی دیا ؛۔

عرض رکھتا ہوں اے کرم گستر　　اعتراضی سے پر مجھے ہے ڈر
کھول سکتا نہیں میں اپنے لب　　اس سبب سے کہ ہے یہ جائے ادب

لیکن زمانے کے ارباب فن اور اساتذہ تنقید نے اس خرابی کو محسوس کیا اور یہ حکم لگا دیا کہ " بگڑا شاعر مرثیہ گو "۔ یہ کلیہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں اس زمانے کی مرثیہ گوئی کی ابتری و خرابی کی داستان مضمر ہے۔ سودا نے بھی اس عام ابتری کو بشدت محسوس کیا اور خوف و خطر کے باوجود اس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تقی کے سلام اور مرثیہ پر منظوم اعتراضات کیے جو ایک رسالہ سبیل ہدایت کی شکل میں اسی زمانے میں مرتب ہو چکے تھے جس کا ذکر ہم نے تصانیف کے سلسلے میں کیا ہے۔

اس رسالہ سے اس زمانے کی مرثیہ گوئی کی ابتری کا حال بخوبی واضح ہوتا ہے۔ سودا نے تعجب سے لکھا ہے کہ جبا اور بدھو جیسے جاہل عوام جن مرثیوں کو سن کر پھوٹ بہیں ان کے معنی و مطالب اہل علم و فن کی فہم سے باہر ہوں۔

Marfat.com

آپ کے مرثیہ کا ہوں قائل — خون جس سے عوام کا ہے دل
سن کے جما سے جس پہ بدھو تک — شام سے کوٹیں سینہ صبح تلک
لیکن افسوس صد ہزار افسوس — یہی آتا ہے بار بار افسوس
بدھو جما سمجھ جسے روویں — معنی اس کے نہ مجھ سے حل ہوویں
جب یہ صورت خیال کرتا ہوں — اسی غیرت کے مارے مرتا ہوں

اس رسالے میں اور کئی نقائص دکھائے گئے ہیں۔ یہ رسالہ دراصل اس زمانے کی مرثیہ گوئی پر تنقید کا نمونہ ہے۔ اس کی روشنی میں سودا کے مراثی پر نظر ڈالی جا سکتی ہے ۱۱۷۵ھ سے قبل سودا کے مراثی کا ذکر سننے میں نہیں آیا۔ سب سے پہلی مرتبہ اس کے مرثیوں کا ذکر شفیق نے اس کے کلیات کے بیان کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ سودا نے دہلی میں مرثیہ کہنا شروع کیا تھا یا وہاں سے جانے کے بعد۔ ۱۱۷۵ھ تک کے مرتبہ کلیات میں اس کے کسی مرثیے کا پتا نہیں چلتا۔ معلوم نہیں کہ شفیق کے پیش نظر کس سنہ کا کلیات تھا جس میں اس نے مرثیوں کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ شفیق کے تذکرے کی تالیف کے وقت (۱۱۷۵ھ میں) سودا فرخ آباد میں تھا۔

سودا کے مطبوعہ کلیات میں اکیانوے مرثیے ملتے ہیں جن میں چند مہربان گئے ہیں۔ بقیہ مرثیوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا نے محض جوش عقیدت میں یہ مرثیے لکھے ہیں۔ ورنہ اس صنف شاعری سے اس کی طبیعت کو لگاؤ نہ تھا اور خود اس نے لکھا ہے کہ چالیس سال کی طویل شاعرانہ مشق کے بعد بھی مرثیہ گوئی مشکل معلوم ہوتی ہے ۔۔ "عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا کہ گوہر سخن ناصی زیب اہل گوش ہوا ہے اس مدت میں مشکل گوئی دقیقہ سنجی کا نام آیا ... لیکن مشکل ترین دقائق طریق مرثیہ کا معلوم کیا"۔ سودا نے اپنے شاعرانہ زور

کے بھروسے پر مرثیے کہے ہیں لیکن لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے۔ خود سودا نے لکھا ہے۔

شعر کے قاعدے بموجب ہم — کہنے لاگے تھے مرثیہ کم کم
سوز بانی تمھاری اے مخدوم — ہوا اپنے تئیں کو یوں معلوم
مرثیہ وہ جسے عوام الناس — روئیں سن سن پڑھیں جب ان کے پاس
اور سودا کا مرثیہ سن کر — چپ ہی رہ جاؤں ہوں میں سر دھن کر
کیسی ہی طرح کوئی اس کی بنائے — لیکن اُس پر کبھو نہ رونا آئے
بارہا یہ سخن ہوا ظاہر — حق میں بندے کے غائب و حاضر
سچ ہے یہ مجھ کو مرثیے کا ڈھب — نہیں آتا وہ جس سے رو دیں سب

اس میں شبہ نہیں کہ سودا کے مرثیوں میں مرثیت بڑی حد تک مفقود ہے۔ مرثیے کی بڑی غرض و غایت غم انگیز مضامین کو رقت خیز پیرائے میں بیان کر کے رلانا ہے سودا کے مراثی میں یہ جوہر نہیں۔ ہر چند اس نے لکھا ہے۔

تری اس نظم پر سودا خلائق اب زبس روئی
سیاہی یک قلم نامے سے عالم کی گئی دھوئی

یہ دستاویز آمرزش کی ہے یا مرثیہ گوئی
کہ ہر اک بند پر جس کے در جنت کھلا دیکھا

لیکن سودا کے اس بیان کو خود اس زمانے میں لوگ صداقت سے خالی سمجھتے تھے اور اس کی شاعرانہ طبیعت کو مرثیہ گوئی کے لئے ناموزوں سمجھتے تھے اور اس سے مرثیے کے سوا دوسرے اصناف میں طبع آزمائی کی فرمائش کرتے تھے۔ لیکن سودا جوش عقیدت میں اس بات کو نہیں سمجھتا تھا۔

Marfat.com

جو مجھ سے کہتے ہیں کہ مرثیے سوا کچھ اور
وہ چاہتے ہیں زباں سے میری سنا کچھ اور
کبھو نہ میں تو کہوں اس کے ماورا کچھ اور
الم سے آل محمدؐ کے ہے بھلا کچھ اور

شاعرانہ زور طبع اور عقیدتمندانہ جوش میں سوؔدا نے مرثیے تو کہے ہیں لیکن ان کی معنوی حیثیت کے بنانے میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی۔ البتہ صورت کو بڑی حد تک تکمیل کے راستے پر لگا دیا۔ سودا سے قبل مرثیہ گوئی کی صورت صرف مربع تک محدود تھی۔ مرثیے یا تو غزل نما (منفردہ) ہوتے تھے یا مربع دوسری کسی صورت میں نہ ہوتے تھے۔ بحریں بھی عموماً آسان و مترنم ہوتی تھیں بعض شعرا نے مشکل بحروں میں بھی طبع آزمائی کی۔ ہے جیسا کہ ندیمؔ کے متعلق قائمؔ نے لیکن ایسے بہت کم شاعر تھے۔ سکندر بھی بڑا مرثیہ گو ہوا ہے لیکن اس نے بھی صورت کو بنانے میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کی، البتہ مسدس مرثیہ لکھا ہے۔ لیکن یہ سوؔدا کے آخری زمانے میں ہوا ہے۔ میر حسنؔ، مصحفیؔ، اور شاہ کمالؔ کے بیانات ثابت کرتے ہیں کہ یہ سوؔدا کے بعد کا شاعر ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ سوؔدا کے لئے اس کے مرثیے نمونے کا کام دے سکے بلکہ اغلب یہ ہے کہ سکندر کے پیش نظر سوؔدا کے مرثیوں کے نمونے موجود ہوں۔ سکندر سے ایک جدت یہ منسوب کی جاتی ہے کہ اس نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں مرثیے کہے ہیں، لیکن اولیت و جدت کا سہرا سکندر کے سر نہیں ہو سکتا۔ سوؔدا نے خود اس سے قبل پوربی اور پنجابی میں دو مرثیے کہے ہیں۔ اس کا مرثیہ گوئی میں سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اس نے مرثیہ کی کئی صورتیں پیدا کر دیں۔ چنانچہ اس کے مرثیے ذیل کی صورتوں میں ملتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) منفردہ (۲) مستزاد منفردہ (۳) مثلث (۴) مثلث مستزاد (۵) مربع (۶) مربع مستزاد (۷) مخمس ترکیب بند (۸) مخمس ترجیع بند۔ (۹) مسدس (۱۰) مسدس ترکیب بند (۱۱) دھرہ بند۔

سوداؔ سے قبل کسی شاعر کے مرثیے اِن تمام صورتوں میں اب تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔ سودا کا یہ بہت بڑا کام ہے کہ اُس نے مرثیہ گوئی کی جولانگاہ کو وسیع تر کر دیا اور اظہار مطالب و مضامین کی کئی راہیں کھول دیں۔

سوداؔ نے زمانے کے رواج کے مطابق اپنے مرثیوں کی غرض یہ رکھی تھی کہ سامعین درد انگیز و رقت خیز مضامین اور کربلا کے پرالم واقعات کو سن کر ماتم کریں۔ وہ جوش عقیدت میں مرثیہ کہتا تھا، خود روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلانے کی کوشش کرتا تھا مثلاً اس کے شعر ہیں:۔

اشک کی جا گہ خون کے قطرے ہر اک چشم سے گرتے ہیں
خوب رُلایا سب کو تو نے اس کی جزائے اکبر ہے

شہا تو دے مجھے توفیق گریہ و زاری
اور اُس کے ساتھ کسی مملکت کی سرداری

اکثر مرثیوں کے خاتمے پر بین اور گریہ و زاری کا ذکر کیا ہے اور رونے رُلانے کو ثواب کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ بتایا ہے۔

جو دھویا چاہتا ہے نامۂ اعمال اے سوداؔ
تو رو رو کر بھگو رومال پر رومال اے سوداؔ

Marfat.com

خوشی کو رات دن کر غم کے تو پامال اے سودا
الم سے اپنے رکھ سینے کو مالا مال اے سودا

بچاتا ہے اگر تو آپ کو نار جہنم سے

ساقی سے کوثر کا ملے گا بھرا ہوا ایسا ہی جام
آنکھ ہر اک کی آنسو سیتی جیسے بھر بھر آئی

یہ تو نے مرثیہ کہہ کر جو اے سودا پڑھایا ہے
حدیث من بکی پر کر عمل سب کو رلایا ہے

نہ تنہا اپنی ہی خاطر جناں میں گھر بنایا ہے
جگہ جنت میں سب کے واسطے تو نے سنواری ہے

اپنے مرثیوں کو غم انگیز اور الم آور سمجھتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس کے مرثیے سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ہیں اور آہ و نالہ کا فلک شگاف خروش پیدا کرتے ہیں۔

سامعوں میں تاب نہیں سودا نہ کر آگے بیاں
ابر مژگاں سے تو بوندیں خون کی برسائیاں

نہ کر بس آگے تو سودا یہ ذکر رہ خاموش
فلک کی پشت سے گزرا ہے سامعوں کا خروش

لہو ہر اک کے جگر کا یہ مارتا ہے جوش
کہ ان کی چشم سے جز خون جگر بہا کچھ اور

سودا بڑی جد و کد سے مرثیہ کہتا ہے۔ اس میں مطلق شبہ نہیں رہتا کہ سامعین بے اختیار ہو کر گریہ و زاری کرنے لگیں گے۔

Marfat.com

سوم کا مرثیہ کیا خوب ہیں نے سودا کہا
دیا ہے خون جگر چشم سامعوں سے بہا

موالیوں ہیں ترا نام تا بہ حشر رہا
سنا ہے جن نے اسے اس کا دیدہ تر ہے آج

سودا کے خلوص اور عقیدت میں شائبۂ شک نہیں۔ وہ ضرور کربلا کے دردناک واقعات سے متاثر ہے اور رنج والم سے اس کا دل چور چور ہے لیکن مرثیت کا اصل جوہر اس کے مرثیوں میں بڑی حد تک مفقود ہے۔ مرثیہ سننے سے دل میں جو غم انگیز جذبات پیدا ہوتے ہیں اور سننے والے کے بے اختیار آنسو رواں ہوجاتے ہیں اس حد تک اس کے مرثیوں میں بڑی کمی ہے۔ وہ اپنی شاعرانہ ہنرمندی سے رقت ناک جذبات اور الم انگیز تاثرات کا اظہار اس موثر انداز میں نہیں کرسکتا کہ دوسرے بھی پھوٹ بہیں۔ یہ اعتراضات خود اس کے زمانے میں کیے جاتے تھے۔ چنانچہ سودا نے اس شکایت کی طرف تقی پر اعتراض کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ جیساکہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ ان حالات کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سودا کے غمناک احساسات اور پردرد تاثرات سچے، خالص اور زبردست ہیں۔ ذیل کے بند سے ممکن ہے کہ سننے والے کا دل نہ پسیجے اور ان کا پیرایہ موزوں و موثر ثابت نہ ہو لیکن شاعر کے خلوص اور سچائی میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

نہ رمق باقی ہے اصغر میں نہ اکبر میں دم
اور قاسم کی کہیں کیا جو ہوا اس پہ ستم

رن میں بے جاں پڑے ان کے تن نازک درہم
دیکھ کر زخمی شمشیر و سناں روتے ہیں

Marfat.com

چرخ کی ہم سے عداوت کے تئیں کیجئے سیر
وحشی سیراب ہیں جنگل میں ہوا ہیں ہیں طیر
اور فرزند تمھارے جو ہیں سو آب بغیر
لب دریا وہ کھڑے تشنہ لباں روتے ہیں

دین کا جس کے خلائق کے تئیں دعوا ہے
اس کی اولاد کے سر پر یہ ستم برپا ہے
پوچھتا ہو جو کوئی تم پہ مصیبت کیا ہے
دشت غربت میں پڑے بے وطناں روتے ہیں

غرض اب کہتے ہیں اس طرح سے دکھ اہل حرم
تھرتھراتے ہیں پڑے سن کے جسے لوح وقلم
دیدۂ جن و ملک خون سے دل کے ہیں نم
روز و شب لخت جگر آدمیاں روتے ہیں

غریبی بس ہے وطن کی حرم چھٹا تو چھٹا
رہیں گے دھوپ ہی میں خیمہ گو لٹا تو لٹا
قضا کی تیغ سے میں بھی جواب کٹا تو کٹا
اگر کٹے تو کٹے رن میں دست و پائے حسین

بخاک معرکہ گر، یہ بدن رلا تو رُلا
سنان نیزہ پہ سر بھی اگر چلا تو چلا

Marfat.com

مرے لہو سے جو زینب نے منہ ملا تو ملا
اگر روئی تو رو دی کر کے ہائے ہائے حسین

زمیں ہی بس ہے بچھونا ردا رہی نہ رہی
برہنگی تو ہے تن پر قبا رہی نہ رہی

جو چیز کام سے ہو ماسوا رہی نہ رہی
کہ خاک و خون سبھی فرش ہے برائے حسین

اہل بیت کو شامی دربار یزید میں لے جا رہے ہیں، زین عبا پیادہ ہیں اور گرد سوار جوق جوق۔ دھوپ کی تابش سے گلے کا طوق آگ ہو گیا ہے، تپ اس شدت کی چڑھی ہے کہ کفِ پا کے خون سے خار مغیلاں جل اُٹھتے ہیں۔ اس جانکاہ رنج و تکلیف میں حضرت امام کا سر نیزہ پر دکھائی دیتا ہے:۔

تھی نظر چار طرف اس کی بہ چشم پر نم
ناگہاں باپ کا سر نیزے پہ دیکھا جو علم

جوش خوں ناب دل اس کے نے یہ مارا اُس دم
کہ برسنے لگی از دیدۂ گریاں آتش

بھر کے اک آہ جگر سوز کہا وائے پدر
اے میں قربان ترے سر کے ترا تن ہے کدھر

کچھ ترے حال سے میرا ہی نہیں داغ جگر
کرتی ہے غم کی دل فاطمہ بریاں آتش

مسلمؓ کے دو صاحبزادے محمد اور ابراہیم تھے۔ باپ کی شہادت کے بعد قاتل ان دونوں یتیموں کو دریائے فرات کی طرف لے جاتا ہے اور اپنی تیغ بے دریغ سے شہید

Marfat.com

کرنا چاہتا ہے۔ دونوں بہ گریہ وزاری کہتے ہیں کہ اگر اس بے رحمانہ قتل کا مدعا مال وزر ہے تو ہمارے پاس کیا ہے؟ ہمارے گیسو کاٹ لے اور کسی کے ہاتھ بیچ دے۔ یہ سن کر وہ سفاک نہایت بے دردی سے جواب دیتا ہے :۔

سن کے یہ کہنے لگا دونوں سے وہ دشمن دیں
رحم گر چاہو تو یک ذرہ میرے دل میں نہیں

غرض ان دونوں یتیموں پہ ہوئی موت یقیں
چپ ہوئے ہو کے وہ راضی بہ رضا و تسلیم

آخر کار جو بے رحم نے کھینچی تلوار
کہا ہر ایک نے اُس سے یہی رو رو کر زار

خوف اتنا نہ کر اب پہلے تو مجھ کو ہی مار
دیکھ سکتا میں نہیں بھائی کی گردن ہو دو نیم

حضرت امام کی گود میں چھ ماہ کا طفل شیر خوار اصغر ہے۔ پیاس کی شدّت سے بیقرار ہے۔ حضرت اس کے لئے ذرا سا پانی مانگتے ہیں۔ دشمن نہایت تلخی سے جواب دیتے ہیں کہ اگر ایسے سو بچے پانی پانی کر کے دم چھوڑ دیں تو بغیر بیعت یزید کے قطرہ بھر پانی نہ دیں گے۔ دشمن یہ کہنے بھی نہ پائے تھے :۔

کہ ناگہ ایک تیر آیا طرف سرور کے ادھر سے
وہ بیٹھا بازوے شہ میں گزر کر حلق اصغر سے

یہ حالت دیکھ بولے شاہ اس معصوم اطہر سے
کہ تم بھی چل بسے اے لعل اب باری ہماری ہے

یہ کہہ کر کھینچ ڈالا تیر شہ نے اپنے بازو سے
لہو لے لے ملا اُس زخم کا اپنے سر و رخ سے

Marfat.com

اِسی حالت سے لے جاکر کہا یہ شہربانو سے
کہ اب کوثر سے اِس گوہر کو تیرے آبداری ہے

یہ حالت دیکھ خیمے میں قیامت ہوگئی برپا
پہنچتا تھا فلک تک آہ و نالہ شہربانو کا

سکینہ لگ گلے اصغر کے بولی اے مرے بھیا
یہ تیرے حلق سے لوہو سبب کیا ہے کہ جاری ہے

اس قسم کے بہت سی مثالیں مرثیے کے مجموعے میں موجود ہیں، جن میں دردناک واقعات کو موثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سوداؔ نے کربلا کے واقعات کو روضۃ الشہدا وغیرہ جیسی کتابوں اور سینہ بہ سینہ روایات سے اخذ کرکے لکھا ہے۔ یہ مرثیے تاریخ نہیں ہیں اس لئے ان میں نہ تو کسی خاص تاریخی نقطۂ نظر کے آثار نظر آئیں گے اور نہ وہ پیرایہ بیان۔ سوداؔ نے جگہ جگہ لکھا ہے کہ یہ روایت ہے یا یہ روضۃ الشہدا میں درج ہے:۔

یوں روایت ہے کہ وہ مظلوم سوئے کربلا
جب لگا چلنے مدینے سے کٹانے کو گلا

ہے ایک روایت ز روایات پر از غم	رد اس کو تو سن کر
میدان میں شہ دیں کے مارے گئے جس دم	بس خویش د برادر

عزیز و روضۃ الشہدا میں ہم نے جو لکھا دیکھا
پڑھا ہم نے بھی وہ احوال اور سب کو پڑھا دیکھا

Marfat.com

یہ روایات اس انداز میں بیان کی گئی ہیں کہ مرثیوں کی غرض و غایت پوری ہو جائے۔ ان حالات میں ان کی تاریخی صداقت کو کسی خاص اصولی معیار پر جانچنا ایک اصولی غلطی ہے۔

سودا نے کربلا کے واقعات کو مسلسل بھی بیان کیا ہے۔ اکثر مرثیے ایسے ہیں جن میں فرداً فرداً روایتیں قلمبند ہوئی ہیں۔ مرثیوں میں عموماً غزل کی طرح ہر بند یا شعر منفرد اور دوسرے بند وغیرہ سے بے تعلق ہوتا تھا۔ لیکن سودا نے مسلسل واقعات کو ترتیب وار بیان کیا ہے۔ جنگ کی تیاری۔ شہادت حضرت امام حسین اور دیگر شہیدان کربلا کی شہادتوں کے واقعات۔ میدان کربلا سے شامیوں کا اہل بیت کو دربار یزید میں لے جانا، یزید کا حضرت امام حسینؑ کے دندان مبارک کو چھڑی سے چھونا، ایک عیسائی کا اس موقع پر یزید کو برا بھلا کہنا وغیرہ وغیرہ یہ سب واقعات علیحدہ علیحدہ مرثیوں میں مسلسل قلمبند ہوئے ہیں۔

سودا کے زمانے میں عام رواج تھا کہ مرثیوں کو بلا تمہید و تقریب شروع کر دیتے تھے۔ مرثیہ گویوں کا مدعا محض بین تھا اس لئے مرثیوں کا آغاز غم انگیز واقعات کے بیان سے ہو جاتا تھا۔ سودا کے بھی اکثر مرثیے اسی طرح شروع ہوئے ہیں لیکن کہیں کہیں جدت سے کام لیا ہے اور اپنے مرثیوں کی غم انگیز تمہیدیں لکھی ہیں۔

بولے ہیں مرغ چمن آج کے نالاں ہیں ہم
کہتے ہیں گل کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم
ہے یہ سنبل کے زبانزد کہ پریشاں ہیں ہم
نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم

جامۂ ماتمیاں ہے یہ تن نیلوفر
آتش غم سے ہے لالے کا نت اوڑھ داغ جگر

Marfat.com

قمری کو سمجھو کہ اخگر ہے تہ خاکستر
سرو کہتا ہے یہی آہ گلستاں ہیں ہم

نظر آتا نہیں یہ خوشہ بتاک انگور
باغ کا آبلۂ غم سے ہوا دل معمور

جگر غنچہ کو ماتم نے کیا چکنا چور
گل پہ شبنم یہی کہتی ہے کہ گریاں ہیں ہم

صبح کو باد صبا ڈالے تھی سر اپنے پہ خاک
سینہ ہے آج سبھی پھولوں کی کلیوں کا چاک

جس کو میں اُن میں سے پوچھا کہ تو کیوں ہے غمناک
بولے ہے تعزیہ داران شہیداں ہیں ہم

ایک دوسرے مرثیے کی تمہید ہے :-

اشجار غم سے ہو گئے بے برگ و بر صبا
گل شبنم الم سے ہوئی چشم تر صبا

پھر کس خوشی سے کرتی ہے اب تو گزر صبا
سیر چمن کو آج سے موقوف کر صبا

ہے گلشن جہاں میں قیامت کی اب سحر
غنچے ہوئے خموش گریباں کو چاک کر

جائے عبیر ملتے ہیں گل گرد منھ ادہر
بلبل کا آہ نالے سے تڑسا جگر صبا

سودا کو قصائد کی تشبیب لکھنے میں چونکہ خاص مہارت ہے اس لئے اس

Marfat.com

کے بعض مرثیوں کی تمہیدوں میں اس مہارت کے آثار نظر آتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں سے اس کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ اس کے علاوہ طرز ادا میں بھی جدت اور ندرت سے کام لیا ہے۔ مرثیوں کی زبان وبیان میں استادی اور پختگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات سے بھی کام لیا ہے لیکن ان میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود نہیں جو دوسری اصناف خصوصاً قصائد میں پائی جاتی ہیں۔ تاہم زبان کی صفائی اور پاکیزگی اور بیان کی سلاست و روانی موجود ہے۔

کردار نگاری انیس اور اُن کے معاصرین کے دور میں مراثی کا ایک خاص وصف سمجھا جاتا ہے۔ سودا نے جگہ جگہ بعض اشخاص کے کردار کو عمدگی سے دکھایا ہے۔ شمر اور عمر سعد کی اس پست ذہنیت کی تصویر کھینچی ہے کہ وہ اہل بیت جیسے ذی عظمت خاندان کو شکست دینے اور اُن کو گوناگوں تکالیف و مصائب پہنچانے میں بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر نازاں ہیں اور اسی لئے اپنے تئیں غیر معمولی انعام کا مستحق ثابت کرتے ہیں :-

رجز پڑھتے ہوئے آئے وہ لعیں لے کر سر
اسپ مانگے تھا کوئی اُن میں کوئی خلعت زر
شمر ملعون عمر سعد بھر آگے آکر
عرض کرنے لگے یوں سامنے اس طشت کو دھر

لائے ہیں آج سر اس کا تن سے فرمائے سے
جس کا رتبہ ہے بڑا عرش کے بھی پائے سے

یہ وہ سر ہے جو رہا دوش محمد پہ مدام
لائے کربل سے جسے رکھ کے سناں پہ تا شام

Marfat.com

اہل بیت اس کے یہ زنجیر میں حاضر ہیں تمام
دے شتابی ہمیں جو تجھ کو ہے دینا انعام

یزید کی اس نامردی اور بزدلی کا خاکہ اُڑایا ہے کہ اہل بیت سے کوئی نہ بچنے پائے۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر کوئی دعویدار خلافت پیدا ہو جائے، اس باب میں وہ اپنے مصاحبین سے نہایت بے چینی سے سوال کرتا ہے :۔

سنتے ہی اُس کے یزید اس سے یہ کہنے لگا
کیا حسین ابن علی کا کوئی ایسا نہ بچا
جس کو پھر مجھ سے خلافت کا نہ ہووے دعوا
ایک ملعون نے ان میں سے یہ سن کر کے کہا
ایک بیمار سا لڑکا ہے کوئی عابد نام
طوق و زنجیر میں رہتا ہے وہ اب صبح و شام

جہاں دشمنان اہل بیت کی سفاکی، نامردی، ظلم جیسے ذمائم اور قابلِ نفرت خصائل کو دکھلایا ہے، اہل بیت کی حق پرستی، استقلال، جرأت، رضا و تسلیم، فراخدلی اور سیر چشمی کو بھی خوبی سے واضح کیا ہے۔ حضرات امام حسین کی نعش مبارک کے پاس جبریل جناب باری سے پیام لاتے ہیں کہ اس شہادت کا خونبہا آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس کا جواب نہایت فراخ حوصلگی سے دیا ہے :۔

دیا جواب یہ اس نعش نے معاذ اللہ
وہ میں ہوں خاک سے جس کی جو سر بجائے گیاہ
اُگے اور اس کے تئیں کاٹیں پھر کے یہ گمراہ
تو کبریائی سے اوس کی نہ منھ پھرائے حسین

Marfat.com

کردار نگاری کی یہ اچھی خاصی مثالیں ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کردار کے پیدا اور پیش کرنے کی قوت سوداؔ کے قلم میں موجود تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص التزام اس نے نہیں کیا تاہم اپنے توازن طبع سے کردار کے ضروری لوازم کو بڑی حد تک ملحوظ رکھا ہے۔ کہیں کہیں غیر محسوس یا نادانستہ طور پر اس کے قلم نے کردار کے خط و خال پر ایسے خطوط کھینچ دیے ہیں جن سے تصویر کی اصلیت میں فرق آگیا یا کم سے کم وہ رنگ پیدا نہ ہو سکا جس کو شاعر جمانا چاہتا تھا۔ شمر اور عمر سعد مہم کربلا کے سر کرنے کے بعد دربار یزید میں جا کر طالب انعام ہوتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنی شقاوت و بے رحمی کو دین کے کھونے سے تعبیر کرتے ہیں، اور برملا یزید کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہیں :-

کام ہم نے یہ خلافت کے لئے تیرا کیا
کہ سبب جس کے سے دیں اپنے کو برباد کیا

اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ دین کو بڑی چیز سمجھتے تھے اور جنگ کربلا میں شریک ہونے اور اہل بیت کے ساتھ سفاکانہ و ظالمانہ برتاؤ کرنے کو دین کی بربادی خیال کرتے تھے۔ یہ ایک قسم کی پشیمانی ہے جس کا ایک ظالم، شقی اور سفاک کے دل میں پیدا ہو جانا بہت بڑی بات ہے۔ شاعر کا مدعا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شمر یا عمر و سعد کے اس تاسف و پشیمانی کا کسی طرح اظہار کرے لیکن نادانستہ طور سے اس کے قلم سے یہ بیت نکل گئی۔ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں اس کے مرثیوں میں موجود ہیں۔

کردار نگاری کی فنی کوتاہی اور کمزوری کے ساتھ سودا میں ایک خامی اور بھی نظر آتی ہے، یہ وہی غلطی ہے جس پر سوداؔ نے سبیل ہدایت میں اعتراض کیا تھا کہ "مرتبہ در نظر" نہیں رکھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے اس کا بڑا خیال

رکھا ہے لیکن جگہ جگہ نادانستہ طور پر لغزشیں ہوگئی ہیں، عابد سے یزید خطاب کرتا ہے:۔

اُس لعین نے یہ کیا دیکھ کے عابد کو خطاب
کیوں ترا باپ لڑا اگر نہ تھی لڑنے کی تاب

یہ طرز خطاب ہر طرح بے ادبانہ ہے اور کوئی عقیدت مند قاری اور سامع ان الفاظ کو پڑھنا اور سننا گوارا نہیں کرے گا۔

مراثی کا موضوع چونکہ تمام تر جنگ کربلا سے متعلق ہے اس لئے اس میں جنگ کے مناظر کے دکھانے کا شاعر کو خوب موقع ملتا ہے۔ سودا کے مرثیوں میں رزمیہ رنگ زیادہ اُجاگر نہیں تاہم کہیں کہیں اس انداز کی جھلکیاں نظر آجاتی ہیں۔ حضرت عباس مشک بھر کر آتے ہیں کہ ابن سعد اپنے لشکر سے غضبناک ہو کر مخاطب ہوتا ہے اگر مشک صحیح سلامت لے جانے دی تو سب کو تہ تیغ کر دیا جائے گا،

یہ سن کر فوج شام اس پر گھٹا سی چھاگئی آکر
پران نے بھی علم کر تیغ اس کے سامنے جاکر
کیا جوں رعد یہ نعرہ طرح بجلی کے بل کھا کر
کہ بہنوں کا جگر پھٹ کر لہو آنکھوں سے اُتر آیا

اتمام حجت کے لئے حضرت عباس نے اُن سے مستورات اور بچوں کی شدت تشنگی کا ذکر کیا لیکن اس پر بھی مخالفین باز نہ آئے تو ستھراؤ کر دیا۔ اس وقت ان کی مردانگی اور سپاہیانہ جوش کا عجب عالم تھا۔ معرکے میں ان کا بایاں ہاتھ تلوار کے وار سے لٹک گیا تو مشک کو دائیں ہاتھ میں سنبھال لیا لیکن جب دایاں ہاتھ بھی شانے سے جدا ہو کر گر پڑا تو مشک دانتوں میں تھام لی۔ لیکن دشمنوں کے تیروں کی بارش مشک پر ہونے لگی اور وہ آن کی آن میں چھلنی ہوگئی:۔

Marfat.com

نہ مانا جب تو بیٹھا فوج میں وہ اشجع عالم
لگی تب صف بہ صف لشکر کی ہونے درہم و برہم
جدھر کو رُخ کیا کشتوں کے پشتے واں ہوئے اسدم
اُدھر خوں کے بہے نالے جدھر اس کا پڑا سایا

کہوں کیا جس طرح چھایا تھا ابرآہن کا اس جا پر
سناں پر تیغ برسے تھی پڑی اور تیغ پر خنجر
نہ جانے آہ واویلا کہ اس میں کن نے واں آکر
حوالے تیغ کی اس کے کہ دست چپ لٹک آیا

جواں مردی سے وہ ہیں مشک دست راست پر یوں کی
کہ بونداس میں سے پانی کی زمیں اوپر نہ گرنے دی
فلک ناخوش ہوا اتنا شجاعت دیکھ کے اس کی
کہ دست راست بھی اس کا وہ ہیں شانے سے گروایا

جو تھا نبی مشک دانتوں سے تو کی بوچھار تیروں کی
لگی چاروں طرف سے ہونے مارا مار تیروں کی
ستم کیشوں نے کی پیکان اپنی پار تیروں کی
کہ اس کو مشک سے اک پل میں کر غربال دکھلایا

جنگ کے مناظر اور رزم آزمائیوں کے نقشے مراثی میں کم ہیں لیکن ان کے

Marfat.com

اظہار میں شاعرانہ استادی، پختگی اور مشاقی کے آثار نمایاں ہیں۔ جنگ کے مناظر تفصیلات چاہتے ہیں۔ سودا نے ان کے بیان میں کوتاہی کی ہے۔ سوائے دو تین مرثیوں کے کسی میں مجادلہ اور مقابلہ کو تفصیل وار پیش نہیں کیا۔

جنگ کربلا چونکہ ایک دشت میں واقع ہوئی تھی اور موسم بھی شدت گرما کا تھا اس لئے شاعر کو موقع ہے کہ وہ مناظر و موسم کی کیفیات دکھائے سودا نے کہیں کہیں زمان و مکاں کی تصویریں کھینچی ہیں اور وقت و مقام کے اثرات کو دکھایا ہے:-

مقام ہُو نظر آتا ہے وہ دشت بلا سارا
جو شب کو برق چمکے تو اُجالا ورنہ اندھیارا
پڑا ہے اس میں وہ بے جاں وطن سے ہو کے آوارا
کہ جس کو فاطمہ نے بر میں پیغمبر کے پلوایا

فراہم اُس جگہ حشرات اِس موسم کے سارے ہیں
تن نازک پہ اُس کے ڈانس جا جا ڈنک مارے ہیں
اندھیری رات ہے چاروں طرف جھینگر جھنکارے ہیں
پڑا ہے اس طرح مذبوح واں زہرا کا وہ جایا

یہ وہ موسم ہے جس میں ہر کوئی چھپر چھوا تا ہے
پکھیرو تنکے چن چن گھونسلا اپنا بناتا ہے
کوئی اس وقت چھوٹے سے بھی ظالم گھر چھڑاتا ہے
پڑا ہے سرور دیں واں جہاں نا سر ہے نا سایا

ہندوستانی مرثیہ نگاروں نے ایک عجیب بدعت کی ہے کہ جنگ کربلا کے عرب نژاد مظلومین کو ہندوستانی رنگ میں پیش کیا ہے۔ لباس، وضع قطع، رفتار و گفتار طرز معاشرت، رسوم و آداب سب ہندوستانی ہیں۔ حتیٰ کہ خیالات اور معتقدات وغیرہ بھی ہندوستانی ہی ہیں۔ یہ بدعت سوداؔ کے زمانے سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی، چنانچہ گجرات اور دکن کے مرثیوں پر بھی ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مرثیہ گویوں نے بلا لحاظ زمان و مکاں عرب شخصیتوں کو اپنے زمانے اور مقام کے ماحول میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ ان کے مرثیوں کو پڑھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تیرہ سو سال قبل کے شرفائے عرب کی زندگی کا نقشہ ہے، بلکہ صاف طور سے واضح ہوتا ہے کہ ڈھائی تین سو سال قبل کے شریف ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کی تصویر ہے۔ سوداؔ نے اس طرز میں کوئی خاص ترمیم یا جدت نہیں کی بلکہ قدیم مرثیوں کی پیروی کی ہے۔ اس کے مرثیوں میں پہلی صدی ہجری کی عرب زندگی کا بہت ہی دھندلا اور مدہم بلکہ تاریک نقشہ نظر آتا ہے۔ اس نے اپنے مرثیوں میں ہندوستانی معاشرت کے عناصر بڑی آزادی سے داخل کئے ہیں

شادی بیاہ کے رسوم میں ہندوستانیت

حضرت قاسم کی شادی کا ذکر جگہ جگہ کیا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں شادی کے جو رسوم رائج ہیں اُن سب کو اس شادی سے متعلق کر دیا ہے چوتھی کا ذکر کیا ہے:-

کہیں یہ بیاہ کا دیکھا ہے معمول
کہ شہ کی چوتھی کو تیجے کے ہوں پھول

بنی سر خاک کر منھ سے ملے دھول
کہیں یوں کھیلنے میں چوتھی آئی

Marfat.com

آرسی مصحف دیکھنے، تخت چڑھنے اور بدھاوے کا ذکر کیا ہے ۔

کیا کروں شادیٔ قاسم کا بیں احوال رقم
واسطے دیکھنے کے آرسی مصحف جس دم
بیاہ کی رات رکھا تخت پہ نوشہ نے قدم
گائے تقدیر و قضا نے یہ بدھاوے باہم

کیا کروں بیٹی کی شادی سے سخن — بھر کے لوہو سے دھری گو یا لگن
نتھ سہاگ اپنے کی کھلا کر دولھن — تخت چڑھتے ہی اتاری یارسول

رنگ کھیلنے اور ساچق کا بیان کیا ہے ۔

سونے کو نوشہ نے خوش کی لحد تنگ
چھوڑ کر اپنی نویلی کا پلنگ
کھیلے ہے سارا کنبہ لوہو سے رنگ
سمدھنیں روتی ہیں ڈھاڑیں مار مار

کیا کروں آگے ہیں ساچق کا بیاں
دل پر از خوں رنگ کے شیشے ہیں یاں
لی ہیں نیزوں پر سروں کی مٹکیاں
گل ہیں آرائش کے زخم بے شمار

کنگن باندھنے کا ذکر کیا ہے ۔

باندھا کنگن تیرے سکھ کرنے کو ہاتھ
کیا میں جانے تھی کہ یوں بچھڑے گا ساتھ

Marfat.com

دولھا دولھن کے گھر عقد نکاح پڑھنے جاتا ہے۔ دروازے پر دلہن کا بھائی یا دوسرے عزیز یا نوکر دولھے کو بہ جبر روکتے ہیں اور اپنا حق طلب کرتے ہیں اس موقع پر دولھا حسب مقدوت کچھ رقم یا تحفہ دیتا ہے۔ اس رسم کو دھنگانا کہتے ہیں اور جو چیز دی جاتی ہے اُسے نیگ۔ سودا نے حضرت قاسم کی شادی میں اس رسم کا بھی ذکر کیا ہے :۔

ریت اور رسم میں دی جان بنے نے تس پر
دیکھنا اس کو بنو کا نہ ملا بھر کے نظر
نیگ میں جا کے دھنگانے کے دیا اپنا سر
لینے والوں نے کہا خرم و شاداں ہو کر

ان رسوم کے علاوہ روزمرہ کی زندگی بھی ہندوستانیوں کی سی ہے مثلاً عورتوں کا سینا پرونا :۔

یاد آوے گا کرتا اس کا جب کچھ بیٹھ کے سیووں گی
خاطر میں لا پیاس میں اس کی گھونٹ لہو کے پیووں گی

ہندوستانی عورتوں کے معتقدات شگون کے بارے میں گوناگوں ہیں۔ دیکھیے اس قسم کے معتقدات کو شریف عرب خواتین سے بھی منسوب کر دیا ہے وقت کے منحوس و مبارک ہونے کے خیال کو ظاہر کیا ہے :۔

جڑی نہ جانے کس ساعت میں، بڑھئی نے اسکے پلنگ کی پاٹی
پاؤں کے رکھتے اس پر تیری اب جو قضا نے گردن کاٹی

ہندوستانی عورتیں بچوں کے خوف کو زائل کرنے کی غرض سے شیر کے

Marfat.com

ناخن گلے میں ڈال دیتی ہیں ۔

شیر کے ناخن تک ہیں ڈالا جینے کو تجھ ہیکل میں
موت کی رو بہ سے نہ بچا ، پر آن کے تو اس جنگل میں

اسی طرح ہندوستانی زندگی کے ہر رنگ میں مظلومین دشت کربلا کو پیش کیا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ کہیں کہیں یہ ہندوستانی رنگ محض تمثیلاً چڑھایا گیا ہے لیکن یہ صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اثر پیدا کرنے کی غرض سے عمداً یہ طرز اختیار کی ۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہندوستانی طرز معاشرت ، خیالات وغیرہ کے ساتھ ہندی زبان کے الفاظ و محاورات وغیرہ بھی بکثرت استعمال کئے ہیں ۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہندی الفاظ سودا کے کلام میں ملتے ہیں لیکن بالخصوص مرثیوں میں اُن کا بڑا غلبہ ہے اور یہ ہندی الفاظ بھی اس شکل میں نہیں جو اس زمانے کی اردو میں رائج تھے مثلاً ماتی ، سیس ، نرباہ ، لاگنا ، بھال ، دھیر ، آنجھو ، باسا ، نراسا ، رس بھوگ ، ٹھور ، پاٹی ، پھاٹنا وغیرہ وغیرہ ۔

ہندوستانی عنصر سودا کے مراثی میں گوناگوں انداز میں کارفرما ہے ۔ مرثیوں میں دھرے بھی شامل کر دیے ہیں ۔ چنانچہ چند مرثیے دھرہ بند بھی ہیں ۔ ان میں دھروں کو بڑی عمدگی سے نبھایا ہے اور ہندی الفاظ و بحور کے ترنم سے تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔

سودا نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے ہندوستان کی بعض دوسری زبانوں میں بھی مرثیے کہے ہیں ۔ پوربی اور پنجابی میں اُس کے مرثیے پائے جاتے ہیں ۔ ان میں نہ تو کوئی ادبی خوبی ہے اور نہ کوئی خاص جدت ۔ ان زبانوں میں مرثیہ گوئی کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آئی ۔ اغلب ہے محض بخیال ثواب یہ زحمت اٹھائی

Marfat.com

ہو۔ اس زمانے میں پوربی اور پنجابی عوام دہلوی روزمرہ اور محاورے میں شہادت کے واقعات کو سمجھ نہیں سکتے ہوں گے اس لئے اُن کی خاطر انھیں کی زبان میں مظلومین کربلا کی دلدوز بپتائیں سنائی ہیں لیکن چونکہ یہ زبانیں غیر تھیں اس لئے ان میں کامیابی دشوار تھی۔

Marfat.com

سلام

سودا کے کلیات میں بارہ سلام پائے جاتے ہیں۔ ان کی دو شکلیں ہیں، نو سلام تو منفردہ ہیں یعنی غزل یا قصیدے کی طرز میں ہیں۔ بقیہ تین مربع ہیں۔ بعض اہل تنقید (خصوصاً مولوی شبلی اور مولوی سلیم) نے سلام کے باب میں لکھا ہے کہ یہ صنف نظم لکھنؤ میں ایجاد ہوئی اور اسے مرثیہ گو وجود میں لائے۔ اس کی ایجاد کا زمانہ وہ ہے جب کہ لکھنؤ میں غزل گوئی کا عام چرچا تھا۔ وہ مرثیہ گو شعرا جنھوں نے مرثیہ گوئی کو اپنا فن بنا لیا تھا اور جو غزل گوئی کی استادانہ قابلیت رکھتے تھے لیکن فن مرثیہ گوئی کے حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے انھوں نے مرثیہ کے علاوہ کہ جس میں مسلسل واقعات کا بیان خاص انداز میں مسلسل ہوتا تھا، غزل کا ایک پیرایہ اختیار کیا، جس میں شہادت کے متعلق جستہ جستہ خیالات ادا ہو سکتے تھے۔ اس کا نام انھوں نے سلام رکھا۔ اس کا ڈھانچا ایسا تیار کیا کہ غزل کے عاشقانہ مضامین کو چھوڑ کر دیگر جذبات واردات قلب، حکیمانہ خیالات، فلسفیانہ نکات اور اخلاقی و معاشرتی مضامین بھی بے تکلف سما سکیں۔ غزل گوئی کی محفل مشاعرہ کہلاتی ہے اور سلام کی مسالمہ۔ یہ مولوی سلیم اور مولوی شبلی کی رایوں کا خلاصہ تھا جو ہم نے اوپر درج کیا ہے، ہمیں ان بزرگوں کی رائے سے اتفاق نہیں۔ صنف سلام جب عالم وجود میں آئی تو

Marfat.com

صرف غزل کی شکل تک محدود نہیں رہی بلکہ مرثیے کی طرح اس کو کسی قدر وسعت دی گئی۔ چنانچہ خود سوداؔ کے سلام غزل نما شکل کے علاوہ مربع صورت میں بھی موجود ہیں۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ غزل گوئی کے چرچے سے متاثر ہو کر مرثیہ گویوں نے سلام کو غزل کی طرز اور جواب میں ایجاد کیا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ سلام کے جو لوازم اور مہمات موضوع حال کے سلام گو شعرا نے مقرر کر لئے ہیں ان کی سوداؔ کے زمانے میں تحدید و تعین نہیں ہوئی تھی۔ اس کے زمانے میں سلام کہنے کا مدعا صرف یہ تھا کہ شہیدان کربلا اور خصوصاً امام حسینؑ کی جناب میں عقیدتمندانہ سلام و نیاز کا تحفہ بھیجا جائے جیسا کہ اس زمانے کے شاعروں کے اور خصوصاً سوداؔ کے ہر سلام سے ثابت ہے۔ سوداؔ کے مشہور ہمعصر میرؔ نے بھی سلام لکھا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ رسالہ سبیل ہدایت میں تقی کا جو سلام درج ہے اس سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے۔ میر کا ایک مربع سلام رسالہ اُردو بابت جنوری ۱۹۳۱ء میں چھپ چکا ہے۔ ہم ایک بند نقل کرتے ہیں :۔

درویش بے بضاعت ہے میرِ دست کوتہ
غیر از سلام تحفہ رکھتا نہیں ہے کچھ وہ
ہر لحظہ اور ہر دم ، ہر گاہ اور بے گہ
اے شاہ دوسرا کے تجھ کو سلام پہنچے

ان شواہد کی موجودگی میں یہ کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ غزل کے طرز اور جواب میں سلام کی ایجاد ہوئی۔ یہ ممکن ہے کہ لکھنؤ کے بعد کے مرثیہ گویوں نے خاص موضوعات اور خاص لوازم مقرر کر لئے ہوں، لیکن سوداؔ کے زمانے میں یہ التزام نہیں تھا۔ سلام کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ پرخلوص اور مودبانہ

Marfat.com

تسلیم و نیاز۔ اُس زمانے میں مرثیہ گو غزل کو حقیر جانتے تھے۔ مشہور مرثیہ گو شاعر تقی نے لکھا ہے:-

میں اِس کو جو اک طول دے کر ہے لکھا
غزل نہیں ہے، ہے مرثیہ نام اس کا
ذرا منصفوں سے ہے اب اِس کا دعوا
بیان شہادت کا اک یہ ہی ڈھب ہے

اِن حالات میں غزل کی تقلید اور ریس کرنا اور اس کے جواب میں سلام کو لاکھڑا کرنا مرثیہ گو ہرگز پسند اور گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ سودا کے زمانے میں مرثیہ پڑھنے سے پہلے تعظیماً سلام پڑھا جاتا تھا۔ خود اس نے ایک سلام کے خاتمے پر اِس کی طرف اشارہ کیا ہے:-

یہ سودا عرض بعجز و نیاز کرتا ہے
شروع مرثیہ ہونے کو اب تمام سلام

سلام کہنے کا یہی ایک مدعا تھا اور چونکہ ابھی اس کی ابتدا تھی اس لئے اس میں جدت کے نئے نئے پہلو داخل نہیں ہوئے تھے۔ سودا کے سلام بھی اِس بلند آہنگی نازک خیالی، شانِ وشکوہ، دلی جذبات اور حکیمانہ خیالات وغیرہ کے اظہار سے خالی ہیں جو ہم متاخرین شعرا کے سلاموں میں پاتے ہیں۔ زبان پاکیزہ اور سادہ ہے اور مضمون کو صفائی اور خلوص سے ادا کیا ہے۔ سلام کی ابتدائی نشو و نما میں اس سے زیادہ توقع رکھنی کسی طرح جائز نہیں۔ ہمیں اس زمانے پر نظر رکھنی چاہیئے، موجودہ معیار پر اس زمانے کی شاعری کو جانچنا ایک حد تک ناانصافی ہے۔ ہم چند نمونے

Marfat.com

ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے سودا کی سلام گوئی کا اندازہ ہوگا :-

نبی کے نور بصر پر کہو درود وسلام
علی کے لخت جگر پر کہو درود وسلام
کہے ہے عرش کے سکان سے سدا جبریل
امام جن وبشر پر کہو درود وسلام

تجھ پہ رو رو جب کہے ابر سیہ پوش السلام
بولے اوس کے ساتھ برق شعلہ بردوش السلام

ادب سے بھیجے ہے تجھ پر ترا غلام سلام
قبول ہو تری خدمت میں یا امام سلام

آتے تھے جس کے در پہ مدینے میں صبح وشام
آدم سے لے کے حور و ملک جملہ خاص و عام
غلطاں ہے خاک وخون میں دو جگ کا وہ امام
اس شاہ اولیا کو خدا کا سلام ہے

حسنین کی جناب کا جو کوئی غلام ہے
اون کے غلام کا یہ غلام اب مدام ہے
وہاں عرض بندگی کا مری صبح وشام
جن کی جناب میں خدا کا سلام ہے

Marfat.com

کلام پر ایک عمومی رائے

ہر صنف نظم پر تفصیل سے تنقیدی بحث کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سودا کے کلام پر عمومی حیثیت سے نظر ڈالی جائے۔ اس کے متعلق آزاد نے چند سطروں میں بڑی صائب رائے دی ہے، جس پر ہمارے خیال میں یہاں کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ آزاد کی یہ رائے ایک لحاظ سے ہماری پوری تنقیدی بحث کا لب لباب ہے، البتہ شعر کے لفظی، بیانی، اور عروضی معیار کے متعلق کسی قدر مزید وضاحت درکار ہے۔ اس کا صحیح اندازہ ناظرین کتاب کو سودا کے تنقیدی رسالوں عبرۃ الغافلین اور سبیل ہدایت سے بخوبی ہوگا۔ شعر کے معائب و محاسن کے متعلق سودا کے جو خیالات ہیں ان کو ہم نثر فارسی کے تحت قلمبند کریں گے، چونکہ سودا کی فارسی نثر میں تنقید شعر وغیرہ کے متعلق چند مضامین بحث طلب ہیں، اس لئے وہاں ان کا بیان برمحل ہوگا۔ یہاں پہلے آزاد کی رائے نقل کی جاتی ہے، اس کے بعد اساتذۂ فن کے ان اعتراضات پر نظر ڈالی جائے گی جو کلام سودا پر وارد ہوئے ہیں۔ آزاد کی رائے ہے:۔

"اہل سخن کا اتفاق ہے کہ مرزا اس فن میں استاد مسلم الثبوت تھے۔ وہ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے واسطے پیدا ہوئی تھی .....

Marfat.com

ان کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا ۔ اس پر سب رنگوں میں ہمرنگ اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ ۔ جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش و خروش لبریز ۔ نظم کی ہر فرع میں طبع آزمائی کی ہے اور کہیں رُکے نہیں چند صفتیں خاص ہیں جن سے کلام ان کا جملہ شعراء سے ممتاز معلوم ہوتا ہے ۔ اول یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریباں ہے جیسے آگ کے شعلے میں گرمی اور روشنی ۔ بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہیں گویا ولایتی طپنچہ کی چانپیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ خاص ان کا حصہ ہے چنانچہ جب ان کے شعر میں سے کچھ بھول جائیں تو جب تک وہی لفظ وہاں نہ رکھے جائیں شعر مزا ہی نہیں دیتا ۔ خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہیں مگر اس باریک نقاشی پر ان کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہے ۔ تشبیہ اور استعارے ان کے ہاں ہیں مگر اس قدر کہ جتنا کھانے میں نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ ۔ رنگینی کے پردے میں مطلب اصلی کو گم نہیں ہونے دیتے ۔ ان کی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی نئے نئے خیال اور چٹخنے قافیے جس پہلو سے جمتے دیکھتے تھے جما دیتے تھے اور وہی ان کا پہلو ہوتا تھا کہ خواہ مخواہ سننے والوں کو بھلے معلوم ہوتے تھے یا زبان کی خوبی تھی کہ جو بات اس سے نکلتی تھی اس کا انداز نیا اور اچھا معلوم ہوتا تھا ان کے ہمعصر استاد خود اقرار کرتے تھے کہ جو باتیں ہم کاوش اور تلاش سے پیدا کرتے ہیں وہ اس شخص کو پیش پا افتادہ ہیں "

سوؔدا کے کلام پر تذکرہ نگاروں نے طرح طرح سے رائے زنی کی ہے ۔ اور اکثر اساتذہ فن نے میرؔ اور سوؔدا کا مقابلہ و موازنہ کیا ہے ۔ اکثر تذکرے شائع ہو چکے ہیں اور بہت سی کتابوں میں ان اساتذہ کی رائیں یکجا مل جاتی ہیں ۔ ایسی صورت

Marfat.com

میں ان تمام آرا کو نقل کرنا اور ان پر جرح و تنقید کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ تاہم یہاں انشا، رنگین اور قدرت اللہ شوق کے ان اعتراضات پر نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو سودا کے کلام پر عروضی و لسانی اعتبار سے وارد ہوئے ہیں۔

انشا نے لکھا ہے کہ مرزا سودا "لپک، جھپک والے قصیدے میں کٹک بمعنی لشکر محض قافیے کی ضرورت سے استعمال کر گئے ہیں۔ کٹک ہرگز اردو کا لفظ نہیں، اس کے ثبوت میں ایک تو سکندر کا مارواڑی زبان کا مرثیہ پیش کیا ہے۔ اور دوسری سند بخت سنگھ مارواڑی کی نثر سے پیش کی ہے۔ انشا نے یہ عجیب بات لکھی ہے۔ کٹک سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور ہندوستان کے مختلف صوبوں کی بولیوں میں وہیں سے آیا ہے۔ قدیم اردو شاعروں نے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے چنانچہ سودا اور سکندر سے تقریباً ایک سو سال قبل نصرتی نے بھی اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ اس کے سوا قدیم اردو لغت کی کتابوں میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے ایسی صورت میں اس کو خالص مارواڑی زبان کا لفظ کہنا صحیح نہیں۔

انشا نے متروکات کے سلسلے میں مرزا و میر کے بارے میں لکھا ہے کہ "ان صاحبوں کا احسانمند ہوں کہ انھوں نے کئی نامعقول الفاظ ترک کر دیے"۔ ان نامعقول الفاظ سے انشا کی مراد ایہام گو اساتذہ کے کلام کے قدیم الفاظ ہیں مثلاً "منے" بمعنی میں۔ "درمیان"، "سرجن"، "پی"، "پیتم" بمعنی محبوب، وغیرہ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ سودا کے کلام میں "سے" کے بجائے "ستی"، "سینی" اور "میرے دل" کے بجائے "مجھ دل" ملتا ہے۔ ان کے استعمال کو سید انشا زیادہ لائق اعتراض نہیں سمجھتے ہیں۔ لیکن محبوب کی جمع محبوباں کو سوائے مضاف الیہ کراہت سے خالی نہیں جانتے ہیں۔ حیرت ہے کہ انشا جیسے محقق کی نظر لسانی تغیرات پر نہیں پڑی۔ زندہ زبان میں متروکات کا

Marfat.com

سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہ تغیرات زبان کی زندگی کی علامت ہیں۔ انشا نے اپنے زمانے کے معیار پر ان اساتذہ کے کلام کو جانچا ہے جو ہمارے خیال میں کسی طرح صحیح نہیں۔ عہد محمد شاہی کی زبان کو سودا اور ان کے معاصرین نے پاک صاف کیا ہے۔ خود سید انشا چند سطروں قبل لکھ گئے ہیں "ریختہ کے باغ کو عیبوں کے کانٹوں اور کوڑے کرکٹ سے صاف کرنے والے یہی اصحاب ہیں" سودا کی شاعری کا آغاز عہد محمد شاہی میں ہوا تھا اگر اس دور کے چند الفاظ اس کے اسی زمانے کے کلام میں مستعمل ہو گئے تو یہ کون اعتراض کی بات ہے۔ اس زمانے میں یہ الفاظ برابر مستعمل تھے۔ چنانچہ اس دور کے اساتذہ کے دواوین اٹھا کر دیکھئے تو بے تلاش بہت سے الفاظ مل جائیں گے۔ یہ الفاظ انشا کے زمانے میں بیشک متروک ہو گئے تھے۔ لیکن جس زمانے میں ان کا چلن تھا تو اس زمانے میں ان کو متروک سمجھنا کسی طرح جائز نہیں۔ اسی طرح محبوب کی جمع محبوباں اس زمانے میں عام اور رائج تھی۔ زبان کے بعض قواعد بھی انشا کے زمانے میں منسوخ ہو گئے لیکن سودا اور اس کے معاصرین کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نافذ تھے۔

شوق نے ذیل کے شعر پر قواعد زبان کے لحاظ سے اعتراض کیا ہے:

دل نے کہا یہ مجھ سے کہ میں کیا کروں نثار

آویں اگر جو حضرت سودا ادھر کہیں

"اگر" اور "جو" دونوں کلمات شرط ہیں۔ ان میں سے ایک زائد ہے معلوم ہوتا ہے کہ شوق کے پیش نظر کوئی صحیح نسخہ نہ تھا۔ اصل مصرع اس طرح ہے:

آویں کبھو جو حضرت سودا ادھر کہیں

انشا نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے "مرزا نے تھوڑی کی "ڑ" کو دائے مہملہ بنا کر گوری کے ساتھ قافیہ کیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اردو شعر کی بنیاد فارسی

شعر پر رکھی گئی ہے۔ دونوں کا ڈھانچا تقریباً ایک ہے۔ فارسی کے گوناگوں عناصر اُردو کے خمیر میں داخل ہیں۔ فارسی میں چونکہ "ڑ" کا وجود نہیں ہے اس لئے فارسی والے اپنی "ر" سے اس کا کام لیتے تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حساب جمل میں بھی "ڑ" کو "ر" کا ہم عدد سمجھا گیا اور اب تک سمجھا جاتا ہے اسی طرح ٹ، ڈ وغیرہ کو ت، د وغیرہ کا ہم عدد اور بدل سمجھا جاتا ہے۔ یہ ابتدا سے چلا آرہا تھا۔ صرف سوداؔ نے بہ ضرورت شعری ایسا نہیں کیا ہے بلکہ قدیم شاعروں کے کلام میں بھی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ سوداؔ کا ایک شعر ہے :-

عاشق تو نامراد ہیں پر اِس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

شوقؔ نے اعتراض کیا ہے کہ "تمام غزل میں قافیہ کا مدار کاف بیانیہ "کہ" پر ہے لیکن دوسرے مصرعے میں "کے" ہے جو مائل بہ نقصان ہے، لیکن چونکہ دونوں تلفظ میں یکساں ہیں اس لئے شاید شاعر نے جائز رکھا ہے"۔ قدیم اساتذہ نے ان دونوں کو ہمیشہ ہم قافیہ کیا ہے۔ سوداؔ کے زمانے تک یہ جائز تھا، لیکن اس کے بعد بہت جلد ان دونوں میں امتیاز پیدا ہو گیا تھا۔

ایک اور شعر ہے :-

غنچہ کو مسکرا کے اسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

شوقؔ نے مصرع اولیٰ کے لفظ "اسے" کو بیکار محض لکھا ہے لیکن شوقؔ نے مصرع اولیٰ کو غلط نقل کیا ہے۔ قدیم مستند قلمی دیوانوں میں "غنچہ کو" کی بجائے "غنچے سے" ہے۔ اس صورت میں "اسے" کا استعمال کچھ زیادہ بے محل نہیں معلوم ہوتا۔

Marfat.com

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو الطاف
جھوٹی بھی تسلی ہو تو ضائع تو نہوں میں

شوق نے لکھا ہے کہ لفظ "مچ" کے معنی سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہر لفظ کے ساتھ ہندوستان میں اس کا ہموزن مہمل لفظ لاتے ہیں اس لئے شعر میں بھی اس کا موزوں ہو جانا مضائقہ نہیں رکھتا ہے۔ جب اساتذہ کے شعر میں واقع ہوا ہے تو عوام کے لئے سند ہے۔"

شوق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تابع مہمل کا استعمال اس وقت تک صرف بول چال میں عام تھا اور نظم میں عام نہ ہوا تھا۔ سودا نے استعمال کر کے نظم میں اس کو رواج دیا ہے۔

انڈیا آفس میں سودا کے اس "کافیہ" قصیدے کا ایک نسخہ ہے جو نواب غازی الدین خاں عماد الملک کی شان میں تحریر ہوا ہے۔ اس کے حاشیے پر رنگین نے قصیدے کے اشعار میں شمشیر خاں نامی کسی شخص کے ایما سے اصلاح دی ہے۔ قصیدے کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:-

صبح ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی وہیں آ کے خوشی نے در دل پر دستک
پوچھا میں کون ہے بولی کہ میں وہ ہوں غافل
نہ لگے شوق میں جس کے کبھی شایق کی پلک

رنگین نے پہلے مصرعے میں "صبح" کی بجائے "فجر" کو ترجیح دی ہے اور تیسرے مصرعے کو اس طرح اصلاح کر کے لکھا ہے:-

میں نے پوچھا کہ تو ہے کون وہ بولی وہ ہوں

رنگین کے اعتراضات کی نوعیت اوپر کی اصلاحوں سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس نے لفظی اصلاحیں کی ہیں اور اشعار کی لفظی بندشوں میں الٹ پھیر کیا ہے۔ اور یہ محض اس وجہ سے کہ رنگین کے زمانے تک قواعد زبان وغیرہ میں کافی انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ "پوچھا" متعدی فعل ہے، جس کے ساتھ "نے" کا استعمال ضروری ہے۔ سودا کے زمانے تک اس علامت کے استعمال کی اتنی شدید پابندی نہ تھی۔ رنگین کی نظر میں اس علامت کا حذف درست نہیں ہے اس لئے اس نے اس مصرعے کو بدل دیا ہے۔

اوپر کے تمام اعتراضات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ نکتہ چینوں اور اہلِ تنقید نے یہ غور نہیں کیا کہ سودا کا زمانہ قدیم ہے۔ اس نے اردو شاعری کے دو دور دیکھے ہیں۔ قدیم دور یعنی عہد محمد شاہی کی زبان کے اثرات اس کے کلام میں لازماً موجود ہونے چاہئیں۔ جن اشعار پر نکتہ چینی کی گئی ہے ان میں سے اکثر ابتدائی زمانے کے کہے ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تمام اعتراضات قدیم قواعد، الفاظ وغیرہ پر ہیں، جن کو غلط، نادرست وغیرہ کہنے کا حق بعد کے زمانے والوں کو حاصل نہیں ہے۔ یہ تمام چیزیں اپنے دور میں رائج تھیں، اور مستند سمجھی جاتی تھیں۔ اگر ہم قدیم اساتذہ کے کلام کو اپنے زمانے کے معیار پر زبان و بیان اور قواعد وغیرہ کے اعتبار سے جانچیں گے تو تمام قدیم دفتر مہمل و بے معنی اور غلط و لغو ہو جائے گا۔

Marfat.com

(ب) فارسی کلام

سوداؔ کی فارسی شاعری پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اس کی تصانیف کے سلسلے میں اس کے فارسی کلام کا حال لکھ آئے ہیں۔ یہاں اس پر اس اعتبار سے نظر ڈالنی ہے کہ اس میں اس کا کیا پایہ ہے۔ سوداؔ مغل زاد تھا۔ فارسی زبان سے اسے نسلی تعلق تھا۔ اس کا نانا نعمت خان عالی اپنے وقت کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا۔ اس لحاظ سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ فارسی شاعری کا ذوق اسے ورثہ میں ملا تھا، فارسی میں طبع آزمائی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ثابت کیا ہے سوداؔ نے فارسی کو کم التفاتی سے دیکھا اور رسالۂ عبرۃ الغافلین میں فارسی سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے تئیں "مرزا رفیع ریختہ گو" لکھا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے کلام میں غیر معمولی خوبیوں کو تلاش کرنا بے سود ہے، تاہم اس کے فارسی کلام میں وہ تمام خصوصیات اور لوازم موجود ہیں جو اس زمانے میں شعر کے خصائص میں داخل تھے۔ سوداؔ کا فارسی دیوان نہایت مختصر ہے، جس میں اس کا کوئی خاص رنگ نہیں اور نہ اس نے اس میں کوئی امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی، البتہ اس میں زبان و بیان کی پختگی موجود ہے اور ادائے خیال کے سانچے بھونڈے نہیں،

Marfat.com

اس کے فارسی کلام میں اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی اردو شاعری کی صفات موجود ہیں۔ اکثر خیالات کی لے وہی ہے جو اردو کلام میں ہے اور اسلوب بیان بھی وہی ہے جو اردو کا ہے، اردو کلام میں شاعرانہ خیالات اور طرز بیان لطف دے جاتا ہے لیکن فارسی جیسی ترقی یافتہ زبان میں کہ جس میں شاعرانہ خیالات اور اسالیب بیان کا وافر ذخیرہ قدیم سے موجود ہے اس کا کوئی خاص حسن نظر نہیں آسکتا۔

سودا کا فارسی کلام غزلوں، ایک قصیدے اور چند قطعوں پر مشتمل ہے اردو غزل میں ہم گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بحث کر آئے ہیں فارسی میں بھی خیالات اور اسالیب کی وہی حیثیت ہے جو اردو غزل میں ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں:۔

من بساط عیش خود را بر نہ چینم تا کجا
خندہ زن برشادی من اہل ماتم تا کجا

حسن جائے عشق میگیرد کہ بعد از کوہکن
نقش شیریں را بہ بیں در کوہساری ماندہ است

گر لذت در د کف پا را کنم اظہار
ہر خار بہ نرخ گل و گلزار فروشند

در میکدۂ ما چو رسیدی ز حرم باش
ایں خانہ چو آں خانہ نہ تنگ ست تو ہم باش

در محفل مستاں بہ ازیں پیشکشے نیست
یک جام بگیر از من و ہم پہلوئے جم باش

Marfat.com

احوال خود ز تیغ تو دیگر نگفتہ ام
تسکین دل بداں کہ مکرر نگفتہ ام
رنگیں تراست قصۂ دل خوں شدن زگل
لیکن بپاس خاطر دلبر نگفتہ ام

چہرہ ات را شعلہ کس میگفت وکس مانند شمع
ہمچو تشبیہات بیجا بود و من میسوختم
عالم آب امشب آتش زد مرا در بزم او
با رقیباں بادہ پیما بود و من میسوختم

حسن و عشق کے عام مضامین کے سوا فارسی غزلوں میں چند اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں ایام جوانی کے گزر جانے کے رنج، بڑھاپے کے احساس اور یاران رفتہ کے غم کا اظہار کیا ہے :-

در فراق رفتگاں با غم نسازم تا بکے
در مقام فرقتت چندیں بگریم تا کجا
از بیاض عمر معنی ہائے رنگیں رفتہ است
یک ورق گردانی ماندہ است ایں ہم تا کجا
از تلاش و سعی سودا پا بکش پیرانہ سر
حلقۂ در با زدن با قامت خم تا کجا

غم ز ایام جوانی یادگاری ماندہ است
نشۂ مے شد بروں از پر خماری ماندہ است

Marfat.com

فارسی کلام میں ایک قصیدہ ہے جو ایک نو تعمیر مسجد کی تعریف میں ہے۔ اس قصیدے کے مقطع میں اس کی تاریخ تعمیر بھی کہی ہے۔ مطلع یہ ہے:۔

باعندلیب گلشن ایماں برابر است
گل بانگ مرغ خامہ ام اللہ اکبر است

اس قصیدے میں زبان و بیان کی وہ شان تو نہیں جو اردو قصائد میں پائی جاتی ہے تاہم خیالات و مضامین کے اعتبار سے قصیدہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مسجد کے گنبد کی تعریف کا کیا نازک پہلو نکالا ہے:۔

آید صدا ز گنبدش از جنبش نسیم
بنگر کہ شان رفعتم از عرش برتر است

اسی طرح مسجد کے ہر حصے کی تعریف کے نئے نئے پہلو نکالے ہیں:۔

بر سطح او مقابل محراب حوض نیست
چشم بر آب جانب ابروے دلبر است
دیدم چو عکس قبۂ زرین او در آب
پنداشتم کہ مہر بکوثر شناور است

اسی طرح مسجد کے تمام متعلقات کی تعریف کی ہے، اور تشبیہ و استعارہ سے کام لے کر مضمون کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کیا ہے:۔

جاروب صحن شکل خطوط شعاعی است
جاروب کش بصورت [illegible]عان خاور است

Marfat.com

آخری دو شعر یہ ہیں :۔

بودم دریں خیال در انجا کہ ظاهرا
باکعبہ ایں رواق مقدس برابراست
ناگہ بسجدہ از پے تاریخ حاجیے
سر را نہاد وگفت کہ از کعبہ بہتراست

فارسی کلام میں چند قطعات بھی داخل ہیں۔ ان میں بعض تاریخی ہیں اور ایک آدھ تہنیتی۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) قطعۂ تاریخ باغ بنا کردۂ ٹکیت رائے۔ (۲) قطعۂ تعریف چاہ آصف الدولہ۔ (۳) ایضاً۔ (۴) قطعۂ مبارک باد تولد شدن فرزند آصف الدولہ۔ (۵) قطعۂ وصف مسجد فیض آباد بنا کردۂ آصف الدولہ۔ (۶) قطعۂ تعریف مسجد مولوی فضل عظیم۔ باغ ٹکیت رائے کا قطعۂ تاریخ بطور نمونہ نقل ہے :۔

ٹکیت رائے مہاراجہ ساخت بستانے
چنانچہ گلشن فردوس ہم بوے نرسد
چو ام گشت مرا بہر سال تاریخش
خوشی رسید کہ او را سرورے نرسد
سر عدوے بہارش بریدم وگفتم
بگلشن تو الٰہی گزندے نرسد

تقریباً فارسی قطعات قیام لکھنؤ میں کہے گئے ہیں۔ ان میں تاریخ گوئی کی استادانہ مہارت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

(ج) ہندی کلام

ہندی کلام سے مراد وہ پہیلیاں ہیں جن پر ہم تصانیف کے سلسلے میں بحث کر چکے ہیں۔ ان پہیلیوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سودا کو ہندی زبان پر کافی عبور تھا۔ وہ بے تکلف اس زبان میں طبع آزمائی کر سکتا تھا۔ ہندی الفاظ اور ان کے معانی کے مختلف پہلو اس پر بخوبی روشن تھے۔ ان کے برجستہ استعمال پر وہ قادر تھا۔ ذیل کی پہیلیاں ٹھیٹ ہندی زبان میں ہیں، ان میں عربی فارسی زبان کی آمیزش نہیں۔

پہیلی چارپائی

سونے کی وہ نار کہاوے　　بنا کسوٹی بان دکھاوے

پہیلی نرگس

تریا ایک سبھا کے بیچ　　روپا سونا وا کے سیس
مینا جیسے وا کے پانوں　　چیری جیسے وا کا ناوں

پہیلی بورانی

آدھی بوبو ساری رانی　　جو بوجھے سو بڑا گیانی

Marfat.com

پہیلی ارگجا

آدھا ارنا سارا ہاتھی جن دیکھا ان لایا چھاتی

پہیلی قلم

سب تن ہاڑ پیٹ میں نسیں بن پگ چلے سیس لو کہیں
چلت چال جگت ابیدی کبھی الٹی کبھی سیدھی

بعض پہیلیوں میں عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے لیکن ان کا استعمال غیر موزوں نہیں معلوم ہوتا بلکہ طرز بیان کی خوبی میں وہ محسوس بھی نہیں ہوتا ہے۔

پہیلی انار آتشبازی

رات سمیں اک میوہ آیا پھولوں پاتوں سب کو بھایا
آگ دے وہ ہووے ددکھ پانی دے وہ جاوے سوکھ

پہیلی گھڑیال

اک راجا کے گھر میں رانی تلے کی پینڈی ہیوے پانی
لاجوں مارے ڈوبی جائے تا حق چوٹ پردیسی کھائے

پہیلی حمام

مندر ایک سکھی کا بنا یا ہیں پون نہ آوے گھنا
اس مندر کی ریت دیوانی آگ بجھاوے اور اوڑھے پانی

پہیلی روپیہ

گیارہ سال کا ایک کہاوے جا کو لاکا ادھا بھاوے
تول تال کے کیا پورا اس بن جگ کا کام ادھورا
جو کوئی ہم کو لائے دکھاوے وہ بے آخر پرکھ کہاوے

Marfat.com

بعض پہیلیوں کے عنوانات درج نہیں ہیں۔ ان کا بوجھنا خاص ذہانت کا محتاج ہے۔ سوداؔ کی یہ پہیلیاں کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سے سوداؔ کی ذہانت وطباعی کا اندازہ ہوتا ہے اور ہندی دانی کا ثبوت ملتا ہے، ان پہیلیوں میں بعض ایسے موضوعات پر ہیں جو تاریخی نقطۂ نظر سے خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ مثلاً ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھڑیال کی ساخت کس قسم کی تھی حمام کی تعمیری وضع کیا تھی۔ روپیہ کا وزن اور اس کی قدر کیا تھی۔ ان کے سوا بندوق، سپر، تیر و کمان، چاقو، قندیل، شمع، گلگیر، مقراض، پلنگ، بانسری، ستار، طنبورہ، نقارہ، آئینہ، عینک، قبلہ نما، بادکش، مہر چھاپ نگین، وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو اس زمانے کی تہذیب ومعاشرت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ سوداؔ نے ان چیزوں کو اپنی پہیلیوں میں بیان کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ پہیلیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں بلکہ تاریخی تحقیقات میں ان سے خاص مدد لی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

(د) نثر اردو

نثر اردو میں سوداؔ سے چند چیزیں منسوب کی جاتی ہیں جن کا ذکر تصانیف کے باب میں ہو چکا ہے۔ لیکن سوائے ایک نثری دیباچے کے اب تک کوئی دوسری اردو نثر دستیاب نہیں ہوئی ہے۔ یہ نثری دیباچہ سبیل ہدایت کی تمہید ہے۔ اس زمانے کی بہت کم اردو نثر کا پتا چلا ہے۔ حسن نے اپنے تذکرے میں فصوص الحکم کے اردو ترجمے کا ذکر کیا ہے جو محمد حسین کلیم نے کیا تھا۔ یہ ترجمہ اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ فضلی کی کربل کتھا بھی اسی زمانے کے لگ بھگ لکھی گئی ہے۔ سوداؔ کے دور کے ایک مشہور شاعر عزلت کے اردو دیوان کا دیباچہ بھی موجود ہے۔ عزلت ایک باکمال شاعر ہے۔ اس نے جو دیباچہ لکھا ہے اس میں بڑی رنگینی ہے۔ پڑھنے سے ایک خاص لطف آتا ہے۔ جملوں کی ساخت پختہ و بے رخنہ ہے، فقرے برجستہ و معنی خیز ہیں۔[1] ان کے سوا بھی بعض نثر کی کتابیں اور تحریریں ملتی ہیں جو اس دور میں قلم بند ہوئی ہیں لیکن ان کی نوعیت کئی لحاظ سے مختلف ہے اس لئے ان کا ذکر بے سود ہے۔ سوداؔ کے زمانے میں نثر اردو کا رواج نہیں ہوا تھا۔ نظم کا دور دورہ تھا، نثر کا کوئی خاص معیار قائم نہ

۱؎ نمونے کے لئے دیکھو راقم کا مضمون "سید عبدالولی عزلت" مطبوعہ مجلۂ عثمانیہ جلد سوم۔

Marfat.com

ہوا تھا ورنہ اس کا ڈھانچا تیار ہو اتھا۔ چند نثریں جو ملتی ہیں ان میں فارسی اسلوب کارفرما ہے۔ سودا کے دیباچے سے اس کا ثبوت بخوبی ملتا ہے۔ اس نثر کا ڈھانچا ہر حیثیت سے فارسی ہے صرف الفاظ اردو ہیں۔ ہم اس نثری دیباچے کو بجنسہ نقل کرتے ہیں جس سے فارسی عناصر کا نہایت صحیح اندازہ ہوگا اور معلوم ہوگا کہ اُردو نثر اپنی ابتدائی منزل فارسی کی رہنمائی میں کس طرح طے کر رہی تھی۔

ضمیر منیر پہ آئینہ داران معنی کے مبرہن ہو کہ محض عنایت حق تعالے کی ہے جو طوطی ناطقہ شیریں سُخن ہو پس یہ چند مصرع کہ از قبیل در ریختہ خامۂ دُرزبان اپنے سے صفحۂ کاغذ پر تحریر پائے لازم ہے کہ تحویل سخن سامعہ سنجان روزگار کروں تا زبانی اُن اشخاص کی ہمیشہ مورد تحسین و آفرین رہوں مطلع۔

قیمت و قدر شناسا سے پہنچے ہے بہم
ورنہ دریا میں خذف بھی نہیں گوہر سے کم

مضمون سینہ میں پیش از مرغ اسیر نہیں کہ ہو بیچ قفس کے جس وقت زبان پر آیا فریاد بلبل ہے واسطے کوس دادرس کے غرض جب اہل سخن کا در منصفی زینت لب ہے سررشتۂ حسن معانی کا اس کلام کی اس سے انصاف طلب ہے۔ اگر حق تعالیٰ نے صبح کاغذ سپید کے مانند شام سیہ کرنے کو یہ خاکسار خلق کیا ہے تو ہر انسان کے فانوس دماغ میں چراغ ہوش دیا ہے۔ چاہیے کہ دیکھ کر نکتہ چینی کرے ورنہ گزند زہر آلود سے بے اجل کا ہے کو مرے۔ ہر چند کلام استادان سلف پر بھی غلطی کا گمان ہے کس واسطے کہ انسان مرکب الخطاء والنسیان ہے لیکن خدائے تعالے نے جنھیں شعور کرامت کیا ہے وہ سمجھتے ہیں تا گہ اگر لکھنتی کی بدی سے قدرے زر قلب نکل آوے تو اس پر کسی کو خوض دغور نہیں اور جو خریطۂ صراف سے ایسا کچھ پائے تو او سے کہیں کھوٹ نہیں پس لازم ہے ذی ہوش

Marfat.com

کو ربط الفاظ سے معنی کو سمجھ کر دے تا وبال فیضان ناطقہ اپنی گردن پر نہ لے چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

ادل اندیشں انگہی گفتار   پائے پیش آمدست و پس دیوار

انسان کہ جس فن سے آپ کو کماینبغی ماہر نہ کرے چاہئے کہ اس میں اپنے حد سے سخن باہر نہ کرے گفتگوے جاہل پہلوے عالم مردہ الفعال بلکہ خموشی ہے اس کی برابر صد فضل و کمال۔

بات گر آوے تو چپ رہ کہ گماں کے نزدیک
سو طرح کا ہے سخن پردۂ خاموشی میں

اگر ناآگاہ جس فن کے آگاہی سے اس فن کی بونی بولے گویا ہر دو لب اس کے دروازۂ رسوائی کے پاٹ ہیں کہ عمداً اپنے منہ پر کھولے۔ بیت۔

طرفہ میوہ ہے یہ سخن اے دوست   مغز شیریں و تلخ جس کا پوست

مخفی نہ رہے کہ عرصہ چالیس برس کا بسر ہوا ہے کہ گوہر سخن عاصی زیب گوش اہل ہنر ہوا ہے، اس مدت میں مشکل گوئی دقیقہ سنجی کا نام رہا ہے اور سدا مرغ معنی عرش آشیاں گرفتار دام رہا ہے باوصف اس کے قول خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کیا ہے بلکہ تمام عالم کے سخن انصاف پر تلمیذانہ گوش دیا ہے۔ جس کی زبان پر قبیل اعدا سے حرف واقعی اور منصفانہ جاری ہوا ہے باللہ کہ مرتبہ من تعلم حرفاً فہو مولاہ طاری ہوا ہے اور بے اختیار زبان سے یہ مصرع ہوا ہے سرزد۔ ع

واے برجان سخن گر بہ سخنداں نرسد

لیکن مشکل ترین دقائق طریق مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی سے دیا چنانچہ اس کام میں محتشم سا کسو نے عز قبول نہیں پایا ہے اسی مغفور مرحوم نے یہ فرمایا ہے۔

Marfat.com

جمعی کہ پاس محمل شان داشت جبرئیل
گشتند بے عماری و محمل شتر سوار

پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیے کہے نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے۔ نادر مقالہ ہے کہ عقلا جو نہ سمجھیں اور ضبط تضحیک و قصد بکا میں رہیں اس کا سیاق و سباق جہلا دریافت کریں اور پھوٹ بہیں۔ بیت:

یاں تلک رتبہ سخن پہنچا   معنی لفظوں سے ہوتے ہیں روپوش

Marfat.com

(۵) نثر فارسی

نثر فارسی میں رسالہ عبرۃ الغافلین کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ دو جگہ سودا کے حالات اور اس کی تصانیف کے سلسلے میں آچکا ہے۔ اس رسالے کی اہمیت کے گوناگوں پہلو ہیں۔ یہ تنقید شعر کا نمونہ ہے۔ ہمارے شعرا جس نقطۂ نظر سے شعر کہتے اور سمجھتے تھے اس کا صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے اور وہ شعر کو جس طرح لسانی، بیانی، لفظی و عروضی اعتبار سے سنوارتے اور جانچتے تھے اس کا اصل معیار ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی روشنی میں سودا کے خیالات محاسن و معائب شعر کے بارے میں معلوم ہو سکتے ہیں اور اس کے کلام کا صحیح مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ اشعار جن کو ہم اپنے زمانے کے مذاق و معیار کے مطابق معانی و مفہوم کا جامہ پہناتے ہیں ہمیں اصل رنگ میں نظر آتے ہیں اور ہمیں تعبیر و تاویل اور قیاس و گمان سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہیں پڑتی۔ اس سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ سودا نہ صرف فطری شاعر تھا بلکہ فن سخن کے اصول و فروع سے بھی خوب واقف تھا۔ اس کے پیش نظر تنقید شعر کا ایک معیار تھا۔ وہ شعر کے تمام لفظی، بیانی اور عروضی دقایق و نکات سے باخبر تھا۔ اس سے اس بیان کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ وہ جاہل و بے علم تھا۔ اس نے فارسی شاعری

Marfat.com

کا استادانہ مطالعہ کیا تھا اس کے پیش نظر اساتذۂ فارسی کا کلام تھا۔ وہ اسکی باریکیوں اور نزاکتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ فارسی نظم کی طرح نثر لکھنے پر بھی قادر تھا۔ اس نے رسالے میں تنقیدی مباحث کو بڑی خوبی سے قلمبند کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف تنقیدی گروں سے واقف تھا بلکہ تنقید کے نازک مضامین اور شوشگافیوں کے اظہار کے لئے اپنے پاس الفاظ و اسالیب کا کافی ذخیرہ رکھتا تھا۔ اس کے الفاظ سنجیدہ و متین اور پیرایۂ بیان پختہ ہے۔

پہلے ہم اس کی عبارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کے اسلوب بیان کا اندازہ ہوگا۔ اس کے بعد اس رسالے کے تنقیدی مباحث کا خلاصہ درج کریں گے تاکہ شعری معائب و محاسن کا معیار ہمارے پیش نظر ہو جائے۔

• برارباب فہم و ذکا مخفی نماند ہر دردمندے کہ بخود وارسید بدرد دلہا رسید و تا بدرد دلہا رسید بخدا رسید پس ہر زبان راستی بیان خدا رسیدگان درکلام اساتذۂ مسلم الثبوت حرف جا و بیجا بے تامل نمیگذرد و میدانند۔ بیت۔

ہر کہ سخن را بہ سخن ضم کند

قطرۂ از خون جگر کم کند

و بر دل آگاہ ایشان روشن است جمعی کہ در فن سخن لبہائے دریدہ دہنان را دوختہ کوس لمن الملک الیوم کوفتہ از دار الفنا بدار البقا پیوستہ اند از آنہا انحراف ورزیدن کار خردمنداں نیست کہ نفوس نفیسہ مذکورہ علت غائی ایجاد سخن و صیادِ مرغ معنی عرش مسکن اند و عقیدۂ ایں ہیچمدان نیز ہمیں است جائے کہ شاہبازِ خیال قدرت آنہا بال افشان است ما نجشک طبعان را چہ یارا کہ زیر سایۂ او پر زنیم اگر میلان طبیعت کسے بہ سخن طرازی و نکتہ رسی باشد باید کہ شیرۂ جان را در متابعت ہمچو کسان صرف نماید و ماورائے ایں اگر باقلیم سخن پا گذارد و پہلو نشینی اہل

Marfat.com

معانی دستش ندہد باید کہ دریں راہ برنقش قدم آنہا جبین سائیدہ پیروی کند تا از نشیب و فراز راہ سخن لغزشے نخورد و سرنگوں نیفتد عیاذاً باللہ اگر کسے سوائے طریق آنہا بعمل آرد بجز مایۂ انفعال و رسوائی بدست نیارد سر بجیب فرو بردگان ایں طایفہ گرداب دریائے بلا انداز نہار بے آشنائی ایں ہا پے سپری ننمائی تا غرق نشوی و تلاطم امواج طبیعت آنہا کوہ را از جامے بردنا بہ کاہ چہ رسد؟

دیباچے کی ابتدائی سطریں وہی شان رکھتی ہیں جو اس زمانے میں فارسی نثر کی تھی یعنی پیچیدہ جملے، تشبیہ و استعارہ کی بھرمار، رنگین و خوبصورت الفاظ کی کثرت۔ یہ اس زمانے کا عام رنگ تھا۔ مضمون کوئی ہو لیکن عبارت کی یہی شان تھی۔ سودا نے دیباچے میں عام رنگ کا اتباع کیا لیکن جہاں اصل مطلب پر آیا ہے وہاں اس روش کو چھوڑ دیا اور عبارت کی سادگی و راستی اختیار کی، چنانچہ اشرف علی خاں کے مرتبہ تذکرے کے متعلق جو سطریں لکھی ہیں اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

اشرف علی خاں نامی مرد بزرگ از خاندان عمدہ کہ آشنائے دیرین ایں احقر اند از تذکرہ ہائے قدیم و جدید بمشقت پانزدہ سال قریب الک بیت در تذکرہ خود تالیف نمودہ بخدمت میرزا فاخر صاحب متخلص بہ مکیں سلمہ اللہ الواہب آوردند و الحاح و سماجت برائے تصحیح بردند میرزا صاحب فرمودند کہ مارا دماغ نیست خوب ایں کار را برائے خاطر شما بشرطے قبول کنم کہ اشعار تمام شعرائے ہند را از فیضی و غنی و نسبتی و ناصر علی و بیدل و سراج الدین علی خان آرزو و میر شمس الدین فقیر گرفتہ یک قلم خط بکشم۔ مگر تصحیح و انتخاب اشعار شعرائے اہل ولایت خواہم نمود خان مذکور با ستماع ایں حرف بے معنی تذکرہ را برداشتہ آوردند و قبول نمودند بعد از چند سال سی جزو تذکرہ را بخدمت شیخ آیت اللہ صاحب متخلص بہ ثنا برائے

Marfat.com

تصحیح بردہ بودند، چنانچہ شیخ صاحب مذکور چند جزو بصحت رسانیدند بعدہ اتفاق رفتن ایشان از لکھنؤ بطرف فیض آباد افتاد۔ بعد ازاں ناچار شدہ باز بخدمت میرزائے موصوف تذکرۂ مسطور را خان بردند و التماس نمودند کہ شعر غلط را صحیح نمایند و مکرر را مکرر بنویسند۔ میرزا صاحب اجزا را کہ شیخ آیت اللہ صاحب تصحیح نمودہ بودند ملاحظہ کردہ فرمودند کہ ایں تذکرہ را آں زمان بصحت میرسانم کہ یک نوشتہ در باب سماجت خود بدہید، چنانچہ خاں مذکور نوشتہ دادند چون نوشتہ ملاحظہ نمودہ شد بے دماغانہ از دست انداختند و فرمودند قسمے کہ من می گویم نوشتہ بدہند۔ ایشان گفتند کہ ہر چہ بفرمایند ہماں قسم نوشتہ بدھم۔ میرزا صاحب فرمودند چنیں نوشتہ بدہید۔ مسودۂ زبانی میرزا فاخر کہ سابق تذکرہ را بخدمت افصح الفصحا و ابلغ البلغا میرزا صاحب مشفق کرم فرما میرزا فاخر صاحب سلمہ اللہ الواہب برائے تصحیح اشعار و عبارت بردہ بودم ایشان لبسبب کثرت اشغال فرصت نیافتہ ناچار سی جزو تذکرہ را نزد شیخ آیت اللہ ثنا کہ گمان اوستادی بر ایشان ہم داشتم بردہ بودم۔ ایشان تا مدت دیدہ بعضے جاہا کہ بود آنرا صحیح دانستہ درگذشتند و بعضے جاہا غلط دانستہ بہ تصحیح پرداختند آنرا غلط تر نمودند لہٰذا مرتبۂ ثانی بہ حد سے وآرزوئے تمام بخدمت فیض موہبت میرزا صاحب کہ دریں فن استاد اند و مثل ایشان دریں جزو زمان دریں شہر صاحب کمال دیگر نیست برائے تصحیح بردم "

اوپر جو نمونے درج ہوئے ہیں وہ سب تمہیدی ہیں۔ تنقیدی بحث کے اظہار میں سودا نے جو پیرایہ اختیار کیا ہے، اس کا ایک آدھ نمونہ ملاحظہ ہو۔ فاخر مکیں کا ایک شعر ہے:۔

شب دل از آشفتگی گیسوے او در خواب دید
صبح از بیدار بختی روے او در خواب دید

سودا نے اس پران الفاظ میں اعتراض کیا ہے :-

"سوائے الفاظ متناسب ہیچ معنی ازیں مطلع بفہم ناقص عاصی پیدا نیست - نتیجۂ بیدار بختی ایں نیست کر رو سے اورا نیز بخواب بیند، بلکہ بایشے کہ روز انہ بظاہر ملاقات گل تمنا بچیند و گونہ بیدار بختی را بدتر از آشفتگی دل باید دانست لازم کہ سخن سنجاں بچشم دل ملاحظہ نمایند و بگوش ہوش بفہمند، دیگر آنکہ مضمون ایں بیت علی الرغم و خلاف مضامین اوستادان سابق است - ہر یکے عاشق را بہ بیخوابی نسبت دادہ است، چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ گفتہ است :-

گفتی شبے بخواب تو آیم وے چہ سود

چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست

ونیز حافظ شیراز علیہ الرحمۃ میفرماید :-

قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دل

قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا

ونیز شعر دیگر از مثنوی کسے است :-

بگفتا وصل من در خواب دریاب　　بگفتم راضیم لیکن کجا خواب

زہے نتیجۂ بیدار بختی کہ عاشق شام و سحر در خواب باشد"

فاخر مکیں کا ایک شعر ہے :-

مگر فریفتۂ آں دو نرگس سیہ ام　　کہ چشم داغ دلم سرمہ ناک می گردد

سودا نے لفظ "سرمہ ناک" کی ترکیب پران الفاظ میں اعتراض کیا ہے :-

چشم سرمہ ناک جائے دیدہ نشدہ و بہ قیاس ہمچنیں معلوم می شود کہ بخواہد چرا کہ ہر جا مدعا برنگ باشد آنجا چنیں الفاظ مستعمل سرمہ گوں و نیلگوں و گلگوں و می گوں، و لفظ ناک در مقام صفت می گویند چنانچہ غمناک و نمناک و آتشناک و غضبناک

وچشم سرمہ آلود و سرمہ سا مستعمل زبان ہاست ۔"

یہ رسالہ سودا کے مطبوعہ کلیات میں درج ہے ہر شخص اس کا بآسانی مطالعہ کر سکتا ہے اس لئے ہم اس کے اسلوب بیان اور پیرایۂ اظہار پر تفصیلی بحث کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

اس رسالے کی آخری تین فصلیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ تیسری فصل میں مختلف اساتذہ کے سترہ شعر ہیں جن پر فاخر مکیں نے اعتراضات کئے ہیں اور ان پر اصلاحیں کی ہیں۔ سودا نے ان اعتراضات اور اصلاحوں کو اصول شاعری کے لحاظ سے مہمل و غلط اور بے معنی و لغو ثابت کیا ہے۔ چوتھی فصل میں فاخر مکیں کے اکسٹھ شعر ہیں جن پر سودا نے اعتراضات کئے ہیں۔ پانچویں فصل میں فاخر مکیں کے کوئی نو شعر ہیں جن پر سودا نے اصلاحیں کی ہیں۔ یہ رسالہ کلیات سودا کے ساتھ متعدد بار شائع ہو چکا ہے اور بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے اس لئے ان تمام اشعار کو نقل کر کے ان پر سودا کی اصلاحوں اور اعتراضوں کو درج کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ ہم ان تینوں فصلوں کا لب لباب درج کرتے ہیں اور تنقیدی مباحث کو (جو منتشر و پراگندہ ہیں) مضمون دار باختصار پیش کرتے ہیں۔ اصلاحوں اور اعتراضوں کی تفصیل کے لئے ناظرین کو اصل رسالے کی طرف رجوع کرنا چاہیے وہاں تنقیدی موشگافیوں کا لطف آئے گا یہاں صرف ان مباحث کا سرسری تذکرہ ہوگا جن کو سودا نے اپنے رسالے میں چھیڑا ہے اور جن سے اس تنقیدی معیار کا اندازہ ہوگا جو سودا کے پیش نظر تھا۔

(۱) مناسبت لفظی و معنوی

فاخر مکیں کی نظر میں الفاظ و معانی کی صحیح مناسبت نہیں۔ وہ اساتذہ کے کلام پر بڑی بے باکی سے اعتراضات و اصلاحات کرتا ہے، لیکن لفظ و معنی کی مناسبت

Marfat.com

اور باہمی ربط کو قربان کر دیتا ہے۔ اس قسم کے اشعار میں واقف، عزت، غنی بیگ، خلیل، ناصر علی اور حزیں کے اشعار ہیں، جن پر فاخر مکیں نے بے جا اعتراضات اور لایعنی اصلاحات کی ہیں۔

الفاظ و معنی کی بے ربطی خود مکیں کے کلام میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ سودا نے اس کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں اور ان میں اس نقص کو بخوبی واضح کیا ہے اور چند اشعار پر استادانہ اصلاحیں بھی کی ہیں۔

(۲) متناسب الفاظ کے لزوم میں غلو

فاخر مکیں متناسب الفاظ کے فراہم کرنے میں اس قدر غلو کرتا ہے کہ ان کی خاطر اگر نازک سے نازک خیال اور باریک سے باریک مضمون بھی قربان ہو جائے تو اسے اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ چنانچہ خلیل وغیرہ کے اشعار میں اصلاح دے کر اس نے اپنے اس رجحان طبع کا ثبوت دیا ہے۔

(۳) حسن تکرار لفظی

فاخر مکیں نے اشرف کے شعر میں اصلاح دی اور او دو متناسب الفاظ جمع کر دئیے ہیں۔ اس التزام سے اشرف کے شعر میں تکرار لفظی کا جو حسن تھا وہ فنا ہو گیا اور شعر اپنے پایہ سے گر گیا۔

(۴) الفاظ کا برمحل و صحیح استعمال

فاخر مکیں نے الفاظ کا صحیح استعمال نہیں کیا ہے۔ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے شعر میں کوئی معنوی خوبی پیدا نہ ہو سکی اور اکثر جگہ الفاظ کا بے محل اور غلط استعمال کیا ہے مثلاً "تو و خدائے تو" جو گواہی کے لئے آتا ہے۔ متکلم خود دفع تہمت کے لئے یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کر کے کہتا ہے کہ یہ کام مجھ سے سرزد نہیں ہوا لیکن مکیں نے اسے برعکس معنوں میں استعمال کیا

Marfat.com

ہے۔ ایک شعر میں معشوق کی دوری کی وجہ سے تمام عمر کو ماہ صیام بتایا ہے کیوں کہ معشوق کے بغیر فقر و فاقہ میں گزرتی ہے۔ فقر سے ماہ صیام کو کیا تعلق؟ عاشق کے لئے خواب و خور حرام ہوتا ہے۔ ایک شعر میں دل و غم کو ناپاک باندھا ہے۔ غم زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے لیکن ناپاکی اس کی صفت نہیں ہوسکتی فکر اور رنج و غم کے عالم میں سر بگریباں، سر بجیب، سر بزانو مستعمل ہے، لیکن سر در آغوش غیر مسموع ہے۔

(۵) قواعد زبان

بعض اوقات اشعار میں قواعد زبان کی بہ سختی پابندی نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ قراین اور سیاق و سباق سے بھی شعر کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ جو زبان کے گروں سے واقف ہیں وہ اس قسم کے اعتراضات کر کے ناواقفیت ولاعلمی کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ فاخر مکیں نے آیت اللہ ثنا کے ایک شعر پر ایسا ہی مہمل اعتراض کیا ہے۔

(۶) لغت و محاورہ

فاخر مکیں عام لغات و محاورات کی بڑی سختی سے پابندی کرتا ہے اور اگر استعارہ و تشبیہ کے پیرائے میں کوئی شاعر ان تمام لغات سے ہٹ کر اظہار خیال کرتا ہے تو اس کو وہ غلط سمجھتا ہے اور استعاری استعمال پر وہ نظر نہیں کرتا ہے۔ شیخ آیت اللہ ثنا کا ایک شعر ہے۔

غمت بلذت شادیست خاصہ کامی را
کہ پیش قسمت خود نیش را بنوش کشد

مکیں کا اعتراض ہے کہ اس بیت میں نیش کشیدن بمعنی نیش خوردن واقع ہوا ہے۔ اس کے بجائے "زہر" کیوں نہیں کہا؟ اس لئے کہ زہر کشیدن مستعمل ہے اس سے صفت طباق بھی جو اس میں ہے فوت نہ ہوتی۔ سودا کا جواب یہ ہے کہ

Marfat.com

مصرع ثانی سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر بد کو بھی نیک کی طرح گوارا کرتا ہے۔ اس کے سوا کشیدن کے معنی خوردن کے بھی ہیں، چنانچہ شراب کشیدن مشہور و معروف ہے اور شراب خوردن بھی۔ اگر کلیم کو نیش کشیدن میں کوئی شبہ ہے تو نوش کے ساتھ تشبیہ کا جو لحاظ رکھا گیا ہے، اس سے بھی اس کا استعمال سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۷) زبان دانی

فارسی زبان و محاورات کو انھیں معنوں میں لینا چاہیے جن میں اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ معجون کا لفظ سرور خاں عاقل نے اپنے ایک شعر میں استعمال کیا اور اس لفظ سے خدا کو تشبیہ دی کہ ذات بے چوں کی وحدت کی تمام عالم گواہی دیتا ہے، اس لیے کہ اس معجون کے اجزا کی خاصیت ایک ہی ہے۔ ہندوستان میں معجون کے معنی بے شک بطور تضحیک مستعمل ہیں لیکن "ہزل" کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اس کا استعمال قباحت سے خالی نہیں۔ اہل زبان کے الفاظ کے خاص مفہوم کو ہندوستانی رنگ میں دکھانا کسی طرح درست نہیں۔ اسی طرح "خیرہ چشم" کا لفظ ایک شعر میں کلیم نے استعمال کیا ہے جس کے معنی وہ آنکھ ہے جس میں شرم و حیا نہ ہو۔ معشوق کی آنکھ کی تعریف کرنی چاہی لیکن چونکہ زبان پر عبور نہیں ہے اس لئے اس لفظ کا غلط استعمال کیا ہے۔

(۸) فصاحت و بلاغت شعر

فاخر مکیں کا مذاق اتنا شستہ اور اعلیٰ نہیں ہے کہ شعر کی فصاحت و بلاغت کے نازک پہلو کو تمیز کر سکے۔ اس نے صائب اور مولوی روم کے اشعار میں اصلاحیں دی ہیں جن سے اصل اشعار کی فصاحت برقرار نہیں رہی اور وہ مسخ و مجروح ہو کر رہ گئے۔ خود فاخر کے متعدد اشعار ایسے ہیں جن میں فصاحت و بلاغت کا

کا کوئی جوہر نہیں۔

(۹) صنایع بدایع

تمکین نے صنائع کا التزام کیا ہے لیکن اس التزام میں مضامین و خیالات مضحکہ خیز ہو کر رہ گئے ہیں مثلاً ایک شعر میں صنعت لف و نشر کا التزام کیا ہے لیکن مضمون ایسا باندھا ہے کہ جو خرق عادت سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔

(۱۰) تشبیہ و استعارہ

فاخر تمکین نے تشبیہ و استعارہ سے کام لیا ہے لیکن تشبیہات اجنبی اور معقولیت سے خالی ہیں۔ ایک عرصہ سے جو تشبیہات مسلم چلی آرہی ہیں ان سے انحراف کیا ہے مثلاً ایک شعر میں "لالہ" کو "بوئے معشوق" سے تشبیہ دی ہے حالانکہ لالہ کو داغ دِل وغیرہ سے تشبیہ ہے۔ اسی طرح ایک شعر میں کفن و تیغ کو صبح و شفق سے تشبیہ دی ہے۔ کفن کو صبح سے مشابہ کرنا درست ہے لیکن تیغ کو شفق سے مشابہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تیغ خوں آلودہ سے شفق کی تشبیہ ہو سکتی ہے۔

(۱۱) مبالغہ

بعض اوقات مبالغہ شعر میں ایک خاص لطف اور حسن پیدا کر دیتا ہے۔ عام شاعری میں مبالغہ اس حد تک جائز ہے کہ محال اور بعید از عقل و قیاس باتیں نہ بیان کی جائیں لیکن اگر حمد و منقبت میں محال باتیں بیان کی جائیں تو سخن رس اسے معیوب نہیں سمجھتے ہیں۔ مدح میں فاخر تمکیں نے محال باتوں کو باندھا ہے لیکن اس سے حمد و مدح کا پایہ گر گیا ہے۔

(۱۲) تمثیل

فاخر تمکیں نے بعض اشعار میں مثالیہ رنگ اختیار کیا ہے۔ پہلے مصرعے میں دعوے پیش کیا ہے اور دوسرے میں اس کی دلیل، لیکن یہ تمثیل مصرع اولی کے

Marfat.com

ساکھ درست نہیں، اس کے لئے حکیمانہ نظر اور وسیع تجربے کی ضرورت ہے۔ "مکیس" کی بے جوڑ اور غیر متوازن تمثیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں اس کا فقدان ہے۔

(۱۳) حشو و زواید

ناخر مکیں نے اپنے بعض اشعار میں بھرتی کے لفظ داخل کر دیے ہیں اس کے کئی اشعار "پرکن" واقع ہوئے ہیں اور وہ بھی بے ربط۔ ان زائد الفاظ کی اشعار میں کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی لیکن چونکہ اس کو عروض اور ادائے مطالب پر پوری قدرت حاصل نہیں ہے اس لئے اس کے کلام میں یہ نقص موجود ہے بعض اوقات اس کا خیال پورے اور صحیح طور پر الفاظ میں ادا نہیں ہوتا ہے اور جگہ جگہ کھانچے پڑ جاتے ہیں اور صاف طور سے محسوس ہوتا ہے کہ اسکی لفظیات محدود ہے یا اسے بروقت مناسب الفاظ نہیں ملتے ہیں۔

(۱۴) تلمیحات

شعر کو موثر اور پر لطف انداز میں پیش کرنے کے لیے تلمیحات خوب کام دے جاتی ہیں لیکن ان سے کام لینے کے لئے ان کی تمام تفصیلات سے واقفیت ضروری ہے۔ فاخر مکیں کی نظر میں یہ تفصیلات نہیں ہیں مثلاً وہ "صبر ایوب" کی جگہ "محنت ایوب" لکھ جاتا ہے۔ اسی طرح ضحاک کے متعلق اسے یہ نہیں معلوم کہ شیطان نے اس کے شانوں کو بوسہ دیا تھا جس کے اثر سے ان پر دو سانپ پیدا ہو گئے تھے۔

(۱۵) شاعرانہ مضامین و خیالات میں ضروری منطقی ربط و معقولیت

ذاخر مکیں نے نازک و باریک مضامین باندھنے کی کوشش کی ہے لیکن اگر ذرا غور سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں کوئی صحیح ربط و توازن نہیں پایا جائے گا،

Marfat.com

اس میں شبہ نہیں کہ شاعری میں ہر وقت منطقی استدلال کی پابندی نہیں کی جا سکتی بلکہ اکثر اوقات شاعر شاعرانہ استدلال سے بھی کام لیتا ہے لیکن اس کے خاص مواقع ہوتے ہیں۔ مکیں ایسے مواقع کو نہیں پہچانتا ہے اور جن مقامات پر قدرتی منطقی استدلال کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر خیال بے ربط بلکہ بے معنی ہو جاتا ہے وہاں بھی وہ اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

(۱۶) لوازم و خصائص شعر

شعر کے لئے جو لوازم مقرر ہیں اور جن پر تمام اساتذہ کے کلام کی بنیاد ہے ان سے انحراف نہیں کیا جا سکتا مثلاً عشق و حسن کے خاص خاص مضامین ہیں اور ان کے مراتب و وظائف اور اوضاع و اطوار قدیم سے مقرر چلے آرہے ہیں۔ عشق و حسن کے متعلق ایسی باتیں باندھنا کہ جن سے عشق کے خصائص زائل ہو جائیں یا حسن کی شان میں فرق آجائے کسی طرح جائز نہیں۔ فاخر مکیں نے اس قسم کی بے شمار معنوی غلطیاں کی ہیں، جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس کا مذاق شعری سلیم نہیں مثلاً اس نے عاشق کے جذبات رشک و غیرت کی بجائے بے غیرتی و بے حمیتی، لذت دشنام یار کی بجائے تلخئ دشنام اور کوئے یار میں گشتہ ہونے کی بجائے وہاں سے فرار ہونے کے مضامین باندھے ہیں۔ اور بجائے عاشق کے معشوق کو افسردہ خاطر لکھا ہے۔

(۱۷) مضامین حسن و عشق

شاعر کے عشق کی لذت سے آشنا اور حسن سے متاثر نہ ہونے سے بھی شاعری پر برا اثر پڑتا ہے۔ سچے عاشقانہ جذبات اور عاشق و معشوق کے معاملات کے بیان میں لطف پیدا نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ عاشق کی خصوصیات اور معشوق کے صفات اور انداز و ادا کے بیان میں بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ فاخر مکیں کے

Marfat.com

کلام میں یہ کوتاہیاں نمایاں طور پر موجود ہیں۔ وہ عاشق کی الم کشی، مسکینی وغیرہ کے مطابق مضامین نہیں باندھ سکتا اور نہ معشوق کے عادات و خصایل کے لحاظ سے خیالات قلم بند کر سکتا ہے۔

(۱۸) شاعری کی اصل روح سے آشنا ہونا چاہیئے۔

فاخر مکیں فارسی شاعری کی اصل روح سے واقف نہیں۔ اس ناواقفیت کی بنا پر اس نے ہندی خیال کو جو فارسی کے لئے قطعاً اجنبی اور غیر ہے فارسی شاعری میں داخل کر دیا ہے مثلاً ایک شعر میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ خوشامد میں میں نے اپنے دیدۂ خونبار سے غیر کے دست و پا رنگین کر دئے۔ فارسی میں عجز کے عالم میں پاؤں پر گر پڑنا وغیرہ مسلم و مسموع نہیں۔ پاؤں پڑنا یا پاؤں پر گر پڑنا محاورہ ہندی ہے اور اسی زبان میں مستعمل و جائز ہے فارسی میں اس کا استعمال ایک ناقابل تسلیم ایجاد ہے۔

(۱۹) کلام اساتذہ سے استناد

فاخر مکیں نے کچھ عجیب و غریب مضامین باندھے ہیں جن کی نظیر کسی استاد کے کلام میں نہیں ملتی اور اگر شاعری کے پورے دفتر کا جائزہ بھی لیا جائے تو اس کے جدّت آمیز خیالات کی تائید و توثیق میں ایک حرف بھی نہیں نکلے گا۔ یہ مکیں کی جدت ہے لیکن لطف اور معنویت سے خالی ہے۔

(۲۰) لفظ سازی

نئے الفاظ کے وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان کی معنویت پر نظر رکھنی چاہیئے۔ مکیں نے اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا مثلاً اس نے "سرمہ ناک" کا لفظ وضع کیا۔ "ناک" "چشم" کے ساتھ غیر مستعمل اور بے معنی سا ہے۔ چشم کے ساتھ جو الفاظ مستعمل ہیں ان میں رنگ کا مفہوم ہوتا ہے مثلاً سرمہ گوں، گلگوں، میگوں

Marfat.com

وغیرہ ۔" ناک" کا لفظ صفت کے موقع پر مستعمل ہے مثلاً غمناک، نمناک، آتشناک، غضبناک وغیرہ ۔ چشم سرمہ آلود، سرمہ سا، زبانوں پر مستعمل ہے ۔

(۲۱) تراکیب الفاظ

الفاظ کی ایسی ترکیبیں جو مسموع نہ ہوں اور بآسانی و بے تامل تسلیم نہ کی جائیں جائز نہیں مثلاً آتشِ بیگانہ ۔

(۲۲) تعریب و تفریس

سودا الفاظ کے معرب و مفرس بنانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا تھا ۔ میر عقیل کوثری نے اپنے ایک قطعے میں " تزئیب " کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ فاخر مکیں کا اعتراض ہے کہ " زیب " فارسی ہے اس سے " تزئیب " اور " مزیب " بنانا جہالت کی علامت ہے ۔ افسوس ہے کہ لوگ اس طرح کی لغزشیں کرتے ہیں اور " مزلف " اور " مرغن " بھی استعمال کر جاتے ہیں ۔ سودا اس قول پر تنقید کرتا ہے کہ فاخر مکیں کا یہ معترضانہ اشارہ شیخ علی حزیں کی بے علمی کی طرف ہے کیونکہ اشرف علی خاں نے اس کی دستخطی بیاض سے کوثری کا یہ قطعہ نقل کیا ہے حزیں کی تقریر و تحریر ایک عالم کے لئے سند ہے ۔ اس نے ہرگز یہ بے سند نقل نہیں کیا ۔ اکثر اساتذہ نے فارسی الفاظ کو معرب کر لیا ہے ۔ حکیم خاقانی نے تحفۃ العراقین میں " ذوالخور شیدین " لکھا ہے ۔ تقی اوحدی نے " مہند " (یعنی در بند ساختہ شدہ) لکھا ہے ۔ " باہ " فارسی ہے اس سے " مبہی " معرب کر لیا ہے اسی طرح " زلف " سے " مزلف " بنا لیا ہے ، چنانچہ امیر خسرو اور اشرف کے اشعار میں یہ لفظ بے تکلف استعمال ہوا ہے ۔

یہ رسالہ عبرت الغافلین کا لب لباب ہے ۔ جو اس کی مختلف فصلوں سے

Marfat.com

اخذ و استنباط کر کے باجمال تمام مضمون وار قلم بند کیا گیا ہے۔ اگر اس رسالے کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تمام تفصیلات کو چن چن کر مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا جائے تو ممکن ہے کہ چند عنوانات کا اضافہ ہو جائے۔ ہم نے چند خاص خاص مضامین لے لئے ہیں، ان کے ذیلی و ضمنی بے شمار مضامین ہیں جن میں لفظی، بیانی اور عروضی تنقیدی موشگافیاں ہیں، جو بہت ہی پر لطف بصیرت افروز اور کارآمد ہیں۔

Marfat.com

(۱)

زبان کی تشکیل و توسیع اور اشاعت و ترویج میں

سودا کی کارگزاری

ہم تمہید میں اس مقالے کا مدعا لکھ آئے ہیں۔ ہمیں ایک ایسے شاعر سے بحث کرنی منظور تھی جس نے زبان اردو کے بنانے اور پھیلانے میں زبردست بنیادی کام کیا۔ اس کی حیات اور کلام پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ زبان کی تشکیل و توسیع اور اشاعت و ترویج میں اس کا کیا ہاتھ ہے۔

جس دور سے ہم نے بحث کی ہے اس سے قبل ایہام گوئی کا عام رواج تھا۔ اس کو ایہام گوئی کا دور کہنا چاہیے۔ اس دور کے آخر میں شاعروں کی جو جماعت منظر پر آئی اس میں سودا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اُس کا شمار ان اساتذۂ فن اور ارباب زباں میں ہے جنھوں نے ایہام گوئی کے رواج کو متروک کر دیا اور بڑی وسعت کے ساتھ ایک نئی تحریک کا آغاز کیا جس کی بدولت اردو میں وسعت اور لوچ پیدا ہوا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ مختلف مضامین و خیالات اور متنوع موضوعات کی کامیابی کے ساتھ ترجمانی کر سکے۔ حکیم اصلح الدین نے لکھا ہے کہ سودا نے ایہام گو قدما کی طرز کو مٹایا اور ایک نئی طرز ایجاد کی اور اس کو ترقی دی اس میں وہ کسی دوسرے ہم عصر شاعر کو شریک نہیں کرتا ہے۔

Marfat.com

وہ مخترع طرز کہ طرز قدما پر
کھینچا خط نسخ اوس کے ہی خامے نے بہ تحریر
تھی ریختہ کی قدر خذف ریزہ سے کمتر
دی اوس کی زبان نے گہر و لعل کی توقیر

شفیق نے لکھا ہے :- " ایں زبان کج مج ریختہ در زمانش ہمین اقبال آں نکتہ پرداز درجۂ علویت کردہ "۔

جب ہم سودا کے کلام کی روشنی میں ان بیانات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ان میں سر مو مبالغہ نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایہام گوئی کی بڑی مذمت کی ہے اور اس طرز کا نہایت دلیری سے مضحکہ اُڑایا ہے۔ چند شعر ہم گزشتہ اوراق میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ایک مخمس کے دو ایک بند نقل کئے جاتے ہیں جن میں لفظی تلازم اور رعایت کے انداز کا خاکہ اُڑایا ہے :-

ریش بابا جو سنی ہے کوئی قسم انگور
شانہ و وسمہ بن اس کا وہ نہ لاویں مذکور
ربط الفاظ کو معنی سے نہ دیں تا مقدور
لف و نشر ان کو مرتب جو ہو کرنا منظور
رام پور کی یہ کٹاری لکھیں اور سیتا پھل

یاں تلک باک نہیں ماہ کے گر ساتھ ہو شہر
زلف کے واسطے بندھ جائے کہیں سانپ کی لہر
چشم کے وصف میں گو ہووے تو ہو گردش دہر
نہ تلاش ان کے سخن کا ساکہ جس میں یہ قہر
باندھیں لب کو جو یہ اخگر تو دہن کو منقل

ایہام گوئی ایک مصنوعی اور غیر فطری طرز تھی جس میں صرف الفاظ کا کھیل تھا سودا اور اس کے معاصرین مظہر۔ درد، میرد غیرہم ایسے شاعر تھے جنھوں نے اسے ترک کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ درد نے بھی اس کے متروک ہونے کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

ازبسکہ ہم نے حرف دوئی کا اُٹھا دیا　　　اے درد اپنے وقت میں ایہام رہ گیا

ایہام کی بنیاد ہندی پر تھی۔ اردو میں یہ طرز صرف غزل کے لئے مخصوص تھی اور دوسرے اصناف سخن کے موضوعات کے ادا کرنے کی قوت، وسعت اور سہولت اس میں موجود نہ تھی۔ اس لئے نئے دور کے شاعروں نے ہندی کے عناصر کو کم کر کے اس میں عربی فارسی کی آمیزش شروع کر دی۔ بعض ایہام گوشعرا نے بھی اپنی روش ترک کر دی چنانچہ حاتم کے متعلق ہم گزشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں۔ مظہر بھی ایہام گو تھے ان کے اس صنعت کے اشعار تحفۃ الشعرا میں علیحدہ عنوان کے تحت موجود ہیں۔ انھوں نے بھی ایہام بندی ترک کر دی، اور عربی فارسی کے عناصر کو ریختہ میں داخل کیا لیکن ابتداءً اس میں اس قدر غلو کیا کہ ان کا ریختہ نہ تو اردو معلوم ہوتا تھا اور نہ فارسی۔ سودا نے بر وقت ان کو ٹوک دیا۔

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ
سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا

آگاہ فارسی تو کہیں اس کو ریختہ
واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹ کا

سن کر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ یہ ہے
اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شاہ کی لاٹ کا

Marfat.com

الغرض اس کا حال یہی ہے جو سچ کہوں
کتا ہے دھوبی کا کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

مظہر اور بعض دوسرے شاعروں نے فارسی عنصر کو غالب کر دیا تو چند شاعروں اور خصوصاً سودا نے اس کے خلاف کوشش کی اور اعتدال و توازن پیدا کیا۔ خود مظہر بھی اس رمز کو سمجھ چکے تھے چنانچہ ان کا بعد کا کلام نہایت پاکیزہ اور شستہ و رفتہ ہے۔

جب ایہام گوئی متروک ہو گئی اور شاعروں کی طبائع غزل کے کوچے سے نکل کر دوسری اصناف سخن کے میدانوں میں جولانیاں دکھانے لگیں تو زبان غیر وسیع، محدود اور ان گھڑ نظر آنے لگی۔ اس لئے سلیس، موزوں اور سہل الاستعمال عربی فارسی کے الفاظ کام میں لائے جانے لگے۔ ٹھیٹھ ہندی الفاظ کا زور ٹوٹتا گیا۔ قدیم صرف و نحو میں بھی غیر معمولی انقلاب پیدا ہو گیا۔ ہندی تشبیہات و استعارات اور ملکی و مقامی تلمیحات کی بجائے عربی فارسی کے دفاتر سے یہ سرمایہ لیا گیا۔ ان شاعروں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ بے تکلف الفاظ سازی شروع کر دی۔ ہم سودا کے کلام کو پیش نظر رکھ کر یہ بتائیں گے کہ وسعت زبان کے اس زمانے میں کیا ذرائع اختیار کئے گئے۔ تشبیہ و استعارہ اور تلمیح کے متعلق یہاں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ گزشتہ اوراق میں سودا کے کلام کے جو اقتباسات ہم نے پیش کئے ہیں ان سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ قواعد زبان میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں ہوئیں جن سے سہولت اور باضابطگی پیدا ہو گئی ان کا ذکر بھی طوالت سے خالی نہیں۔ اس لئے اس حصے کو بڑی حد تک نظر انداز کر کے ہم دوسری چند اہم چیزوں پر بحث کریں گے۔

Marfat.com

اس بحث کو چھیڑنے سے قبل ہم یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ توسیع زبان کے بارے میں سودا کی کوششیں چند عنوانات پر تقسیم ہو سکتی ہیں جن کو ہم نشان وار بقید مضمون ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ سودا زبان کی توسیع و تہذیب کے اصولی و فطری گروں سے خوب واقف تھا۔ اس نے اکثر الفاظ و محاورات وغیرہ کو ثقیل، انگھڑ اور بھونڈے سمجھ کر ترک کر دیا۔ دوسری زبانوں کے لغات سے بہت کچھ اخذ کیا، ان کے بہت سے قاعدے اور اسالیب اختیار کئے۔ ان کو اپنے کلام میں استعمال کیا اور اپنے ذوق سلیم اور حسن شعور سے اختراعات کئے۔ اس ترک، اخذ، اختیار، استعمال اور اختراع کی نوعیتیں گوناگوں ہیں، ان سب کو بطور اختصار و خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

پہلی فصل:- ترجمہ واخذ

(۱) ہندی کے ٹھیٹھ الفاظ کا ترک اور ان کی جگہ عربی فارسی لفظوں کا استعمال یا قدیم ہندی کے ان گھڑ الفاظ کی شکل میں تبدیلی۔

سوں، سیتی	سے	منے، منیں	میں
ہمن	ہم	بھیتر	اندر
تمن	تم	نت	ہمیشہ
یو	یہ	جیو	جی
دوجا	دوسرا	بارج	بغیر
دسنا	دکھائی دینا	پگ	پگڑی
بیجلی	بجلی	ساجن	معشوق
اچھنا	ہونا	باٹ	راستہ

Marfat.com

بِنا	بن ، بغیر	اِتا	اتنا ، اسقدر
جالنا	جلانا	کدھی ، کدھیں	کبھی
سُرج	سورج	نمن	طرح ، مثل

اس پر بھی قدیم ہندی عنصر تمام تر زائل نہیں ہوا بلکہ ایک حد تک اس کی کارفرمائی باقی رہی ۔ چنانچہ سودا کے کلیات میں کئی ٹھیٹھ ہندی الفاظ پائے جاتے ہیں جو بعد کے دور میں متروک ہو گئے ۔ مثلاً گھٹ ،۔ قالب ۔ درس ،۔ دیدار ۔ نین ،۔ آنکھ ۔ ماٹی ،۔ مٹی ۔ کربل ،۔ کربلا ۔ کنے ،۔ پاس ۔ اندھلی ،۔ اندھی ،نابینا ۔ جگ ،۔ دنیا ۔ جاگہ ،۔ جگہ ۔ لاگنا ،۔ لگنا ۔ سیں ،۔ سے ۔ کسو ،۔ کسی ۔ سیس ،۔ سر ،پیشانی ۔ نیارا ،۔ الگ ،سوا ۔ چھٹ ،۔ سوا ، بغیر ۔

(۲) (الف) فارسی محاروں اور فقروں کے ترجمے :۔

شیوہ گرفتن ،شیوہ لینا ۔ برآمدن ،۔ (کسی چیز سے) برآنا ۔ درآمدن ،۔ درآنا ۔ بسرآمدن ،۔ (کسی چیز سے) بسر کرنا ۔ پیمانہ پر کردن ،۔ پیمانہ بھرنا ۔ پیمانہ پر شدن ،۔ پیمانہ پر ہونا ۔ دامن افشاندہ برخاستن ،۔ دامن جھاڑ کر چلنا ۔ از جامہ بیرون شدن ،۔ جامہ سے نکل پڑنا ۔ فلکش خبر ندارد ،۔ (اس کے) فلک کو خبر نہیں ۔ دل از دست رفتن ،۔ دل ہاتھ سے جانا ۔ گوش کردن ،۔ گوش کرنا ۔ بوکردن ،۔ بو کرنا ۔ گوش مال دادن ،۔ گوش مال دینا ۔ او دہن این کار ندارد ،۔ وہ اس کام کا دہن نہیں رکھتا ہے ۔ خاک برسر کردن ،۔ سر پر خاک کرنا ۔ خوش آمدن ،۔ خوش آنا ۔ بہم رسیدن ،۔ بہم پہنچنا ۔ جگر کردن ،۔ جگر کرنا ۔ اے کہ ، اے آنکہ ،۔ اے تو کہ ۔ چشمک زدن ،۔ چشمک مارنا ۔ سفید شدن ، پوست کشیدن ،۔ اس

کا ترجمہ ذیل کے شعر میں نظر آئے گا۔

چاہیے تجہ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید
کھینچ کر پوست کرے گردش ایام سفید

(ب) بعض فارسی کے ٹھیٹھ اسمائے مفعول کو اردو میں بجنسہٖ لیا اور مرکبات میں نہیں بلکہ بطور مفرد استعمال کیا ہے، مثلاً خوابیدہ، کاہیدہ دزدیدہ، بالیدہ، نفیدہ، زائیدہ، خراشیدہ، نشنیدہ، بافیدہ، نالیدہ، شوریدہ وغیرہ۔

(ج) اسی طرح اسمائے فاعل کو بجنسہٖ اردو میں منتقل کیا ہے مثلاً گوینده، کشندہ، پرندہ، شنوا، نگراں، رواں، دواں۔

(د) ان کے سوا فعلی مشتقات اور دیگر اسمی مرکبات اور حروف وصفات وغیرہ کے باب میں بھی فارسی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ آئندہ سطروں میں اس اخذ و استنباط کا صحیح اندازہ ہوگا۔

(۳) عربی فارسی کے مرکب الفاظ داخل کئے گئے جن میں بعض تو قدیم سے عربی فارسی میں موجود تھے ان کو بجنسہٖ اردو میں منتقل کر دیا اور بعض عربی فارسی کے اصولوں پر وضع کئے گئے مثلاً۔ خانہ برانداز چمن، طوفان بدوش کفن بدوش، شعلہ بردوش، عناں کشیدہ، دامن کشیدہ، خجالت زدہ برق زدہ، حلق بریدہ، آفت رسیدہ، نورسیدہ، گریبان دریدہ، خوں چکیدہ، حلقہ درگوش، ناقباحت فہم وغیرہ۔

بعض فقرے کے فقرے بجنسہٖ یا وضع کرکے داخل کئے گئے ہیں۔ مثلاً۔ یک حرف آرزو دے بلب نارسیدہ، دل دادۂ زلف و رُخ دلبر ندیدہ۔ ساعد و دست حنا بستہ، سر بہ پیش افگندہ، مشت حباب جو۔

Marfat.com

بعض عربی کے ٹھیٹھ اور مرکب الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مثلاً عسس، تشہد، مصطبہ، منعدم، معاتب، اشجع، مستفہم، مستغنی الاحوال، دارالفنا، آخرالامر، فی الفور، ذوی الاحترام، ثوم وعدس، مارالقرع، مالانیخل۔

(۴) سودا نے اپنے کلام میں مختلف قسم کی اصطلاحیں داخل کی ہیں۔ اس کے کلام میں سپاہیوں، پہلوانوں، پٹے بازوں، مہاوتوں، آتش بازوں، باورچیوں، شکاریوں، طوائفوں، ساہوکاروں، بنیوں، طبیبوں، اہل دفتر، شاعروں وغیرہ وغیرہ کی بے شمار اصطلاحیں موجود ہیں۔ ان کے سوا شادی بیاہ، رزم و بزم، اور مختلف رسوم وغیرہ کی اصطلاحات اور خاص خاص الفاظ اس کے کلام میں محفوظ ہیں۔ بہت سے پرندوں اور جانوروں اور اوزار، زیورات، کپڑوں وغیرہ کے نام اور ان کے متعلق کے خاص خاص الفاظ سودا کے کلام میں ملتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون اور مذہب و اخلاق کے بھی بے شمار اصطلاحی الفاظ اس کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے۔ ان کے استعمال سے نہ صرف زبان کی لفظیات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس زمانے کی تہذیب و معاشرت کا صحیح مرقع بھی ہمارے پیش نظر ہو جاتا ہے۔ چند اصطلاحیں اور خاص خاص الفاظ ذیل میں بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

(پہلوانی وغیرہ): پٹھا، اکھاڑا (کھدوانا)، کشتی کھلوانا، زور دلوانا، کشتی کھیلنا، پکڑ کھیلنا، اکھاڑے میں اترنا، سامنے ہونا، خم ٹھونکنا، دست دلوس، پور پور پر داؤ کرنا، اڑی مارنا، کشتی لڑنا، یک دستی، گرہ دکھنی، گھسے چڑھانا، ڈنڈ کرنا، ڈنڈ پیلنا، تیل ملنا، تعلیم، کاچھہ کسنا، خم بجانا، دبیج بنانا، قدم گاڑنا، ڈھاک پر چڑھانا، ٹھاٹ کرنا،

Marfat.com

نیچے لینا، دھوبی پاٹ کرنا، مالکھم، کلا رنگ کرنا، بغل کے بیچ دینا، لنگوٹا، چیرنا، ہتھوں میں دھنسنا، چت، پٹ وغیرہ وغیرہ۔

(مہاوت): کجلی بن، آنکس کرنا، پیچش، چرخی، گھڑیالی، کلادہ، راتب، ملیدا، کٹ بندھن، لکڑا، زنجیر، ہتیائی، بھالہ بردار، بھناس، عماری کسنا وغیرہ۔

(موسیقی وغیرہ): کھچڑی، مُپڑی کا آٹا، کلاوت، پکھاوج، آس بندھنا، پرنے لینا، مردنگ، منہ چنگ۔

(طباخی وغیرہ): رفیدہ، گاؤدیدہ، حاضری، کھانے کو دم دینا۔ تنور لگوانا، چھری بغدا، ناظر، بکاول، مودی، سفرہ چیں، رکابدار، نان با، کبابی، مشرف، پلیتھن، رنگ رس وغیرہ۔

(پارچے): موٹا جامہ، چیرا (باندھنا) پٹکا، گاڑھا، شلوار، بھرنا، آنا (ٹھیک آنا)، تن زیب، نیمہ، محمودی، جامہ، چولی، تنگ، تھان، بلدار، گز، باندھنو، توڑا، کناری، کمخواب، ستارہ دار، بانات، مقیشی سکار وغیرہ۔

(پرندے وغیرہ): جرا، باشہ، شاہیں، شکرا، ترمتی، کہی، بیرا، پڈری ٹیڈا۔ تیترا، بھنگا، ڈھیر، کبک، بٹیر، سبزک، ٹٹیری، بزا، قمری، بگلا، تیتر، لوا، ابلقہ، قاز، قرقرا، سارد، کلنگ، سارس، حواصل، سی مرغ، کوا، پودنا، مینا، وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال سوداؔ نے اصطلاحات اور خاص خاص الفاظ وغیرہ کا ایک بیش بہا ذخیرہ اپنے کلام میں محفوظ کر دیا ہے۔

Marfat.com

دوسری فصل :- لفظ سازی

لفظ گھڑنے کے ہماری زبان میں کئی ضابطے ہیں جو اساتذہ کے کلام سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ان کو نظر میں رکھ کر ہم سودا کے کلام سے چند الفاظ بقید ضابطہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ دعوےٰ نہیں کہ یہ سوداہی کی ایجاد ہے، بے شبہ سودا سے قبل اور خود اس کے زمانے کے شاعروں کے کلام میں لفظ سازی کا یہ رجحان پایا جاتا ہے۔ لیکن سودا نے اس میں بہت زیادہ وسعت پیدا کی۔ اس ضمن میں ایک اور بات اظہار طلب ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ذیل کے بعض الفاظ راست فارسی عربی وغیرہ سے لئے گئے ہوں لیکن چونکہ یہ لفظ سازی کے ضابطوں اور اصولوں کے تحت اردو میں منتقل ہوئے ہیں اور ان پر اخذ، ترجمہ، اختیار اور استعمال کا عمل ہوا ہے اس لئے ان کا اس ضمن میں درج کرنا نامناسب نہیں۔

(ا) مصادر بازی وفعلی مشتقات

(الف) ہندی الفاظ سے مصادر بنائے گئے۔

لاج سے لجانا، لالچ سے للچانا، اٹکل سے اٹکلنا، پتھر سے پتھرانا، لہر سے لہرانا، گانٹھ سے گانٹھنا، مکڑ (بمعنی اکڑ) سے مکڑانا، ہٹ (بمعنی ضد) سے ہٹنا، انگلی سے انگلانا، ہٹ سے پتھیایا وغیرہ ——

یہ ممکن ہے کہ اس کے برعکس مصادر سے یہ اسما بنے ہوں لیکن بعض محققین کی رائے ہے کہ ان کی اصل اسما ہیں۔

(ب) فارسی الفاظ سے مصادر بنائے گئے۔

رنگ سے رنگنا (اور رنگانا)، تراش سے تراشنا، خرید سے خریدنا، فرمان سے فرمانا، داغ سے داغنا (اور دغنا)، شرم سے شرمانا، لرز سے لرزنا،

Marfat.com

درگزر سے درگزرنا وغیرہ ۔

یہ ممکن ہے کہ یہ فارسی مصادر سے ترجمہ کیے گئے ہوں لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ اسماد غیرہ سے بنے ہیں نہ کہ مصادر سے۔ لیکن ذیل کے مصادر تو بے شبہ فارسی کے صیغۂ امر پر اردو کی مصدری علامت (نا) کے اضافے سے بنائے گئے ہیں۔ نواز (امر نواختن) سے نوازنا، بخش (امر بخشیدن) سے بخشنا وغیرہ ۔

(ج) عربی الفاظ سے مصادر بنائے گئے ۔

بحث سے بحثنا، بدل سے بدلنا، قبول سے قبولنا وغیرہ ۔

ان مصادر کی تمام فعلی گردانیں بنتی ہیں اور اس طرح فعل کے باب میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو جاتی ہے ۔

(د) مرکب مصادر۔

مصادر زبان میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، اگر آج ہم بے تکلف اپنی ضروریات کے مطابق مذکورۂ بالا تین اصولوں پر مفرد مصادر تیار کرنے لگیں تو ہماری بہت سی مشکلات دور ہو جائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ قدیم ہی سے کچھ ناپسند ٹھیرا۔ اس لیے کہ معدودے چند گھڑے ہوئے مفرد مصادر کے سوا ان کی کثرت ہماری زبان میں نہیں اور نہ سودا اور اس کے معاصرین کے کلام میں ہے۔ اس کے برعکس ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رجحان مرکب مصادر کی طرف زیادہ تھا۔ اس کا سبب شاید مفہوم کی زیادہ وضاحت ہو یہ بھی ممکن ہے کہ علمی و اصطلاحی مضامین سے سروکار نہ ہونے کی وجہ سے مفرد مصادر تیار کرنے کو غیر ضروری سمجھا گیا ہو۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ ان کا رجحان مرکب مصادر کی طرف زیادہ تھا چنانچہ اس قسم کے بے شمار مصادر ملتے

Marfat.com

ہیں۔ سودا کے کلام سے چند مصادر بطور مثال نقل کرتے ہیں :۔

گزر کرنا، آشیاں باندھنا، نسبت دینا، تناسب دینا، عمل کرنا، تجاوز دینا، تولد پانا، نشو و نما دینا۔ عیب لگنا، ترغیب کرنا، زمزمہ کرنا، نوکیں کرنا، تفاوت کرنا، زحمت کٹنا، میل کرنا، شکل بندھنا، شست و شو کھانا، خواب کرنا، قدر کرنا، شادی (خوشی) کرنا، خبث کرنا (بہ خبث یاد کرنا) حمل (محمول) کرنا، داغ لگانا، زنجیر کرنا، نمود کرنا، التماس کرنا، تلاش کرنا، شمار کرنا، باور کرنا، ظہور کرنا، منت کھینچنا، ننگ اٹھانا، نقل کرنا (حکایت بیان کرنا)، کام پہنچنا، انتشار دینا، انتشار پانا، ایستادہ (ایستاد) کرنا یا ہونا قرض کرنا، طومار کرنا، معاش گزرنا، سرو کار نہ دینا، جلو کرنا، درد کہنا، دکالت لینا، نالش کرنا، فیصل ہونا، راہ ہونا، وجد ہونا، قصور (کوتاہی) کرنا، حنا باندھنا، رخنہ کرنا، نکاح باندھنا، جھپٹا کرنا، حامی بھرنا، سانٹھ ملنا وغیرہ وغیرہ۔

(ھ) افعال کا تعدیہ :۔

سودا کے دور سے قبل تعدیہ کا بہت کم عمل ہوا تھا۔ اس کے کلام میں افعال کے تعدیہ کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، تعدیہ دو قسم کا ہے۔ متعدی المتعدی اور متعدی بالواسطہ مثلاً گانا سے گوانا، بجانا سے بجوانا، رکھنا سے رکھوانا بکنا سے بکوانا، پکڑنا سے پکڑوانا، ڈھونڈھنا سے ڈھونڈھانا، باندھنا سے بندھوانا اور بندھنا، کھیلنا سے کھلوانا، دینا سے دلوانا، کھودنا سے کھدوانا، جھکنا سے جھکوانا، دھونا سے دھلوانا وغیرہ۔

۲۔ سابقے لاحقے :۔

الفاظ کے شروع یا آخر میں چند مقررہ الفاظ یا علامات لگانے سے نئے

Marfat.com

لفظ یا مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ جو علامات یا الفاظ شروع میں آتے ہیں، انھیں سابقے کہتے ہیں اور آخر میں آنے والے الفاظ وغیرہ لاحقے کہلاتے ہیں، سودا نے لفظ سازی میں سابقوں اور لاحقوں سے بڑی مدد لی ہے اس کے کلام میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ ذیل میں چند سابقے اور لاحقے لطور مثال درج کئے جاتے ہیں۔ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر الفاظ خالص فارسی زبان کے ہیں، سودا نے ان کو وضع نہیں کیا لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان پر اختیار اور استعمال کرنے کا عمل کر کے سودا نے نے ان کی ترویج کی ہے، اس لحاظ سے غیر زبان کا جو لفظ بھی استعمال کیا جائے وہ نیا ہوگا اور اس کی حیثیت نو وضع لفظ کی سی ہوگی۔

(الف) فارسی سابقے:۔

بد:۔ بدخلق، بدوصف، بدوضع، بداصول، بدشراب، بدچشم، بداسلوب
بدذات، بدیمن، بدقوارہ۔

بے:۔ بے مغز، بے سرانجام، بے الفت، بے اثر، بے رو، بے زر، بے دماغ
بے حساب، بے نہایت، بے اختیار، بے خواب، بے رتبہ، بے تالا،
بے چیز، بے آرام، بے امتیاز۔

پا:۔ پازہر۔

خوش:۔ خوش آب، خوش اندام، خوش قامت، خوش قد، خوش چشم۔

کم:۔ کم بغل، کم احباب، کم فرصت۔

نا:۔ ناانصاف، ناصاف، ناشاعر، ناطاقت، نارسا۔

ہم:۔ ہم چشم، ہم رنگ، ہم سفر، ہم آہنگ، ہم زمزمہ، ہم پیالہ، ہم روش
ہم آغوش، ہم صحبت، ہم نشیں، ہم نصیب، ہم خانہ،

Marfat.com

یک :- یک روا (یک روپیہ)۔

(ب) ہندی سابقے :-

الف :- اتھک، اچل۔

ان :- انمول، ان پڑھ، انجان۔

پر :- پرسال، پردیس۔

ک :- کڈھنگ

ن :- نچنت، نڈھال، نڈر، ندان، نبل، ندھڑک۔

نر :- نربل، نراس۔

(ج) فارسی لاحقے

آرا :- ہجوم آرا، سریرآرا۔

آلود :- دردآلود، خون آلود، زنگ آلود، اشک آلود، گردآلود۔

آلودہ : خواب آلودہ (خوابیدہ)۔

انداز :- حکم انداز، پاانداز، شکار انداز۔

انگیز :- حیرت انگیز، تعجب انگیز، درد انگیز۔

انہ :- (اسم) شکرانہ، بیعانہ، (متعلق فعل، صفت) بے دماغانہ، جانانہ۔

بار :- مشکبار، شعلہ بار۔

باز :- پتنگ باز، پٹے باز، لکڑی باز، آتش باز، چنگل باز، روبہ باز، جانباز

نظر باز (سراغ رساں، خفیہ)۔

بخش :- نواں بخش۔

بر :- تعلیم بر۔

پذیر :- توبہ پذیر، مرہم پذیر، منت پذیر، دلپذیر۔

Marfat.com

پرست :- حیا پرست ، حنا پرست ، صفا پرست ، دفا پرست ، لقا پرست
ہوا پرست ، آشنا پرست ، دول پرست ، خاک پرست ، تاک پرست
افلاک پرست ، ادراک پرست ، فتراک پرست ، مسواک پرست
بت بے باک پرست -

پوش :- سبز پوش ، سرخ پوش ، سیہ پوش ، بسنتی پوش ، کلہ پوش ، بادلہ پوش ،
حریر پوش ، رو پوش -

پیرا :- شعلہ پیرا -

خوار :- نوالہ خوار ، دلہ خوار ، جگر خوار ، شراب خوار ، خونخوار -

خور :- گل خور -

دار :- سجدار ، طرحدار ، زردار -

داں :- حساب داں ، قاعدہ داں ، زباں داں ، غیب داں ، مزاج داں ،
ہندسہ داں -

رو :- دربار رو -

ریز :- جلوہ ریز (آگے بڑھنے والا) -

ریزاں :- اشک ریزاں -

زاد :- شورہ زاد -

زادہ :- زنگی زادہ -

زدہ :- برق زدہ ، آتش زدہ ، وحشت زدہ -

زن :- قطرہ زن ، بال زن ، طمانچہ زن ، چشمک زن -

زناں :- نعرہ زناں ، خندہ زناں -

سرا :- غزل سرا -

Marfat.com

سنج :۔ ترانہ سنج ، نغمہ سنج ، سخن سنج ، بذلہ سنج ۔

شکن :۔ دل شکن ، توبہ شکن ، عہد شکن ، ہمت شکن ۔

طراز :۔ طوفاں طراز ، معجز طراز ، خندہ طراز ، جلوہ طراز ۔

طلب :۔ منت طلب ، خنجر طلب ، آفات (یا آفت) طلب ، سوز طلب ۔

فروش :۔ شبہ فروش ۔

کار :۔ سخت کار ، حل کار ، بانی کار ۔

کردہ :۔ چپ کردہ ۔

گُش :۔ احسان کش ، حسن کش ۔

کش :۔ انتظار کش ، ساغر کش ۔

کن :۔ رسوا کن ، نظارہ کن ۔

کناں :۔ نالہ کناں ، تشبیہ کناں ، گریہ کناں ، طرقوا کناں ، زاری کناں ۔

گیر :۔ زمیں گیر ، کلاں گیر ، پر گیر ۔

منش :۔ لیلیٰ منش ۔

نشیں :۔ نعاں نشیں ۔

نما :۔ خرس نما ۔

وار :۔ شگفت دار (جو کھلنے کے لئے درکار ہو) غنچہ وار ۔

وش :۔ برق وش ، پری وش ۔

یاب :۔ تشبیہ یاب ، لذت یاب ۔

(د) ہندی لاحقے :۔

پا :۔ بھڑواپا ۔

ہار :۔ جاہار (جانے وا بمعنی ناپائیدار) ۔

Marfat.com

یارا:۔ پتیارا (پت سے) اعتبار۔

یتا:۔ چڑھیتا (چڑھنے والا)۔

اس قسم کے صد یا سابقے اور لاحقے ملتے ہیں جن کی مدد سے الفاظ بنائے گئے ہیں اور جو سودا کے کلام میں موجود و محفوظ ہیں۔ ان سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم اساتذہ اپنی ضروریات کے لحاظ سے کس قدر دلیری اور بے تکلفی سے الفاظ وضع یا داخل کرتے تھے۔

(۳) مرکبات

بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو ایک سے زیادہ لفظوں سے ترکیب دے کر بنائے گئے ہیں۔ ان مرکب الفاظ کی چھ صورتیں ہیں۔

(الف) ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی الفاظ کا ملاپ۔

اگن باد۔ اکاس بیل، جل ترنگ، گھر بیچ، تارامنڈل۔ گجنال، گج باگ کڑک بجلی، ہتیلی ٹیک، ہتھ پھیر، چاک پھیر، چاندرات، گھٹی چور۔ بے پالک، توبہ دھاڑ، دودت دات، منھ سڑا، منڈچرا، موئنھ دکھائی، ماردھاڑ، مارکٹائی، دھول دھپا، ٹیپ ٹاپ، دودت دبک، دیا باتی بھیج بل، کٹ بندھن، گٹھ کٹی، چوگھڑا، دھوبی پاٹ، مالکھم، کجلی بن، چڑی مار۔

(ب) فارسی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

تردامن، پاک دامن، نیک دل، آہن دم، سبک سر، سبک رفتار، شادی مرگ، گل خور، دنداں گیر، پیش رفت، دورا ہا، شیر دہاں، زشت نہاد، ترش ابرو، سرگزار، دستداد، تنک نوا، ہرزہ دوی، نمک سود، خانہ پرورد، شکر پارہ، سرکوب، مردہ شو، دیگ شو،

Marfat.com

زرخرید، بازگشت، نے سوار، آخوں شکاری، خام پارہ۔

(ج) عربی الفاظ کے ساتھ عربی الفاظ

عالی شان، فلک مرتبت، فلک جناب، طفل مزاج، ذلت نصیب، صاحب سلامت، عرش قریں، لاولد۔

(د) ہندی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

منھ چنگ، چپ کردہ، نیک چلن، شتر نال، منھ زور، بھالہ بردار، منگت خانہ۔

(ہ) ہندی الفاظ کے ساتھ عربی الفاظ

چور محل، جیب کترا، امام باڑہ۔

(و) عربی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ

تازہ دیں (نو مسلم) عاجز سخن، زیب آور، عیب گو، صبح خیز یا نان مرید، سبک اطوار، سست عمل، گورسواد، خام فطرت، دستخط، نظر گزر، نوحہ آسا، نازک خیال، فاقہ مستی، باقی ماندہ، سیہ عدم، تابوت گر۔

ان مرکبات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے دو قسم کے مرکبات بنتے ہیں (۱) اسموں اور صفتوں کے مرکبات اور (۲) مصادر یا افعال اور ان کے مشتقات کے مرکبات۔ ان دونوں قسموں کے کئی ذیلی مرکبات ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ بہر حال اسما اور فعلی مشتقات کو باہمی ربط و ترتیب دینے سے بے شمار مرکبات بنتے ہیں، جن میں اسم فاعل، مفعول۔ حاصل مصدر، صفت صفت مرکب وغیرہ آجاتے ہیں۔

تیسری فصل :۔ چند متفرق ضابطے اور قاعدے

توسیع زبان کے بنیادی ذرائع و وسائل کا ذکر مختصراً ہو چکا ہے ان سے

Marfat.com

زبان کے اکثر قواعد مدون و مرتب ہو سکتے ہیں۔ مصادر سازی، افعال کا تعدیہ اسما اور صفات کے بنانے کے طریقے (سابقوں اور لاحقوں اور مرکبات کے ذریعے) یہ سب کچھ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ یہاں چند ضروری متفرق باتیں اجمالاً بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) صفات بنانے کے طریقے

سابقوں لاحقوں اور مرکبات کے ذریعے بے شمار صفات بنتی ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ صفات کی اکثر اقسام ان کی مدد سے بنتی ہیں یہاں چند نمایاں اور مخصوص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) اسما کے آخر میں (ی) لگا کر بے شمار صفات بنائی گئی ہیں مثلاً قفس سے قفسی، جگر سے جگری، سفر سے سفری، شربت سے شربتی، فریاد سے فریادی تریاک سے تریاکی، افلاک سے افلاکی، پیغام سے پیغامی، دام (بمعنی جال) سے دامی، انس سے انسی، جان سے جانی، مجرا سے مجرائی، مہ (چاند) سے مہی، ہراول سے ہراولی، جہان سے جہانی، فندق سے فندقی، دستخط سے دستخطی، کباب سے کبابی، مجلس سے مجلسی، کیف سے کیفی، شفق سے شفقی۔ مگس سے مگسی، حشر سے حشری، نرگس سے نرگسی، آتش سے آتشی، فلک سے فلکی، کمر سے کمری، خدمت سے خدمتی، طوفان سے طوفانی، پیمبر سے پیمبری، مکتوب سے مکتوبی، پارسال سے پارسالی، بازگشت سے بازگشتی، ملک سے ملکی، مکتب سے مکتبی۔

(ب) اسمائے خاص کے آخر میں بھی (ی) لگا کر بہت سی صفات بنائی گئی ہیں۔ مثلاً (حضرت) ایوب سے ایوبی، (حضرت) یعقوب سے یعقوبی، مروان سے مروانی۔

Marfat.com

(ج) صفات کے آخر میں بھی (ی) لگاکر صفات بنائی گئی ہیں مثلاً بالا سے بالائی، غائبانہ سے غائبانی (صفت، مونث کے لئے)۔

(د) لفظ کے آخر میں (و) کے اضافے سے بھی بعض بہت ہی آسان اور خوبصورت صفات بنائی گئی ہیں مثلاً جہیزو (جہیز میں آئی ہوئی)، بکاؤ (فروختنی)۔

(ہ) اسم کے آخر میں بصورت تذکیر (الف) اور بصورت تانیث (ی) لگانے سے مثلاً کھوٹ سے کھوٹا اور کھوٹی، چتر سے چترا، جھوٹ سے جھوٹا وغیرہ۔

(و) صفات بنانے کا ایک عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا ہے مثلاً "چلے جانا" سے "چلی جاتی" ایک صفت بنائی ہے مصرع :۔

سدرہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

(ز) ایک اور خاص طریقہ ہے مثلاً بات سے بتکڑ۔

(۲) اسما بنانے کے طریقے

اسما بنانے کے مختلف طریقے سابقوں لاحقوں اور مرکبات کے سلسلے میں آ چکے ہیں۔ یہاں چند خاص طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) صفات کے آخر میں (ی) لگاکر بے شمار اسما بنائے گئے ہیں مثلاً۔ ہم چشمی محبوبی، زمانہ سازی، روباہ بازی، ہوسناکی، طوفان طرازی، بچنہ مغزی سبک وضعی، بے سرانجامی، خودکامی۔ معیوبی، مکتوبی، بداسلوبی، ہم آغوشی، ہم دوشی، فراموشی، مرغوبی، اشک فشانی، خشکی (خشک سالی) غرقی، بے زری، بدشرابی، ترانہ سنجی، بداصولی، کجروشی، مخلصی، فضولی، سادہ لوحی، بدخلقی، بدبیشی، زن مریدی، کم خوری، کہنہ لنگی، بے غیرتی، منت داری، زبونی، بدذاتی، فراخ دامنی، ہم نسبتی، سرفرازی، بے ربطی، نافہمی، دیرپائی، نواحی، دردریزی، مرغوبی،

Marfat.com

مدبری، لات زنی، سفاکی، تیر بارانی، فراوانی، درویش پروری، سایہ گستری، قیمت شکنی، بحالی، بے رُوئی (بے مروتی) رواداری، آبداری۔

(ب) اسمائے آخر میں بھی (ی) لگا کر اسما بنائے گئے ہیں مثلاً:۔

مہوس سے مہوسی، فصاد سے فصادی، جواہر سے جواہری، حکاک سے حکاکی، ملا سے ملائی، مہمان سے مہمانی (دعوتی کھانے)، میر سے میری (سیادت)، بھڑوا سے بھڑوائی،

(ج) اسمائے خاص کے آخر میں (ی) لگانے سے ان اسمائے خاص کی مخصوص کیفیات کا اظہار ہوتا ہے مثلاً:۔ یعقوبی (حضرت یعقوب کی طرح گریہ وزاری) ایوبی (حضرت ایوب کی طرح صبر و شکر)

(د) (گی) کے اضافے سے اسما بنائے گئے ہیں مثلاً:۔ آلودگی، مسخرگی، ہستگی، شکستگی، برگشتگی، مہربانگی، عیارگی، ہرزگی، ہمگی، زخوردرفتگی۔

(ہ) مصدری علامت (نا) کے حذف سے بے حد حساب اسما بنائے گئے ہیں مثلاً:۔ لپک، جھپک، جھلک، دمک، للک، جھنکار، پکار، للکار، دُتکار، دپٹ، تاک، جھانک۔

(و) مصدری علامت کے حذف کے بعد (ی) کے اضافے، بالفاظ دیگر ماضی مطلق کے آخر میں (ی) کے اضافے سے کئی اسما بنائے گئے ہیں، جیسے چڑھائی، ہنسائی وغیرہ۔

(ز) جس طرح ہندی مصادر سے مصدری علامت حذف کر دینے سے اسما بنائے ہیں اسی طرح فارسی مصادر سے علامت مصدر گرا دینے سے کئی اسما بنائے ہیں مثلاً:۔ ایستادن سے ایستاد، خریدن سے خرید وغیرہ۔

(ح) بعض اسما اس طرح تراشے ہیں کہ ان کا کوئی مستقل ضابطہ ہماری زبان

Marfat.com

میں نہیں۔ ایک مدحیہ قصیدے میں ذیل کے الفاظ گھڑ کر استعمال کئے ہیں، ان میں ایک حد تک تحقیر و تصغیر کا مفہوم ہے۔ لڑنا سے لڑنت، بڑھنا سے بڑہنت گڑنا سے گڑنت، اکڑنا سے اکڑنت، پھڑکنا سے پھڑکنت، کھدنا سے کھدنت، کڑکنا سے کڑکنت، ڈپٹنا سے ڈپٹنٹ، دبکنا سے دبکنت بکھرنا سے بکھرنت، چھٹکنا سے چھٹکنت، لپٹنا سے لپٹنٹ، بڑھنا سے بڑھنت، گھٹنا سے گھٹنت، سرکنا سے سرکنت۔

(ط) دو متضاد مفہوم رکھنے والے اسما کے ملاپ سے بھی اسما بنائے گئے ہیں، اس عمل سے مفہوم میں وسعت یا امتیاز پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً اونچ نیچ دکھ سکھ، اپنا بیگانہ، آگا پیچھا۔

(ی) بعض قریب المعنی الفاظ کے ملاپ سے بنائے گئے ہیں مثلاً۔ جڑی بوٹی، سوچ بچار، اکھاڑ پچھاڑ، لاٹھی پاٹھی، بیاہ برات، دم دلاسا، کھاٹ کھٹولا وغیرہ۔

اسما بنانے کے اور بھی کئی طریقے ہیں جن کو بخوف طوالت ہم نظر انداز کر دیتے ہیں

(۳) تصغیر و تکبیر:۔

سودا نے بعض الفاظ کی تصغیر بھی بنائی ہے مثلاً:۔ شاعر سے شاعرلا، مسخرا سے مسخرلا، ہاٹ سے پاٹی، بھائی سے بھیّا، اسپ سے اسپک، مکھ سے مکھڑا، جیو (جی) سے جیوڑا، کھاٹ سے کھٹولا۔

(۴) امدادی افعال

لفظ سازی کے سلسلے میں ہم مصدر سازی اور مرکب افعال کا بیان کر چکے ہیں۔ ہماری زبان میں امدادی افعال بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے مفہوم میں وسعت، انفرادیت، امتیاز، تبدیلی، زور، تاکید وغیرہ پیدا

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ سودا کے کلام میں ان امدادی افعال کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں،

آنا :۔ لے آنا، دے آنا، مل آنا۔

اٹھنا :۔ پھڑک اٹھنا، بول اٹھنا، کہہ اٹھنا۔

بیٹھنا۔ بگڑ بیٹھنا، کر بیٹھنا، لڑ بیٹھنا، ہاتھ دھو بیٹھنا۔

پڑنا :۔ جا پڑنا، لڑ پڑنا، نکل پڑنا۔

جانا :۔ گر جانا، کہہ جانا، تاڑ جانا، نکل جانا۔

چاہنا۔ ہوا چاہنا، کیا چاہنا۔

چکنا۔ جا چکنا، کر چکنا، آ چکنا۔

دینا :۔ کہہ دینا، پھینک دینا، رولا دینا، بہا دینا۔

ڈالنا۔ مار ڈالنا۔

رکھنا :۔ دبا رکھنا، بٹھا رکھنا، کر رکھنا۔

رہنا :۔ بیٹھ رہنا، سو رہنا،

سکنا۔ ڈبو سکنا، دھو سکنا، پا سکنا، کھو سکنا۔

لگنا :۔ آلگنا۔ جا لگنا۔

لینا :۔ لے لینا، کر لینا، روک لینا، بانٹ لینا۔

نکلنا۔ آنکلنا، جا نکلنا۔

(۵) تابع مہمل :۔

تابع مہمل کا رواج زیادہ تر بول چال میں تھا سودا نے اس کو شعر میں بھی رواج دیا ہے مثلاً :۔ سچ مچ، دوت دات۔

(۶) اضافت :۔

اضافت کے استعمال میں کوئی خاص تحدید نہ تھی، ہندی اور فارسی الفاظ

Marfat.com

کے ساتھ اضافت کا استعمال جائز تھا مثلاً :۔

صاحب ارتھی ، بیڑۂ پال ۔

(۷) واوٴ عطف :۔

ہندی اور فارسی یا دونوں ہندی الفاظ کے درمیان واوٴ عطف کو روا رکھا ہے مثلاً :۔ تھپیڑا و دہاں ، پھل و پھول ۔

(۸) سہولت تلفظ اور عام محاورہ :۔

سودا نے سہولت تلفظ کی خاطر بعض الفاظ کی شکل میں تبدیلی کر دی مثلاً :۔ جنگ گاہ کی بجائے جنگاہ اور شب برات کی بجائے شبرات لکھا ہے ۔ اسی طرح اصل لغت کی پروا نہیں کی بلکہ بول چال کے الفاظ داخل کر دئیے ہیں مثلاً :۔ ثابت (بمعنی سالم) کی بجائے سابوت لکھا ہے ۔

ان تمام مباحث سے بخوبی واضح ہے کہ سودا کے کلام نے توسیع و ترویج زبان میں غیر معمولی کام کیا ۔ ہم نے خاص خاص مباحث لئے اور ان کی روشنی میں سودا کے کلام کا مطالعہ کیا ، اور زبان کی توسیع کی بنیادی مسائل کو مثالوں کے ذریعے چھیڑا ہے ۔ ان پر تفصیل و جامعیت سے بحث کرنے کے لئے ایک علیحدہ مقالہ درکار ہے ۔ اوپر کی بحث کا مدعا یہ دکھانا تھا کہ سودا نے زبان و بیان اور خیالات کے اعتبار سے اردو شاعری پر کیا اثر ڈالا اور زبان کے بنانے میں اس نے اپنے قلم سے کیا کام لیا ۔ آئندہ سطور میں یہ معلوم کرنا ہے کہ اپنے معاصرین پر اس کے کیا اثرات ہیں اور اس نے اپنے شاگردوں کے ذریعے زبان کے پھیلانے میں کیا کارگزاری دکھائی ہے ۔

سودا نے کم و بیش پچاس سال تک اپنی شاعرانہ قوتوں سے کام لیا ہے اور

Marfat.com

کم سے کم تیس سال ایسے گزرے ہیں جن میں اس کی استادی کا لوہا خاص و عام نے اقطاع ہند میں مان لیا۔ اس طویل عرصے میں اس کے شاگردوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس زمانے کے تذکروں میں قدم قدم پر ان کا ذکر ملتا ہے تقریباً چالیس شاگرد تو ایسے ہوئے ہیں جو صاحب دیوان تھے اور جن کا شمار معمولی شعرا میں نہیں۔ ان میں سے چند اردو کے بلند پایہ استاد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ شاگردوں کی کثرت پر نظر کر کے سودا نے خود لکھا ہے :-

کم فیض آ کے مجھ تک ایک عالم نے اٹھایا ہی
نہیں سودا میں دریائے سخن پر اس کا ساحل ہوں

ان سب شاگردوں پر سودا کی شاعری کا براہ راست اثر پڑا ہے چنانچہ خود اس کے شاگردوں نے جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔

میر فخرالدین ماہر :-

اگرچہ ریختہ گو سب ہیں اپنے فن میں طاق
جہاں میں شہرہ ہے سودا کی طرح پر کس کا
ہے اس کے تو بھی جو اک خوشہ چینوں میں ماہر
سخن کی خوبی کو پہنچے ترے گھر کس کا

قائم :-

ایک سودا کی تو قائم نہ کہوں میں ورنہ
ہے ترا طور سخن حد بشر سے باہر

Marfat.com

سنئے کس کا سخن کہ دل سے مٹے   داغ مرزا رفیع سودا کا

مرزا محمد یار بیگ سائل:۔

حاتم کی تو خدمت سے تھا فیض بہت مجکو
سودا کی دلے صحبت اکسیر نظر آئی

انداز سخن ریختہ گویوں میں بخوبی   بالفعل تو سودا کے سوا ہے بخدا ہیچ

جب ہم سودا کے شاگردوں کے شاگردوں کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سلسلے کو موجودہ دور تک دیکھتے آتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سودا کے شاگردوں کا جال اس قدر وسیع ہے کہ بہت کم شاعر اس سے باہر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ تذکروں سے اگر اس کے شاگردوں کے سلسلوں کو شجرہ کے طور پر مرتب کریں تو ہمیں ہزارہا شاعر ایسے ملیں گے جن کا سلسلہ سودا سے جا کر ملتا ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے سودا کے شاگردوں کا شجرہ مرتب کیا ہے۔ انھوں نے کوئی چودہ شاگردوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے سلسلوں کو چھ واسطوں سے شاگردان مومن و ذوق تک پہنچایا ہے[1] لیکن یہ بہت حقیر تعداد ہے تذکروں میں اس کے تقریباً پچاس نامور و مشہور شاگردوں کے نام بآسانی مل جاتے ہیں۔

سودا کے شاگرد بھی کسی ایک مقام اور مذہب و قوم کے نہ تھے بلکہ مختلف ملتوں کے شاعر اس کے شاگرد تھے اور مختلف شہروں سے اس سے اصلاح لینے کی غرض سے آتے تھے۔ ان شاگردوں نے سودا کے رنگ شاعری کو تمام ملک میں پھیلا دیا۔ اس کے بعض شاگردوں کو دور دور نکل جانا پڑا۔ چنانچہ دکن، بہار

---

[1] انتخاب سخن جلد اول ۱۹۲۶ء

Marfat.com

وغیرہ میں اس کے کئی شاگرد پہنچے، جنھوں نے اپنی شاعری کی وجہ سے شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور جہاں جہاں پہنچے اپنا اثر کسی نہ کسی شکل میں ضرور چھوڑا، مثال کے لئے ممتاز کو لیجئے جو کرناٹک گیا تھا، وہاں کا مشہور علم دوست اور شاعر نواز حاکم عمدۃ الملک مختار فرزند سراج الدولہ محمد علی خاں اس کا شاگرد ہوگیا تھا۔ ممتاز کی بدولت کرناٹک کے ادبی حلقوں میں سودا کی بڑی شہرت ہوئی۔ مشہور ارکاٹی شاعر باقر آگاہ کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ کرناٹک کے شاعروں میں سودا کی شاعری نے ہل چل ڈال دی۔ باقر آگاہ اپنی مثنوی گلزار عشق کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

اگر اردو بھاکے میں کھولوں زباں　　　توسودا کا سب سود ہووے زیاں

سودا کا ایک شعر ہے۔

برہمن بتکدے کے شیخ بیت اللہ کے صدقے
کردے جا کے سودا کو دل آگاہ کے صدقے

باقر آگاہ نے اس شعر میں لفظ آگاہ سے فائدہ اٹھا کر اس طرح تعلی کی ہے۔

کہا سودا آگے ہی انصاف سے　　　کہ صدقے کرو مجھ کو آگاہ کے

اگرچہ ان اشعار میں طنز کا پہلو نکلتا ہے لیکن اس سے سودا کی تنقیص منظور نہیں اس لئے کہ اسی کتاب میں آگاہ نے صاف طور سے اعتراف کیا ہے کہ "مرزا رفیع سودا قصائد و غزل میں بڑا سخن تراش و صاحب تلاش ہے۔ محاورۂ شستہ و صاف میں یگانۂ زمانہ اور شوخیٔ مزاج و رنگینیٔ طبیعت میں ہر کہیں افسانہ"

دکن میں بھی سودا کی شاعری نے قبولیت حاصل کی تھی۔ چنانچہ دکنی تذکروں میں سودا کا ذکر بڑی تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دکنی شعرا دیوان سودا کے صحیح نسخے

Marfat.com

اپنے پاس رکھتے تھے اور اس سے استناد کا کام لیتے تھے۔[1] شفیق نے سودا کی تاریخ وفات کہی ہے جس سے دکن میں اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوگا :-

مرگیا آہ میرزا سودا ختم تھی جس کے اوپر استادی

صاحب اب تعمیہ سے کہہ تاریخ ریختہ میں رہا نہیں ہادی

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سودا نے اپنی استادی سے اردو زبان کے پھیلانے میں بڑا کام کیا اور بکثرت شاگرد پیدا کر کے زبان کو اس قدر عام کر دیا کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں ریختہ گوئی کے چرچے اور اس کی شاعری کے تذکرے ہونے لگے۔ خود سودا نے فخریہ کہا ہے :-

نکلا جو مرے منھ سے ہوا شہرۂ آفاق
بیٹھی ہے سخن سنجوں کی یہ ڈاک زمیں پر

غالباً اسی پر نظر کر کے مصحفی نے عقد ثریا اور تذکرۂ ہندی میں لکھا ہے۔

"خامۂ خیالش بر صفحۂ روزگار یادگار است ، دیوانش بہ فرنگ و صفاہان رسیدہ دیگرے ایں شہرت در خواب ندیدہ۔" "ہمہ باتفاق بسبب شہرت بسیار و خوبیٔ کلام استاد مسلم الثبوت می دانند والحق کہ چنیں نامش در ہندوستان و ردزبان بازاریان وغزلیات دیوانش بہر اطراف وجوانب وجاہل وامی رابر زبان با ایں ہمہ شہرت کہ در ریختہ نصیبش بود۔" یہاں مصحفی نے جھلا کر ذکر تو کر دیا ہے لیکن اس کے نامور معاصرین پر نظر نہیں کی جن پر سودا کے اثرات کچھ کم نہ تھے چنانچہ مشہور اساتذہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

فغاں :-

فغاں کون اب خریدار سخن تھا اگر یہ حضرت 'سودا' نہ ہوتا

---

[1] کتاب خانہ مولوی عبدالحق صاحب میں ایک بیاض محفوظ ہے جس میں ایک دلچسپ شاعرانہ محاکمہ کا ذکر ہے، علی لطف حکم تھے جنھوں نے فریقین کو کلام سودا سے سند دے کر قائل کر دیا تھا۔

Marfat.com

تاباں :-

آبرو، یکرنگ، ناجی، احسن اللہ اور ولی
ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح

میر :-

نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنیٰ
گیا ہو میر دیوانہ رہا سودا سو مستانہ

ایک اور جگہ کس حسرت سے اپنے معاصرین کے ساتھ یاد کیا ہے۔

کیا رہا ہے مشاعرے میں اب
لوگ کچھ جمع آن ہوتے ہیں
میر و میرزا رفیع و خواجہ میر
کتنے اک یہ جوان ہوتے ہیں

درد :-

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہے ولے
جوں غنچہ سو زباں ہے اس کے دہن کے بیچ

قائم نے لکھا ہے کہ سودا نے دہلی کو چھوڑا تو وہاں کی شاعری کی دنیا سونی اور بے رونق ہو گئی :-

اے گردش زمانہ تری کجروی کے بیچ
یکسر نواح ہند سے شعر و سخن گیا
سودا تو اپنے حال میں مدت سے مست ہے
قائم رہا تھا ایک سو اپنے وطن گیا

Marfat.com

حسرت (استاد جرائت) :-

کہاں سودا کہاں قائم کہاں میر　　　کہاں حسرت کہاں درد و کہاں سوز

سودا نے اپنے رنگ شاعری کا اثر بعد کے شاعروں پر بھی بہت کافی طور پر ڈالا تھا چنانچہ اس کے بعد کے شاعروں نے اسے خاص طور پر یاد کیا ہے اور اس کی تقلید کا فخریہ دم بھرا ہے اور بہت سے شاعروں نے اس کے مصرعوں کو تضمین کیا ہے ۔

ناسخ :-

کب ہماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب
ہاں تتبع کرتے ہیں ناسخ ہم اس مغفور کا

پہلے اپنے عہد سے افسوس سودا اٹھ گیا
کس سے ناسخ اس غزل کی جا کے لیں اب داد ہم

جرائت :-

سودا کے کہہ جواب میں جرائت غزل اک اور
اب گرمیٔ سخن ہے ترے دم قدم کے ساتھ

مصحفی :-

سودا کے خیال کو نہ سمجھے کوئی کم　　　سودا فن ریختہ میں گزرا رستم
ہے میر تقی بھی تو اگرچہ استاد　　　پر اس کے کلام کا ہے قائل عالم

آتش :-

پھر دل ہی مصرع سودا ہے رلاتا آتش
تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

Marfat.com

مرزا اسمٰعیل :-

اس طور کی غزل تو آگے نہیں سنی تھی
لازم ہے اس غزل کو 'سودا' کے تئیں سنانا

سودا کا اثر بعض شاعروں پر غیر معمولی طور پر بہت زیادہ پڑا۔ چنانچہ اُردو شاعری کے لکھنوی دبستان کا مشہور استاد ناسخ سودا کی تقلید اور پیروی کرتا تھا۔ مضامین کے اتباع کے علاوہ متروکات کا جو آغاز اس نے کیا تھا وہ بھی بقول ایک نقاد کے سودا کی آنکھیں دیکھ کے کیا تھا۔ متروکات کی لے آگے چل کر یہاں تک بڑھی کہ لکھنؤ میں اُردو شاعری کا ایک خاص دبستان مقرر ہو گیا جو دہلوی دبستان سے ممیز تھا۔ لکھنؤ کے عام انداز کا بانی بالواسطہ سودا ہی ہے۔

اس خیال کی تائید شاہ کمال کے ان دو بیانوں سے بخوبی ہوتی ہے جن میں اس نے اپنے چشم دید واقعات اور ذاتی مشاہدات کی بنا پر لکھا ہے کہ فیض آباد میں اُردو شاعری کا چرچا سودا کے قیام سے پھیلا۔ فیض آباد میں اُردو شاعری کا آغاز دراصل لکھنوی شاعری کے قیام کا پیش خیمہ تھا، فیض آباد کی محفل شعر جب لکھنؤ میں منتقل ہوئی تو سودا ہی اس کا روح و رواں تھا۔ اس وقت اس کا طوطی بول رہا تھا۔ حاکم وقت نواب آصف الدولہ کو اس کے کلیات کے مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ ہمیشہ اپنے پلنگ پر اس کا نسخہ رکھتا تھا۔

ان تمام باتوں نے سودا کا اثر اور بھی شدید کر دیا۔ یہ تو اس کے لکھنوی شاعری پر اثرات پڑے۔ دہلوی دبستان شاعری پر بھی اس کے خاص اثرات ہیں۔ وہاں اس کے کئی شاگرد تھے۔ جنھوں نے اس کی خصوصیات شاعری کو اپنا مطمح نظر بنایا اور ان تمام لوازم شاعری کی پیروی کی جو سودا کی شاعری میں موجود ہیں۔ معاصرین پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ لیکن متاخرین میں ذوق سب سے

Marfat.com

زیادہ متاثر ہے۔ آزاد کی رائے ہے کہ ذوق کا رجحان طبع سودا کی طرف تھا۔ آزاد نے اس رائے کا اظہار کئی جگہ کیا ہے۔ دو ایک مقام نقل کئے جاتے ہیں۔

(غزل) "ابتدا میں مرزا رفیع کا انداز تھا۔ شاہ نصیر سے ان دنوں معرکے ہو رہے تھے۔ ان کا ڈھنگ وہی تھا۔ اس لئے انھوں نے بھی وہی اختیار کیا۔ اس کے علاوہ مرزا کی طرز کو جلسہ گرمانے میں اور لوگوں کے لب و دہن سے واہ وا کے نکال لینے میں ایک عجیب جادو کا اثر ہے۔ چنانچہ وہی مشکل طرحیں، چست بندشیں، برجستہ ترکیبیں، معانی کی بلندی، الفاظ کی شکوہیں، ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں"

(قصیدہ) "جاننے والے جانتے ہیں کہ اصلی میلان ان کی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا۔ نظم اردو کی نقاشی میں مرزائے موصوف نے قصیدہ پر دستکاری کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا"

(عام کلام) "ان کا مضمون جس طرح دل کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح پڑھنے میں زبان کو مزا آتا ہے۔ ان کے لفظوں کی ترکیب میں ایک خداداد چستی ہے جو کلام میں زور پیدا کرتی ہے۔ وہ زور فقط ان کے دل کا جوش ہی نہیں ظاہر کرتا، بلکہ سننے والے کے دل میں ایک خروش پیدا کرتا ہے۔ اور یہی قدرتی رنگ ہے جو ان کے کلام پر سودا کی تقلید کا پرتو ڈالتا ہے"

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ سودا نے دہلی اور لکھنؤ دونوں مقاموں کے شاعروں پر اپنی شاعری کا گہرا اور بین اثر چھوڑا۔ یہ صحیح ہے کہ ان دونوں مقاموں نے رفتہ رفتہ الگ الگ رنگ اختیار کر لئے۔

Marfat.com

(۲)

سوداؔ کی اہمیت

سوداؔ کی اہمیت اُردو زبان میں بہت خاص ہے۔ اس کی اہمیت کے گونا گوں پہلو ہیں۔ اس کے کلام میں سب سے پہلے ہمیں ایک زبردست شاعر کی داخلی زندگی کی تصویر شاعرانہ رنگ میں نظر آتی ہے۔ اس زمانے کے مختلف تاریخی، سیاسی اور معاشرتی حالات اور واقعات ہم کو بے کم و کاست ملتے ہیں۔ محمد شاہ سے لے کر آصف الدولہ کے زمانے تک کے تاریخی واقعات ہمیں دستیاب ہوتے ہیں۔ بسنت خاں خواجہ سرا کے اقتدار، احمد شاہ کے زمانے میں فوج کی حالت، عالمگیر ثانی کے زمانے میں عماد الملک کی وزارت اور اُس کا اثر، فرخ آباد کے حالات، شجاع الدولہ کی روہیلوں سے جنگ، فرنگیوں اور تلنگوں کی فوجوں کا حال۔ آصف الدولہ کے زمانے میں مالی و ملکی مہمات، انگریزوں کے دخل وغیرہ کا نہایت واضح خاکہ ہمیں سوداؔ کے کلام میں نظر آتا ہے۔ اس زمانے کی معاشی کشمکش کی زندہ تصویر ہمیں اس کی نظموں میں نظر آتی ہے۔ امیر غریب، سپاہی فقیر، اور مختلف پیشہ وروں کی بپتائیں ہم اس کی نظموں میں سنتے ہیں۔ ان کے مذہبی خیالات و عقائد، وضع قطع، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا سب کچھ ہم چند نظموں کو پڑھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے کے معاشرتی رسوم مثلاً بیاہ کی رات،

Marfat.com

ڈومنی کا جلوہ دینا، آرسی مصحف، ساچق، برات، چوتھی کھیلنا، پردہ وغیرہ کے مفصل تذکرے اس کے کلام میں ملتے ہیں۔ اس کے معاصرین اور دوسرے مشہور لوگوں کے نام اس کے کلام میں جگہ جگہ آئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے مشہور حسینوں کے بھی نام اس نے لکھ دئے ہیں۔ جو شخص اس زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے سوداؔ کے کلام میں بڑا مفید اور کارآمد مسالا موجود ہے۔ جو حالات تاریخ کی ضخیم کتابوں میں نہیں ملیں گے وہ سب اس میں موجود ہیں۔ سوداؔ کے موضوعات شاعری میں بڑا تنوع ہے۔ ہم نہایت آسانی سے اس زمانے کے شعرا کا محور افکار معلوم کر سکتے ہیں اور اس طرح ہمارے شاعروں کے شاعرانہ دماغ کی سرگزشت لکھ سکتے ہیں۔ اس کے کلام میں عاشقانہ مضامین ہیں۔ اخلاقی اور حکیمانہ خیالات ہیں۔ مدح و قدح کا تو وہ بادشاہ تھا، اُس نے اس کے اظہار کے گوناگوں پہلو اور رنگا رنگ اسلوب نکالے۔ بعض نظموں میں اپنے اصلاحی خیالات بھی پیش کئے ہیں مثلاً ایہام گوئی کی مذمت کی ہے اور اس کا مضحکہ اُڑا کر اس کا زور توڑ دیا ہے۔

ظرافت سوداؔ کی طبیعت کا خاص وصف ہے۔ اس کے آثار اس کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں جو پڑھنے والوں کو سرور و انبساط بخشتے ہیں۔ اس قسم کا کلام ہمارے ادب میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہماری ادبیات کے روکھے پن کو کم کرتا ہے۔

تخیل کی قوت سوداؔ میں زبردست تھی۔ اس نے اس کی پرواز کو حد کمال تک پہنچا دیا۔ اپنے خیالات و مضامین میں ایسے نازک و لطیف پہلو پیدا کئے ہیں کہ قوت متخیلہ کے زور و کمال پر حیرت ہوتی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک معمولی شخص اور شاعر کے زاویۂ نگاہ اور نقطۂ خیال میں کیا فرق ہے۔ تخیل کے ساتھ ایجاد کی قوت اس میں موجود تھی۔ اس نے نہ صرف خیالات و مضامین

Marfat.com

یں جدت طرازیاں کی ہیں بلکہ زبان وبیان میں بھی ایسی جدت آمیز تراش خراش کی ہے اور زبان کی تشکیل و ترکیب اس ڈھنگ سے کی ہے کہ ہمیں اس کی زبان سازی کی عظیم الشان قوت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ہندی محاورات کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کو اس طرح ترکیب دیا ہے اور نئے نئے الفاظ اس طرح وضع کئے ہیں اور بیشمار اصطلاحات اس خوبی سے استعمال کی ہیں کہ ہمیں بڑی لوچ دار اور خوبصورت زبان مل گئی اور بہت سے قاعدے اور ضابطے الفاظ سازی کے ہمارے ہاتھ لگے جن کی روشنی میں ہم اب بھی اپنی زبان میں نئے نئے الفاظ اور علمی و اصطلاحی لغات وضع کر کے اس کو مالدار بنا سکتے ہیں۔ سودا نہ صرف زبان کے استعمال پر قادر تھا بلکہ اس کو اس کے بنانے پر بھی حاکمانہ قدرت حاصل تھی۔ اس نے سدہا الفاظ کو استعمال کر کے ہماری زبان میں رواج دیا اور بیسیوں الفاظ وضع کر کے داخل کئے جن میں بعض تو مردہ ہو گئے ہیں لیکن بکثرت ایسے موجود ہیں جن کو ہم بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ ان کے رواج میں خود اس کے کلام نے اور اس کے نامور شاگردوں نے بڑا کام کیا اور ان کو عام اور ٹکسالی بنا دیا۔

شاعر کی اہمیت کا اندازہ ایک اور لحاظ سے کیا جاتا ہے اور وہ اس کے کلام کی لفظیات ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر نے اپنے کلام میں کس قدر الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان کو اپنے کلام میں کس طرح خوش سلیقگی اور شائستگی سے لاکر مقبول و مروج کر دیا۔ اس لحاظ سے بھی سودا کا رتبہ بہت بلند ہے۔ اس کے کلام کے موضوعات چونکہ بہت متنوع ہیں اس لئے اس کو متنوع اقسام کے الفاظ و محاورات سے جابجا کام لینا پڑا۔ اس کے کلام میں جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اتنے اس کے کسی ہم عصر شاعر کے کلام میں نہیں ملتے۔ اس نے اکثر ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ اس سے قبل کبھی اردو شاعری میں استعمال نہیں کئے

گئے تھے اور صرف بول چال میں برتے جاتے تھے۔ اس نے بکثرت الفاظ کو کام میں لاکر ان کو ادبی حیثیت دی اور ان کی اہمیت نہایت موثر انداز میں نافذ کی۔ یہ ضرور ہے کہ ان میں سے بعض الفاظ بعد کو متروکات کی سرحد میں داخل ہو گئے لیکن یہ ایک قدرتی امر ہے اور ہر زبان کے ساتھ ہوتا ہے، مگر متروکات میں ہمارے سخن سنجوں نے ایک بڑی ستم ظریفی یہ کی کہ اپنے موضوع شاعری یعنی غزل کے لحاظ سے چیدہ چیدہ مترنم اور خوش نما الفاظ لے لئے اور بقیہ دفتر کو نظری کر دیا۔ ان کی ضروریات کے لئے یہ ذخیرہ بے شبہ کافی تھا لیکن اب جب کہ ہماری ادبی و علمی ضروریات کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے، اور ہماری قدیم غزل کی زبان نہایت حقیر اور بے مایہ نظر آتی ہے تو ہمیں متروکات کے دفتر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جہاں بکثرت ایسے الفاظ ملتے ہیں جن سے ہمارے بڑے بڑے کام نکل سکتے ہیں اور ہمیں غیر ملکی، غریب، اجنبی اور غیر مانوس جدید الفاظ کے تسلط سے نجات ملتی ہے، اس نقطۂ نظر سے سودا کا کلام خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہماری لفظیات میں بڑے جاندار الفاظ کا اضافہ کرتا ہے۔

اس نے ملکی اور غیر ملکی مضامین و تلمیحات سے اپنی زبان کو مالا مال کر دیا، اور اس کی آرائش کے لئے معانی و بیان سے بھی کام لیا اور صنائع و بدائع کے استعمال سے بہت سی راہیں بتائیں۔ اس کے کلام کا سنہ وار مرتب ہونا بھی ممکن ہے اس لئے اس کے خیالات اور زبان و بیان کا ارتقا بھی آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم شاعر کی دماغی ترقی اور نشو و نما کا حال معلوم کر سکتے ہیں اور اسی طریقے پر اردو شاعری کا پورا دفتر کھنگال کر اپنی زبان کا لفظی، نحوی بیانی اور عروضی ارتقا معلوم کر سکتے ہیں اور ان اثرات کو جانچ سکتے ہیں جو غیر زبانوں کے ذریعہ ہماری زبان پر پڑے۔ ہماری ادبیات پر جو غیر ملکی تسلط ہوا ہے اس کا

Marfat.com

اندازہ سودا کے کلام سے بخوبی ہوتا ہے۔

اُس کے کلام کی ان خصوصیات پر نظر کر کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اُردو زبان میں اس کا خاص پایہ ہے، وہ ہماری زبان کا زبردست بانی ہے جس کو ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ اس کا کلام ہماری اولین ادبی ولسانی کوششوں کا آئینہ ہے، جس میں ہمیں اپنی زبان کی نشو ونما کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس جد وجہد کا پتا چلتا ہے جو ہم نے اپنی زبان کے بنانے اور سنوارنے میں کی ہے۔ اس کا کلام اس زمانے کی شاعری کا ایک خاص اور مستثنیٰ نمونہ ہے جس کا اثر عرصے تک بلکہ اب تک موجود ہے۔ ان حالات میں اس کا کلام ایک عزیز ارث ہے جس کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کو نظر انداز کرنا زبان کی ارتقائی کڑی کو کھو دینا ہے۔ اس لئے جب تک اردو زبان زندہ ہے سوداؔ کا نام زندہ رہے گا اور اس کا کلام ہمیشہ زندہ رہ کر ہماری رہنمائی کرتا رہے گا۔

Marfat.com

فہرست ماخذات

تاریخ

مآثرالامرا:- مولفہ صمصام الدولہ شاہ نواز خاں اورنگ آبادی۔

سیرت المتاخرین۔

تاریخ اودھ۔

آئینۂ اودھ۔

تاریخ فرخ آباد:- اردو ترجمہ از کتاب ولیم آردن۔

گل رحمت۔

گلستان رحمت۔

ریاض السلاطین۔

آثار الصنادید۔

اخبار الصنادید:- مولفہ نجم الغنی رام پوری۔

تاریخ آبادی دہلی نوشتۂ درگاہ قلی خاں سنہ ۱۱۵۰ھ

(نسخہ کتب خانہ مولوی عبدالحق صاحب)

تاریخ مظفری مولفہ محمد علی خاں انصاری (نسخہ کتب خانہ مولوی عبدالحق صاحب)

سیر طالبی۔

تذکرے

نکات الشعرا، مولفۂ میر تقی میر سنہ ۱۱۶۵ھ

تحفۃ الشعرا، مولفۂ افضل بیگ قاقشاں اورنگ آبادی سنہ ۱۱۶۵ھ

Marfat.com

گلشن گفتار مولفۂ خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی ۱۱۶۵ھ

تذکرہ ریختہ گویاں مولفۂ فتح علی حسینی گردیزی ۱۱۶۶ھ

مخزن نکات، مولفۂ قائم ۱۱۶۸ھ

ریاض حسینی مولفۂ فتوت اورنگ آبادی ۱۱۷۵ھ

چمنستان شعرا مولفہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ۱۱۷۵-۷۶ھ

گل رعنا مولفہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ۱۱۸۸ھ

تذکرۂ شعرا مولفۂ میر حسن دہلوی قبل ۱۱۸۸ھ مابعد ۱۱۳۹ھ

طبقات الشعرا مولفۂ قدرت اللہ شوق ۱۱۸۸ھ

گل عجائب مولفۂ تمنا اورنگ آبادی (سنہ ۱۱۹۲ — ۱۱۹۴ھ)

تذکرۂ ہندی مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی قبل ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۰۹ھ

ریاض الفصحا مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی قبل ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۳۶ھ

عقد ثریا مولفۂ غلام ہمدانی مصحفی ۱۱۹۹ھ

عمدۂ منتخبہ مولفۂ سرور ۱۲۱۶-۱۷ھ

مجموعۂ نغز مولفۂ قدرت اللہ قاسم ۱۲۲۱ھ

مجمع الانتخاب مولفۂ شاہ کمال ۱۲۱۹ھ

گلزار ابراہیم مولفۂ علی ابراہیم خلیل ۱۱۹۰-۹۵ھ

گلشن ہند مولفۂ علی لطف ۱۲۱۵ھ

گلشن ہند مولفۂ حیدر بخش حیدری ۱۲۱۵ھ

گلشن بے خار مولفۂ نواب مصطفی خاں شیفتہ ۱۲۵۰ھ

طور کلیم مولفۂ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۹۸ھ

گلشن بے خزاں ۱۲۹۱ھ

Marfat.com

تاریخ شعرائے اردو مولفۂ منشی کریم الدین وفیلن ۱۸۴۸ء

آب حیات مولفۂ آزاد دہلوی ۱۸۸۸ء

حالات سودا مولفۂ احمد حسین خاں لاہور

خطبات گارساں دتاسی

فہرست مخطوطات اردو برٹش میوزیم

فہرست مخطوطات اردو انڈیا آفس

فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان

فہرست کتب خانہ شاہان اودھ

خزانۂ عامرہ مولفۂ میر غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۷۶ھ

سرو آزاد مولفۂ غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۶۶ھ

لسانیات :-

دریائے لطافت مولفۂ انشاء اللہ خاں انشا

شمس البیان مولفۂ مرزا جان طپش

رسالۂ قواعد اردو مولفۂ مولوی امام بخش

رسالہ جات جان گلگرسٹ

وضع اصطلاحات مصنفۂ مولوی وحید الدین سلیم

دواوین :-

دیوان حاتم

دیوان آبرو

دیوان فغاں

دیوان تاباں

Marfat.com

دیوان درد

دیوان آتش

کلیات ناسخ

کلیات میر

کلیات قائم

کلیات سوز

نسخ کلیات سودا (قلمی)

کلیات سودا مکتوبہ سنہ ۱۱۷۴ھ (کتب خانہ مولانا نواب صدر یار جنگ بہادر)

کلیات سودا مکتوبہ ۴ محرم سنہ ۱۲۵۲ھ کاتب میر حیات علی ولد میر امام علی

کلیات سودا مکتوبہ سنہ ۱۲۴۲ھ

کلیات سودا مکتوبہ ۲۹ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۸ھ

کلیات سودا مکتوبہ رجب سنہ ۱۲۰۳ھ

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

انتخاب کلام بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

انتخاب کلام بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزلیات خوش خط سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب کلیات سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب کلیات سنہ کتابت وغیرہ ندارد

منتخب بہ شکل بیاض سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزل سنہ کتابت وغیرہ ندارد

کلیات سودا سنہ کتابت وغیرہ ندارد

Marfat.com

دیوان قصائد سنہ کتابت وغیرہ ندارد

دیوان غزل (ناتمام) سنہ کتابت وغیرہ ندارد

کلیات سودا سنہ کتابت وغیرہ ندارد

رسالۂ سبیل ہدایت وقصائد وغیرہ سنہ کتابت وغیرہ ندارد

بیاض غلام حسین ہدایت وافسق اورنگ آبادی (جس میں سودا کے مختلف قصیدے تاریخ دار یعنی سنہ ۱۱۹۴ تا سنہ ۱۱۹۹ھ درج ہیں)۔

انتخاب کلام سودا بہ شکل بیاض

انتخاب کلام سودا بہ شکل بیاض کہنہ

کلیات سودا کتب خانۂ آصفیہ نشان ۹۸ مکتوبہ ۱۲۳۷ھ

کلیات سودا کتب خانۂ آصفیہ نشان ۵۸۵ دیگر سہ نسخ

کلیات سودا ناقص کرم خوردہ کتب خانۂ کلیہ جامعۂ عثمانیہ

کلیات سودا انڈیا آفس نشان ۱۴۶

مطبوعہ دواوین سودا:۔

انتخاب کلیات سودا مطبوعہ نستعلیق ٹائپ کلکتہ

کلیات سودا مطبع نامعلوم مطبوعہ ۱۲۷۱ھ

کلیات سودا مطبوعۂ نولکشور (مختلف ۴ اڈیشن)

منتخب دیوان سودا مرتبۂ منشی کریم الدین ۱۸۵۲ء

انتخاب دیوان سودا مرتبۂ عماد الملک سید حسین بلگرامی

متفرق کتابیں:۔

آرائش محفل شیر علی افسوس

دیباچۂ مثنوی سحر البیان شیر علی افسوس

Marfat.com

اشاریہ

مرتبہ

سیّد ابن حسن قیصر

زاہدہ خاتون

Marfat.com

Marfat.com

(ا)

آبِ حیات ۴۸، ۵۱، ۵۴-۵۵
۶۳، ۶۷، ۷۱، ۷۵، ۸۸، ۹۰، ۱۰۱
-۲۷۵

آبرو، شاہ مبارک ۳۸، ۴۰، ۱۸۰،
۲۱۷، ۲۷۹

آتش، خواجہ حیدر علی ۳۷۲

آدینہ بیگ، ۲۶

آرائش محفل، ۱۰۹

آرزو (خان) سراج الدین علی، ۴۶،
۵۱-۵۳، ۵۵، ۹۸، ۱۳۱،
۲۵۷، ۳۳۰

آزاد، محمد حسین ۳۸، ۴۷، ۵۲، ۵۴،
۶۳، ۶۷، ۷۱، ۷۸-۷۹،
۸۹-۹۰، ۱۰۱، ۱۸۱، ۲۷۵،
۳۰۹، ۳۷۴۔

آسی عبدالباری ۱۰۹

آصف الدولہ (نواب) ۳۱،
۶۷، ۶۹-۷۴، ۸۰، ۸۸،
۹۰، ۹۵، ۱۲۸، ۱۸۳، ۲۲۰،
۲۳۱-۲۳۲، ۲۴۵-۲۴۷
۲۷۵، ۳۴۳

آصف شاہ ۲۰، ۲۲

آفتاب حکیم ۲۵۳

آگرہ ۲۰، ۲۷، ۱۰۹

آنولہ ۳۳

آہی، عبدالرحمٰن ۱۰۹

ابدالی دیکھئے احمد شاہ ابدالی)

ابراہیم بن مسلمؓ ۲۸۹

ابوالفتح (میر) (امیر دربار اکبری) ۱۸۰

ابن سعد ۲۹۷

اٹاوہ ۳۳، ۸۷

احتشام الدین ۱۰

احسن اللہ ۳۸، ۴۰

احمد خاں دیکھئے نواب احمد خاں بنگش

احمد خاں بنگش۔ نواب ۲۶، ۳۲-۳۴،
۳۵، ۶۲، ۶۶، ۱۲۷، ۱۸۳،
۲۴۵

احمد شاہ ۲۲، ۲۵، ۳۲، ۵۶، ۵۸،
۱۲۵، ۳۷۵،

احمد شاہ ابدالی ۲۲، ۲۵-۲۹، ۳۳،
۶۱، ۶۴، ۱۰۵

احمد شاہ درانی دیکھئے احمد شاہ ابدالی

Marfat.com

احمد نگر دیکھئے فرخ آباد
احوالِ حزیں ۵۷
ازالۃ الخفا ۲۵۲
اڑلیسہ ۲۰
اسپرنگر ۵۱، ۷۱، ۱۱۳، ۲۵۸
اسد، میر امانی ۲۸۰
اسمٰعیل، مرزا (شاگرد سودا) ۳۷۳
اسمٰعیل امروہی ۳۷
اشرف الوزرا شاہ ولی خاں (وزیر ابدالی)
۲۶
اشرف علی خاں ۶۷-۶۸، ۹۴، ۳۲۳،
۳۳۰، ۳۴۱
اصلح (حکیم) اصلاح الدین ۶۷، ۹۷
۱۰۷، ۱۱۲، ۲۱۹، ۲۴۳
اصغر (امام حسینؓ کا شیر خوار بچہ) ۲۹۰
اصفہان ۵۱
افسوس، شیر علی ۱۰۵
اکبر (شہنشاہ) ۲۶۴-۲۶۵
اکبر آباد (دیکھئے آگرہ)
الموڑہ ۳۲
الہ آباد ۳۰، ۳۳
امیدوار، شیخ قائم علی ۸۷
امیر مینائی، امیر احمد ۱۷۷
امام باڑہ آغا باقر ۷۵
انتخاب سخن، جلد اوّل ۳۶۸
انتخاب قصائد سودا ۱۰۹
انتخاب کلام سودا، مرتبہ منشی کریم الدین
۱۱۶
انتظام الدولہ خلف اعتماد الدولہ
۲۴-۲۵، ۲۷
انجمن ترقی اردو ۱۱۸، ۱۲۱-۱۲۲، ۱۲۹
انڈیا آفس (لائبریری) ۱۴-۱۵، ۷۹،
۱۰۷-۱۰۸، ۳۱۴
انزلا خاں ۲۹
انشا، انشاء اللہ خاں ۱۶۲، ۳۱۱-۳۱۲
انوری ۱۸۰-۱۸۱
انیس، میر ببر علی ۲۴۱، ۲۹۴
اودھ ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۳۰، ۳۳،
۶۳، ۶۹، ۷۳
اورنگ آباد ۴۹، ۹۹
اہل بیت ۹۱، ۱۱۷
باذل ۶۹

Marfat.com

باغ نیکیت رائے ۲۴۷

باقرؒ (امام محمد) ۱۲۰، ۱۲۹

باقر آگاہ ۲۵۱، ۳۲۹

بخت سنگھ مارواڑی ۳۱۱

براؤن، سی۔ بی ۱۰۸

برنی ۸۵

برہان الملک سعادت خاں ۲۰، ۲۲،
۳۰

برہان پور ۲۳

بریلی ۲۱-۲۲، ۱۲۱

بسنت خاں خواجہ سرا ۵۶، ۱۲۴، ۱۸۳،
۲۱۳، ۳۷۵

بسولی ۳۳

بقا، بقاء اللہ خاں ۶۹،

بکسر ۳۰

بنارس ۳۰

بنگال ۲۰، ۲۹-۳۰، ۶۸

بنگش، دیکھیے (نواب) احمد خاں بنگش

بنگش خاندان ۲۰

بہادر شاہ ۴۷، ۴۹

بہار ۲۰، ۳۶۸

بھرت پور ۲۰، ۲۴

بیجا پور ۳۱

بیدل ۱۹، ۳۷، ۴۵، ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۵۸
۳۳۰

پانی پت ۲۸، ۲۹، ۳۳

پروانہ مرادآبادی، پروانہ علی شاہ ۶۴

پستی ۸۵

پنجاب ۲۵

پہاڑ گنج (دہلی کا ایک محلہ) ۲۱

پیلی بھیت ۲۸، ۲۹، ۳۳

تاباں، عبدالحی ۲۳۴، ۳۷۱

تحفۃ العراقین ۳۴۱

تخت طاؤس ۲۱

تذکرہ امام الدین خاں ۹۹

تذکرہ تحفۃ الشعرا (مولفہ افضل بیگ قاقشال)
۳۴۵

تذکرہ چمنستان شعرا (مولفہ شفیق اورنگ آبادی)
۱۰۲-۱۰۴، ۲۵۷

تذکرہ خان آرزو (مجمع الفصحا) ۹۹

تذکرہ ریاض حسینی (مولفہ فتوت اورنگ آبادی)
۱۲۷

Marfat.com

تذکرہ شاہ کمال (مجمع الانتخاب) ۴۷، ۶۷، ۷۱، ۷۲،

تذکرہ شعرائے اردو ۹۸

تذکرہ طبقات الشعرا (مولفہ قدرت اللہ شوق) ۱۲۷

تذکرہ طبقات سخن (مولفہ غلام محی الدین قریشی) ۷۷ — ۷۸

تذکرہ عقد ثریا (مولفہ غلام ہمدانی مصحفی) ۵۱، ۱۰۲، ۱۸۱، ۳۷۰

تذکرہ کریم الدین و فیلن (طبقات شعرائے ہند/ تاریخ شعرائے اردو) ۵۵،

تذکرہ گل رعنا (شفیق اورنگ آبادی) ۶۶، ۸۱، ۱۰۳

تذکرہ گلشن گفتار (مولفہ حمید اورنگ آبادی) ۲۱۷

تذکرہ گلشن ہند (مولفہ علی لطف) ۷۴، ۸۰

تذکرہ مجموعۂ نغز (مولفہ قدرت اللہ قاسم) ۵۴ — ۵۵، ۸۴، ۸۸، ۹۸

تذکرہ مخزن نکات (مولفہ قائم چاندپوری) ۳۸، ۴۲، ۴۷ — ۴۸، ۵۰، ۶۱ — ۶۲، ۷۸، ۱۲۵

تذکرہ مردم دیدہ (مولفہ حاکم لاہوری) ۴۶، ۹۹

تذکرہ معشوق چہل سالہ (مولفہ میر محمد خاکسار) ۸۶

تذکرہ میر حسن/ شعرائے ہندی ۶۲، ۱۲۷

تذکرہ نکات الشعرا (مولفہ میر تقی میر) ۴۴، ۴۵، ۸۶ — ۸۷، ۹۹، ۱۲۴

تذکرہ ہندی (مولفہ غلام ہمدانی مصحفی) ۳۷، ۶۵، ۶۷، ۸۴، ۱۲۷، ۱۸۱، ۳۷۰

ترائی ۳۳

تسلیم سہسوانی، محمد انوار حسین ۵۶

تقی رض (امام) ۱۲۰

تقی اوحدی ۱۴۳

تقی میر محمد (کاتب اور مرثیہ گو) ۲۵۸

تقی، میر محمد تقی دہلوی عرف میر گھاسی ۱۷، ۹۵ — ۹۶، ۲۳۶، ۲۸۰ — ۲۸۱، ۲۸۷، ۳۰۶ — ۳۰۷

ٹانڈہ ۳۱، ۲۵۶

ٹیلر ۱۰۸

ثاقب کانپوری ۱۰۹

Marfat.com

شفا، شیخ آیت اللہ ، ۶۸، ۳۳۰، ۳۳،
۳۳۱، ۳۳۵۔

جامعہ عثمانیہ ۹، ۱۶

جامعہ ملیہ ۱۰۹

جاں باز خاں ۲۲

جبرئیل ۲۹۵

جرأت شیخ قلندر بخش ۱۶۲، ۱۷۷، ۳۷۲

جعفر صادقؓ (امام) ۳۷، ۱۲۰، ۱۸۵

جلال الدین (مولانا روم) ۲۳۵-۲۳۶

جمنا (دریا) ۲۵-۲۶

جواں بخت (پسر شاہ عالم) ۲۸-۲۹

جہاں آباد دیکھیے دہلی

جہاں خاں ۲۲

جہاں دار شاہ ۱۹، ۲۹

جہانگیر ۲۶۴-۲۶۵

جھانسی ۳۰

جے اپا ۲۴

جیرٹ، ایچ۔ ایس ۱۱۰

چاندنی چوک ۲۱

چاہ آصف الدولہ ۲۴۷

چمنستان ہندی ۱۰۹

حاتم، شاہ ظہور الدین ۳۷-۳۹،
۴۱-۴۳، ۵۴، ۷۵، ۱۰۲،
۱۳۰، ۱۸۰، ۲۱۷، ۲۷۹، ۳۴۵

حاکم لاہوری ۴۶، ۹۹

حالی، خواجہ الطاف حسین ۴۲، ۱۶۳،
۱۹۹—۲۰۰

حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۵، ۱۰۱، ۱۲۸

حبیب گنج ۱۵، ۱۲۶

حزیں (برادر مسکین مرثیہ گو) ۲۷۸

حزیں شیخ علی ۵۶-۵۷، ۶۸، ۱۰۳-
۱۰۴، ۳۳۴، ۳۴۱

حسرت جعفر علی ۳۷۲

حسرت موہانی ۳۶۸

حسنؓ (امام) ۱۲۰، ۱۸۸

حسن رضا خاں دیکھیے سرفراز الدولہ
حسن رضا خاں رضا

حسینؓ (امام) ۹۷، ۲۷۹،
۲۸۹—۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۵
۳۰۶

حمید اورنگ آبادی ۳۸، ۴۹، ۱۰۵،
۱۲۴، ۲۱۷

Marfat.com

حویلی نواب برہان الملک ۱۰۶
حیدرآباد ۷۲
خان خاناں ۲۷
خان دوراں ۲۳
خان عالم بہادر ۲۳۱
خاقانی ۱۸۰–۱۸۱، ۳۴۱
خاکسار، میر محمد ۸۷–۸۸
خزانۂ عامرہ ۴۵
خسرو (امیر) ۴۳، ۳۴۱
خلیل ۳۳۴
خورجہ ۲۴–۲۵
داغ دہلوی، نواب مرزا ۱۷۷
داتا تفضل علی ۸۷
دتا سردار ۲۷
درانی دیکھئے احمد شاہ ابدالی
درد خواجہ میر ۳۹، ۴۶، ۶۱،
۹۲، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۷۳، ۲۶۱،
۳۴۵، ۳۷۱
درگاہ قدم شریف ۸۶
دکن ۲۰، ۲۲–۲۳، ۲۷–۲۸،
۳۰، ۳۸، ۴۱، ۴۷، ۴۹، ۸۱،
۹۸، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۲۷، ۲۱۶،
۲۷۷، ۳۰۰، ۳۶۸–۳۷۰
دلی دیکھئے دہلی
دوآبہ (انتربید) ۲۴، ۶۴، ۲۶، ۶۴
دہلی ۱۷، ۲۰–۲۲، ۲۵–۳۲، ۳۴–
۳۵، ۳۷، ۴۴، ۴۸، ۴۹،
۵۱–۵۲، ۵۴، ۵۶–۵۷،
۶۱–۶۴، ۶۷–۶۸، ۷۴، ۷۵،
۸۰–۸۱، ۸۵، ۱۰۰–۱۰۶، ۱۰۸–
۱۰۹، ۱۲۴–۱۲۷، ۱۸۰–۱۸۲–
۱۸۳، ۲۱۷، ۲۳۱، ۲۵۴،
۲۶۳، ۲۷۷، ۲۸۲، ۳۷۱
دیوان رند ۱۱۸، ۲۳۱
دیوان زادہ ۳۱–۳۲، ۴۲، ۵۴، ۲۱۷
دیوان سودا (اردو) ۹۵، ۱۰۶–۱۰۸
۱۱۰–۱۱۷، ۱۱۹، ۳
دیوان سودا (فارسی) ۱۰۱
ڈیگ ۲۴
ذرہ، مرزا بچھو ۶۸
ذکا بلگرامی، اولاد محمد خاں ۶۶، ۸۱، ۱۰۳
ذکر میر ۲۷، ۲۹
ذوالفقار حضرت امیرؓ ۲۰۴
ذوق، شیخ محمد ابراہیم ۱۹۲، ۳۶۸،
۳۷۳–۳۷۴

Marfat.com

راقم، بندرابن، ۱۱۵
رام بابو سکسینہ ۱۰۱
رچرڈ جانسن ریذیڈنٹ دربار اودھ
۱۴ – ۱۵، ۷۳ – ۷۴، ۸۰،
۱۰۷ – ۱۰۸، ۱۲۱، ۱۲۸، ۱۸۳
رحمت خاں (حافظ) ۳۲ – ۳۴،
۲۱۰
رنگ ناتھ راؤ ۲۷
رسالہ اردو (اورنگ آباد) ۳۰۶
رسالہ عبرت الغافلین ۵۱، ۶۷ – ۶۸
۹۴، ۲۵۷، ۳۰۹، ۳۱۶
۳۲۸، ۳۴۱
رفیع الدرجات ۱۹
رفیع الدولہ ۱۹
رقعات آنند رام مخلص ۴۵
رند مہربان خان ۶۲، ۶۶، ۸۰
۸۴، ۱۱۶ – ۱۱۸، ۱۲۷، ۱۸۳
۲۳۱، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۸۲
رنگین، سعادت یار خاں ۳۱۱،
۳۱۴ – ۳۱۵
روضۃ الشہدا ۲۹۱

روہیلکھنڈ ۲۰، ۳۰، ۳۳ – ۳۴
۶۴
زکی، جعفر علی خاں ۴۶، ۲۱۷
زین العابدینؓ (امام) ۱۱۹، ۱۸۵، ۲۸۹
ساجد شاہ آبادی (مولوی)
سادات بارہہ ۱۹ – ۲۰، ۳۱
سادات خاں ذوالفقار جنگ ۲۲ –
۲۳، ۵۸
سامی ۲۱۶
سانڈی پالی ۲۶
سائل مرزا محمد یار بیگ ۳۶۸
سراج اورنگ آبادی ۲۱۶
سرفراز الدولہ حسن رضا خان رضا ۲۷،
۱۲۸، ۱۸۳، ۱۸۶، ۲۴۵ – ۲۴۶
سرو آزاد ۲۳۱
سرہند ۲۲، ۲۷
سعادت، سعادت علی (مرثیہ گو) ۲۷۹
سعادت علی خان (نواب) ۶۹ – ۷۰
سعد اللہ خان روہیلہ ۲۶، ۳۱
سعدی دکنی ۹۸ – ۱۰۰
سعدی شیرازی (شیخ) ۹۸ – ۹۹،
۳۲۶، ۳۳۲

Marfat.com

سکندر (میاں) مرثیہ گو ۸۹، ۲۵۶
۲۸۰، ۲۸۴، ۳۱۱
سکندرہ ۲۴
سلیم ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۵
سلیم (مولوی) وحید الدین ۳۰۵
سلیمان ۲۳۴
سلیمان شکوہ (مرزا) ۸۹
سنہری مسجد (دہلی) ۲۱
سندھیا ۲۳
سورت ۲۸
سورج مل جاٹ ۲۴، ۲۶، ۲۸
سودا، مرزا محمد رفیع ۹، ۱۱-۱۸، ۴۵
۳۹-۴۱، ۴۳-۴۴، ۴۶، ۵۷، ۵۹
۶۰-۶۲، ۹۸، ۱۰۰-۱۱۹، ۱۲۲
۱۲۸، ۱۳۰-۱۳۲، ۱۳۴، ۱۴۰
۱۴۳-۱۴۵، ۱۴۷، ۱۵۶
۱۵۸-۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹
۱۷۱، ۱۷۶-۱۷۷، ۱۸۰-
۱۸۶-۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۶
۱۹۸، ۲۰۰-۲۰۱، ۲۰۴
۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۱۶-۲۲۲
۲۲۵، ۲۳۰-۲۳۳، ۲۳۶
-۲۳۷، ۲۳۹-۲۴۱، ۲۴۴
-۲۴۶، ۲۴۹، ۲۵۱-۲۶۲،
۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۵-۲۷۷،
۲۸۰-۲۸۷، ۲۹۱-۲۹۴
۲۹۶-۲۹۷، ۲۹۹-۳۰۰
۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۶-۳۱۷
۳۲۳-۳۲۴، ۳۲۸، ۳۳۰
۳۳۲، ۳۳۴، ۳۴۱، ۳۴۳
-۳۴۷، ۳۵۳-۳۵۴،
۳۵۹، ۳۶۶، ۳۶۸-۳۷۹
سوز، سید محمد میر ۶۲-۶۴، ۶۶، ۱۱۴
۱۱۷-۱۱۸، ۱۶۲، ۲۳۱
سید الشہدا دیکھئے امام حسینؑ
سیف الدولہ احمد علی خاں ۲۲، ۵۸،
۱۲۵، ۱۸۳-۱۸۴، ۲۰۳، ۲۰۷
شاہ جہاں ۲۶۴
شاہ جہاں آباد دیکھئے دہلی
شاہ جہاں ثانی ۲۷، ۲۹
شاہ درانی دیکھئے احمد شاہ ابدالی
شاہ عالم ۲۹-۳۰، ۵۷، ۲۳۱، ۲۴۶

Marfat.com

شاہ مرداں ۲۳۱

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۹۲

شاہی، قلی خاں مصاحب و ندیم تاناشاہ
۳۸، ۲۷۷

شبلی نعمانی (مولوی) ۱۷، ۳۰۵

شجاع الدولہ (نواب) ۱۷، ۲۶، ۲۸-
۳۰، ۳۳ تا ۳۴، ۶۲ تا ۶۴
۶۷، ۷۳، ۱۲۷ — ۱۲۸، ۱۸۳
۲۰۳، ۲۱۰، ۲۴۵، ۲۴۷، ۳۷۵

شرر کی آپ بیتی ۱۶۵

شعلۂ جوالہ ۱۷۷

شفیع ۷۴

شفیق اورنگ آبادی، لچھمی نرائن
۶۶، ۷۵، ۸۱، ۱۰۳، ۱۰۶،
۱۲۶، ۲۱۷، ۲۸۲، ۳۴۴،
۳۷۷

شکرتال ۲۷

شمر ۲۹۴، ۲۹۶

شمشیر خاں ۳۱۴

شملہ ۱۱۰

شورش ۴۵

شوق، قدرت اللہ ۴۵، ۷۷، ۸۳،
۸۷ — ۹۰، ۱۱۱ — ۱۱۴، ۱۱۶،
۱۱۸ — ۱۲۷، ۱۵۱، ۱۸۱، ۲۸۰
۲۴۱ — ۳۱۴

شہدائے کربلا ۹۱

شیخ دیکھیے حزیں، شیخ علی

شیخ بریلی ۱۸۵

شیخ چاند ۹، ۱۱، ۱۵ — ۱۶، ۱۸۱

شیخ سعدی دیکھیے سعدی شیرازی

شیخ مرحوم دیکھیے ذوق، شیخ محمد ابراہیم

شیدا، فتح علی ۱۱۳ — ۱۱۴، ۲۲۱

شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں ۷۷، ۲۴۴

صاحب عالم دیکھیے (مرزا) سلیمان شکوہ

صادق علی (مرزا) عرف مرزا مدد اللہ

شاہجہاں آبادی ۸۴

صادق علی میرزا (کاتب) ۱۰۵

صائغ بلگرامی، نظام الدین ۶۸

صائب ۱۴۳، ۱۵۲ — ۱۵۴، ۱۹۵
۳۲۶

صبر ۲۸۰

صفدر جنگ منصور علی خاں ۲۲ — ۲۴، ۳۰،
۳۲ — ۳۳

Marfat.com

صمصام الدولہ پسر امیر الامرا خان دوراں
۲۵
صنعتِ ایہام ۳۸-۴۱، ۱۶۱
صنعتِ حسنِ تعلیل ۱۶۰
صنعتِ طباق ۳۳۵
صنعت مذہب الکلامی ۱۵۵
ضابطہ خاں ۲۶۰
ضاحک (میر) ۸۹، ۲۵۶، ۲۷۳
ضامن علی (امام) موسیٰ رضاؑ ۱۹۴،
۱۹۶، ۲۰۹
ضحاک ۳۳۸
طالب، مرزا ابوطالب ۴۹، ۹۹-۱۰۰
طیب اللہ (کاتب) ۱۰۸
عاجز اورنگ آبادی، مرزا عارف الدین
۸۱، ۲۱۶
عاصی، میر برہان الدین ۲۷۹
عاقبت محمود خاں ۲۴-۲۵
عاقل - سردار خان
عاقل خاں (مصور) ۶۵
عالمگیر (اورنگ زیب) ۱۹، ۳۲، ۳۷،
۲۶۴، ۲۷۷
عالمگیر ثانی، عزیز الدین خلف جہاں دار شاہ
۲۵، ۲۷، ۵۶، ۵۸، ۱۲۵، ۱۸۳،
۲۴۵، ۳۷۵
عالی گہر (شہزادہ) ۲۵
عالی، مطلب حسین ۱۱۰، ۱۱۲
عباسؓ (حضرت) ۲۹۷
عبدالحق (مولوی) ۹، ۱۱-۱۲، ۱۴-۱۵، ۱۸
عثمان آباد ۴۹
عرفی ۱۸۰-۱۸۱
عزت ۳۳۴
عزلت، سید عبدالولی ۱۲۴، ۱۲۷،
۳۲۴
عزیز ۲۳۴
عطا (خواجہ) ۳۷
عقیل کوثری (میر) ۳۴۱
علیؓ (حضرت) ۴۹، ۹۷، ۱۱۹، ۱۸۴،
۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۴۳
۲۵۳
علی ابراہیم ۷۷
علی لطف ۵۰، ۷۱، ۷۳-۷۴، ۷۷،
۸۰، ۳۷۰

Marfat.com

علی محمد خاں (نواب) روہیلہ ۳۲، ۳۶

علی، میر علی ۲۸۰

علی نقی (میر) ۴۶

عماد الملک (نواب) بلگرامی ۱۰۹

عماد الملک۔ شہاب الدین غازی الدین خاں

۲۳ - ۲۸، ۳۵، ۵۸،

۶۱ - ۶۲، ۱۲۵، ۱۸۳

۲۰۲، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۴۵

۳۱۴، ۳۷۵

عمر سعد ۲۹۴، ۲۹۶

غالب، اسد اللہ خاں ۱۶۸

غلام احمد ۱۱۰ — ۱۱۱

غلام حیدر ۱۰۹

غلام محی الدین قریشی میرٹھی ۷۷

غلام یزدانی ۱۰۸

غمگین (برادر مسکین مرثیہ گو) ۲۷۸

غنچہ (سودا کا غلام) ۷۸-۷۹

غنی بیگ ۳۳۴

غنی کشمیری ۳۳۰

فاخر مکین (مرزا) ۲۰، ۵۲، ۶۷-۶۸،

۵۹۴، ۱۹۶، ۲۵۷،

۳۳۰ — ۳۴۱

حضرت فاطمۃ الزہرا ۱۱۹، ۱۹۰

فتح گڑھ ۳۳

فتوحات اورنگ آبادی ۱۲۷

فدوی، لاہوری ۶۴-۶۵، ۸۴،

۱۱۳ — ۱۱۴، ۲۵۶

فراغ، میر مہدی حسن ۸۹

فراغ مرتضیٰ قلی۔ ۸۶

فرخ آباد ۲۳، ۲۶ — ۲۸، ۳۱ — ۳۲

۳۵، ۶۲ — ۶۶، ۶۸، ۶۹،

۸۰ — ۸۱، ۸۴، ۸۷، ۱۰۳، ۱۱۴،

۱۱۶، ۱۱۷ — ۱۲۵، ۱۲۷، ۲۵۶

۲۵۷، ۲۸۰، ۲۸۲، ۳۷۵

فرخ سیر ۱۹

فصوص الحکم ۳۲۴

فصیح (شاہ) ۱۲۸

فضلی صاحب کربل کتھا ۲۷۸، ۳۲۴

فطرت، موسوی خاں، ۲۳، ۳۷، ۵۱،

۹۸، ۱۰۲

فغاں، اشرف علی ۳۷۰

Marfat.com

فقیر، میر شمس الدین ۶۸، ۳۳۴

فورٹ ولیم کالج ۱۰۹،

فوقی (فرخی نام) ۲۵۸

فہرست مخطوطات انڈیا آفس ۹۶

فیروز جنگ خلف آصف جاہ ۲۳

فیض آباد ۳۱، ۳۵، ۶۵، ۶۷،
۱۲۸ - ۱۲۹، ۳۳۱، ۳۷۳

فیض اللہ خاں پسر علی محمد خاں ۳۴

فیضی ۳۳۰

قادر دکنی ۳۸

قاسم (حضرت) ۳۰۰، ۳۰۲

قاسم، قدرت اللہ ۵۴، ۵۷، ۹۸،
۱۰۷

قائم چاند پوری، قیام الدین ۱۷،
۳۳، ۳۸، ۴۱ - ۴۴، ۴۷،
۴۹، ۵۱، ۵۶ - ۵۷، ۶۴،
۷۶ - ۷۸، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۱ - ۱۱۳،
۱۲۵، ۲۱۷، ۲۲۱، ۲۳۹، ۲۵۸،
۲۷۷ - ۲۸۱، ۲۸۴، ۳۶۷،
۳۷۱

قائم خان بنگش ۳۲ - ۳۳

قدسی ۵۵، ۱۳۱

قصیدۂ باب الجنت ۱۸۴، ۱۸۴ - ۱۸۷، ۱۹۹

قصیدہ بانت سعاد ۱۹۰

قصیدۂ بحر بیکراں ۱۸۴

قصیدۂ تضحیک روزگار ۱۲۴، ۱۸۱، ۱۸۵،
۲۵۴، ۲۶۸

قصیدہ خلاصۃ الاوراد ۱۱۹، ۱۸۵

قصیدہ رزمیہ بہار ۱۸۵

قصیدہ شہر آشوب ۲۵۴، ۲۶۶

قصیدہ صبح صادق ۱۲۰، ۱۸۵

قصیدہ کوہ دو پیکر ۱۸۴

قصیدۂ مضحکۂ دہر ۱۲۱ - ۱۸۶

قصیدۂ ہجو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۲۵۲

قصیدۂ مولوی ساجد ۲۵۳

قطبی (میر) ۲۳۴

قطعہ تاریخ باغ ٹکیت رائے ۳۶۰

قطعہ تاریخ چاہ آصف الدولہ ۳۲۰

قطعہ تاریخ کدخدائی شیخ صبغت اللہ ۲۶۱

قطعہ لتعریف مسجد مولوی فضل عظیم ۳۲۰

قطعہ مبارکباد ولادت فرزندان آصف ال[illegible]
۷۷

Marfat.com

قطعہ وصف مسجد فیض آباد بنا کردۂ
آصف الدولہ ۳۲۰
قطعۂ ہجو عامل خیرآباد ۲۵۵
قلی خاں (نواب درگاہ) ۲۷۸- ۲۷۹
قمرالدین خان ۲۲
قندہار ۲۶
کاظمین علیہما السلام ۱۸۴، ۲۰۲
کالپی ۲۸، ۳۰۰
کالج پریس کلکتہ ۱۰۹
کانپور ۱۰۹
کبیر (حکیم) ۶۴
کتاب خانہ انجمن ترقی اردو ۱۴۱
کتاب خانہ جامعہ عثمانیہ ۱۴۱
کتاب خانہ مولوی عبدالحق ۳۷، ۳۷
کتب خانہ ٹیپو سلطان ۷۳
کٹیھر ۳۲، ۳۶
کربلا ۲۸۵، ۲۸۷، ۲۹۱ — ۲۹۲
۲۹۶ — ۲۹۷، ۲۹۹ — ۳۰۰
۳۰۳، ـــ ۳۰۴، ۳۰۶
کرناٹک ۳۶۸ — ۳۶۹
کریم الدین (دمشقی) ۱۱۶

کلکتہ ۱۰۹ ـــ ۱۱۰
کلیات سودا ۱۴، ۱۷، ۵۶، ۶۱، ۷۰،
۷۹، ۸۵، ۹۴، ۹۶ — ۹۷
۱۰۵ ـــ ۱۰۷، ۱۰۹ — ۱۱۳، ۱۱۵،
۱۱۸ — ۱۲۱، ۱۲۲ — ۱۲۵، ۱۲۶،
۱۸۲، ۲۴۱، ۲۶۳، ۲۸۲،
۳۰۵، ۳۳۳، ۳۴۸
کلیات قائم ۱۱۱
کلیم ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۵
کلیم، محمد حسین ۲۵، ۳۲۴
کمال (رشاہ) ۲، ۷۲، ۲۸۴، ۲۷۳
کمایوں ۳۲
کمیر ۲۴
گارساں دتاسی ۱۱۰
گجرات ۲۰، ۲۱۶، ۲۷۷، ۳۰۰
گردیزی، میر فتح علی حسینی ۴۴-۴۵،
۴۹، ۱۰۵، ۱۲۴، ۱۲۶، ۲۱۷،
۲۷۹۔
گلدستۂ ہند (دیوان سودا) ۱۰۸
گمان ۲۸۰
گمانی ۲۳۴

Marfat.com

گنگا (دریا) ۲۶
گورکھپور ۳۰
لاہور ۲۲-۲۳، ۲۵، ۲۷
لدھیانہ ۲۲
لطف علی خاں ۲۷۹
لکھنؤ ۲۶، ۳۰-۳۱، ۳۵-۳۶
۵۱، ۵۵، ۶۷، ۶۹، ۷۲،
۷۴-۷۵، ۷۷، ۹۵، ۱۰۲
-۱۰۳، ۱۰۷، -۱۰۹، ۱۲۸،
۱۸۳، ۳۰۵ - ۳۰۶، ۳۲۰،
۳۳۱، ۳۷۳-۳۷۴،
نونگی ۸۵
مالک ۲۳۴
مالوہ ۲۰، ۲۴، ۳۱
ماہر، میر فخرالدین ۷۵-۷۶، ۹۷، ۳۶۷
متھرا ۲۵
مثنوی اسرار محبت۔ قصہ سستی پنوں ۷۴
مثنوی بوستان خیال ۲۱۶
مثنوی بوم ولقال ۱۱۳
مثنوی تعریف بادشاہ شاہ عالم و وزیر
آصف الدولہ ۲۱۸
مثنوی تعریف چاہ مومن خاں ۲۸
مثنوی تعریف دیوان اشعار مہربان خاں
۲۱۸
مثنوی تعریف شکار آصف الدولہ ۲۱۸
مثنوی تولد نامہ بی بی فاطمہ ۳۷
مثنوی حکایت ڈومنی ۲۱۸
مثنوی حکایت مرد درویش پنجاب ۱۱۳
مثنوی خط در اشتیاق ۲۱۹
مثنوی خط در شکایت ۲۱۹
مثنوی دربارۂ زن و شوہر ۲۱۸
مثنوی در توصیف چھڑی ۱۱۵
مثنوی در شدت سرما ۱۱۱
مثنوی سبیل ہدایت ۵۱، ۹۵، ۹۷،
۱۰۰، ۱۰۸، ۲۱۹، ۲۳۶، ۲۸۱،
۲۹۶، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۲۴،
مثنوی سحرالبیان ۲۱۸
مثنوی سرو و شمشاد ۲۱۶
مثنوی شعلۂ عشق ۱۰۱
مثنوی شکایت موسم گرما ۲۱۹
مثنوی طالب و موہنی ۲۱۶
مثنوی قصہ پسر شیشہ گر ۲۱۸
مثنوی قہوہ ۲۱۷

Marfat.com

مثنوی گلزار عشق ۳۶۹
مثنوی لاٹھی نامہ دیکھئے مثنوی در توصیف چھڑی
مثنوی لعل و گہر ۲۱۶
مثنوی معانی بیت مولانا روم ۲۱۹
مثنوی مُہر مہربان خاں ۲۳۳
مثنوی ہجو امیر دولت مند ۲۱۸، ۲۴۰
مثنوی ہجو بیل راجا تربیت سنگھ ۲۱۸، ۲۴۰، ۲۶۰، ۲۷۴
مثنوی ہجو حکیم محمد غوث ۲۱۸، ۲۵۸، ۲۷۳
مثنوی ہجو دختر دایہ ۲۱۸
مثنوی ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال شہر دہلی ۲۱۸، ۲۵۴، ۲۶۶
مثنوی ہجو طفل پتنگ باز ۱۱۲
مثنوی ہجو طفل لکڑی باز ۲۱۸
مثنوی ہجو فوقی ۲۱۸
مثنوی ہجو مرزا فیضو چیک ۲۱۸، ۲۵۶
مثنوی ہجو میر ضاحک ۲۱۸، ۲۴۰
مجذوب رشید، مرزا غلام حیدر

۷۷–۷۸، ۸۰
مجلس تحقیقات علمیہ، جامعہ عثمانیہ ۹، ۱۳، ۱۵
مجلۂ عثمانیہ، جلد سوم ۳۲۴
محب (شاگرد سودا) ۳۶۸
(نواب) محبت خاں محبت خلف حافظ رحمت خاں ۷۴
محتشم ۳۲۶
محقق دکنی ۱۰۰
مخمس شہر آشوب ۲۵۵
مخمس ہجو اہلیہ ضاحک ۲۵۴
مخمس ہجو شیخ علی حزیں ۱۲۶، ۲۵۷
مخمس ہجو میر ضاحک ۸۸، ۲۵۶
مخمس ہجو ہاتف علی ۲۵۳
(حضرت) محمد صلعم ۹۷، ۱۸۳، ۱۹۲
(میر) محمد امین خاں ۲۰
محمد بن مسلم رضہ ۲۸۹
محمد خاں بنگش ۳۱
محمد شاہ ۲۰–۲۲، ۳۲، ۴۱، ۵۶–۵۸، ۱۲۴، ۲۱۷،

Marfat.com

۲۷۷—۲۷۸،

۳۷۵

محمّد نعیم ۲۷۹

(میر) محمّد نعیم ۶۴

محمّد یار خاں امیر ۳۶، ۶۴—

۶۵

مدراس ۱۰۸

مدراس یونیورسٹی ۱۰۹

مدر انڈیا ۵۷

مراد آباد ۳۲

مرزا دیکھئے سودا، مرزا محمد رفیع۔

مرزا احمد دیکھئے احمد شاہ

مرزا رفیع دیکھئے سودا، مرزا محمّد رفیع

مسجد آصف الدولہ ۲۴۷

مسجد مولوی فضل عظیم ۲۴۷

مسدّس ہجو دختر مولوی ندرت

۲۵۴

مسکین (مرثیہ گو) ۲۷۸، ۲۸۰

(حضرت) مسلم رض ۲۸۹

مصحفی، غلام ہمدانی ۴۱، ۵۷، ۶۴،

۶۷، ۷۶—۷۷،

۷۹، ۸۴، ۱۰۲—

۱۰۳، ۱۱۲، ۱۱۵—

۱۱۶، ۱۱۸، ۱۵۲،

۱۸۱، ۱۸۳، ۲۱۵

۲۸۰، ۲۸۴، ۳۷۰،

۳۷۲

مصری ۲۳۴

مضمون، شرف الدین ۳۸، ۴۰، ۱۷۳

مطبع نول کشور ۵۶، ۱۰۹—۱۱۰

مطبوعہ کلیّات دیکھئے کلیات سودا

مظہر جانِ جاں ۳۸—۳۹، ۴۱،

۴۳، ۹۲، ۲۶۰

—۲۶۱،

۳۴۵—۳۴۶

(امیر) معاویہ ۲۵۲

(میر) معز ۴۳

معین الملک ۲۵

معین بدایونی ۱۰۶

مقبول نبی خاں ۸۷، ۹۶، ۱۰۸

مقدمہ شعر و شاعری ۱۶۳

مقصود آباد ۲۷

Marfat.com

مکۂ معظمہ ۲۸
ملتان ۲۳
ممتاز (شاگرد سودا) ۳۶۹
ممتاز، فضل علی ۱۱۵، ۲۳۱
منت، قمر الدین ۷۴، ۷۶
منتخب کلیات سودا ۱۰۹
منتخبات مثنویات سودا ۱۱۰
موازنۂ انیس و دبیر ۱۷
موسوی خاں دیکھئے فطرت، موسوی خاں
مولانا شروانی دیکھئے حبیب الرحمن خاں شروانی
مولوی صاحب قبلہ دیکھئے مولوی عبدالحق
مومن، حکیم مومن خاں ۱۰۹، ۳۶۸
مومن خاں ۲۳۱
(امام) مہدی الہادیؓ ۲۰۵
میر، میر تقی ۱۷، ۲۳، ۲۸،
۳۵، ۳۹ — ۴۱، ۴۳، ۴۴،
۴۵ — ۴۶، ۴۹، ۵۶ —
۵۷، ۷۷، ۸۰ — ۸۱، ۸۵ —
۸۷، ۹۵ — ۹۶، ۹۸ — ۹۹،
۱۰۵، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۴۴،
۱۷۲ — ۱۷۳، ۱۷۶، ۲۱۷،
۲۲۱، ۲۴۰، ۲۶۱، ۲۸۰، ۳۰۶،
۳۱۰، ۳۴۵، ۳۷۱
میر حسن ۴۰ - ۴۱، ۴۵،
۴۷، ۶۵، ۷۲، ۷۷ — ۷۸،
۸۲ — ۸۴، ۹۶، ۹۹، ۱۰۶،
۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳ — ۱۱۵، ۱۲۷-
۱۲۸، ۲۴۰، ۲۵۸، ۲۷۸ —
۲۸۰، ۲۸۴، ۳۲۴-
میر صاحب مرحوم دیکھئے دبیر، ضاحک
میر فاضل خلف نواب محمد امین خاں ۲۲
ناجی محمد شاکر ۳۸
نادر شاہ ۲۱ — ۲۲
ناسخ، شیخ امام بخش ۷۶، ۷۷، ۳۷۳
ناصر علی ۳۳۰، ۳۳۴
ناگپور ۲۴
نثری ترجمہ مثنوی شعلۂ عشق ۱۰۱
(امیر الامرا) نجیب الدولہ ۲۷ — ۲۸، ۳۳
(مولوی) ندرت کشمیری ۱۳۱
ندیم شاہجہاں آبادی، مراد یا مرزا علی قلی
۲۷۹ — ۲۸۰، ۲۸۴

Marfat.com

نسبتی تھانیسری ۳۳۰
نصرتی ۳۱۱
(شاہ) نصیر، ۳۷۴
(حافظ) نظارت خاں ۱۰۵
(مولانا) نظام الدین ۱۶۵
نظام الملک ۲۰، ۲۲
نظری نیشاپوری ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۵—۱۵۸
نعمت خاں (گوتیا) ۸۴
نعمت خاں عالی ۲۹، ۴۷، ۷۹، ۸۵، ۹۱، ۳۱۶
نواب بہادر جاوید خاں (بادشاہی خواجہ سرا) ۲۲، ۲۳، ۳۵
نول رائے ۳۲، ۳۳
وارن ہیسٹنگز ۳۳
واقف، شاہ نور العین ۶۸، ۳۳۴
وحشی یزدی ۱۷۶
وداد، مرزا محمد زماں عرف سلیمان
۵۱، ۱۰۲—۱۰۳
ولی دکنی ۳۷—۳۸، ۴۱
ہاتف، بوعلی خاں ۶۸
ہانسی وحصار ۲۵
ہجو مرغ سبزواری ۲۶۱
ہجو مولوی ندرت کشمیری ۴۵، ۲۵۷
ہجو میاں حسرت (عطار) ۲۵۸
(میاں) ہدایت ۵۴، ۸۸
ہزآل، میاں عشرت ۶۴
ہلکر، ملہار راؤ ۲۴—۲۵، ۲۷، ۳۳
ہمت، محمد عبد القادر خاں ۱۰۸
ہنری کورٹ ۱۱۰
یزید ۲۸۹—۲۹۰، ۲۹۲، ۲۹۵—۲۹۶
یقین، انعام اللہ خاں ۸۷، ۹۶، ۱۰۸
یکرنگ، مصطفےٰ خاں ۳۸، ۲۷۹

Marfat.com

صحت نامہ

افسوس ہے کہ باوجود احتیاط کے کتابت اور سنگسازی کی وجہ سے کتاب میں بعض اغلاط رہ گئی ہیں۔
ازراہِ کرم متن میں تفصیل ذیل کے مُطابق تصیح فرمالیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۸	قریشں	فریشں				نئی سیاسی بات
۱۵	۱۰	فلمی	قلمی				پیدا ہوگئی علی محمد خاں
۱۸	۱۹/۲۰	اگرچہ اس کے	اگرچہ یہ مقالہ	۳۲	۱۵	شہر	شہروں
۲۰	۸	صفاکانہ	سفاکانہ	۳۴	۱۴	خصائل	خصائص
۲۴	۱	مامور کرایا	مامور تھا مقرر کرایا	۳۵	۱۵	ہواس	ہراس
״	۱۹	زاویہ	راز	۴۰	۱۱	ایہا بتداں	ابہام بتداں
۲۵	۱۰/۱۱	خصوصاً صمصام الدولہ	خصوصاً صمصام الدولہ	״	۱۸	مل کر	منکر
		کو امیر الامرائی پر مامور	میر آتش سے مل کر	۴۱	۱۰	کچھ گو	کہنہ گو
		کیا۔	انتظام الدولہ سوزارت	״	۱۵	چوب	چرب
			چھین لی صمصام الدولہ	۴۳	۴	اولاد	اردو
			کو میر الامرائی پر مامور کیا	״	۱۰	ہو	ہوا
۲۶	۴	علم فرار ہوا	علم افراز ہوا۔	״	۱۹	کہتا	گھٹتا
״	۲۱	ادھر کے لشکر	ادھر درانی کے لشکر	۴۴	۱۲	محقوی	محتوی
۲۸	۲	نورکی	توزکی	۴۸	۱۷	مردا	سودا
۳۰	۱۴	اس کے اضلاع	اس کے اطراف کے اضلاع	۵۳	۱۸/۱۹	نوادر سے ایرانی بھی	نووارد سے نووارد
۳۲	۱۳/۱۴	شکار ہوگئی علی محمد	شکار ہوگئی اس				ایرانی بھی
		خاں	افراتفری میں ایک	״	۱۹	پورہ	پھندا

Marfat.com

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۴	۱	ترجیع	ترجیح	۱۱۰	۷	شملہ سے کیا گیا	شملہ سے شائع کیا
۵۶	۲۱	زانو پر مارکر	زانو پر ہاتھ مارکر	۱۱۳	۱۹	بول وبقال	بوم وبقال
۵۸	۱۱	احمدیوں	احدیوں	۱۱۶	۲	بھی	ہی
۶۲	۲	بحث	بخت	۱۱۷	۹	بنائے جاتے ہیں ان	بنائے جاتے ہیں ان میں
۷۱	۱۵	شکایت کی ہو اور شکایت کی ہو۔ ایک نعت در قسم قصیدے میں آصف الدولہ	سے ان دقتوں کی شکایت کی ہو اور بقدر قم			سے بھی	بعض مرثیے وہی ہیں جو سودا کے کلیات میں موجود ہیں ان سے بھی
				۱۴۵	۵	چلا	چلتا
				۱۴۷	۶	مطلع	مطلع
۷۲	۱۹	ہاتھ میں چماق	ہاتھوں میں ہو چماق	۱۴۸	۳	بدل گئے	بدلتے گئے
۷۳	۲	تم وطراق	طمطراق	۱۴۹	۱۶	دمیذہ	دمیدہ
۷۶	۸	خود	خسرو	۱۵۴	۲	مسادگی	سادگی
۷۷	۷	مجذوب سود	مجذوب سودا کا	۱۵۶	۱۲	گلزار	گزار
۸۲	۲۱	مصحفی	مخفی	۱۵۶	۱۳	لئے	لے
۸۴	۱	موسیقی کے	جو موسیقی کے	۱۵۷	۵	ادھر	اودھر
۸۴	۱۷	الوا	اُلتو	۱۵۸	۱۱	گام	جام
۸۸	۱۰	خرد	خورد	۱۶۱	۲	نہ برجھو	نبوجھو
۹۸	۱۱	دوسرے	دوسری	″	۴	سوا	سودا
۱۰۳	۱۲	اس سے	اس لئے	۱۶۷	۱۶	قضنا	قفنا
″	۱۴	نمود	نبود	۱۷۰	۱۳	نزر	رز
″	۱۶	فارسی کی	فارسی میں	۱۷۳	۲	جوانی کا	جوانی کے
۱۰۰	۲۲			۱۸۰	۱۳	کیا ہے	کیا تھا
۱۰۸	۴	بندرۃ	بلدۃ	۱۸۳		کر دیا ہے	کر دیا

Marfat.com

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۷	۱۰	جو مرثیے ہیں ان میں ہے ۔	جو مرثیے مہربان کے لئے ہیں ان میں ہیں	۲۳۲	۹	غائب	غالب
				۲۳۹	۲	تقدیر	تقریر
۱۱۸	۱۳	سودا اور سودا	سوز اور سودا	۲۴۳	۴	شعر	شعرا
۱۱۹	۶	چھیالیس ۴۶	چھیاسی ۸۶	۲۴۴	۱۱	رس	اس
۱۲۴	۱۵	۱۱۷۳ھ	۱۱۷۲ھ	۲۴۶	۱	وقف	وقت
۱۳۰	۶	پیدار	پیداوار	〃	۱۴	خالق	خلق
۱۳۲	۱۸	قدروقامت	قدوقامت	۲۷۳	۸	توڑنے تیار	توڑنے پر تیار
۱۳۳	۳	پودے	پردے	〃	۸	بخیل	تخیل
۱۳۸	۹	ٹھورنا ٹھانوں	ٹھور ٹھانوں	۲۷۷	۹	شاعروں	شاعری
۱۳۹	۱۱	عام	عامل	۲۷۹	۱	نعلیم	نعیم
۱۴۱	۶	اس میں مزہ	اس میں اسے مزہ	۲۸۲	۱۱	۱۱۷۲ھ	۱۱۷۴ھ
〃	۱۷	زار و نزاد	زار و نزار	۲۴۴	۱۱	لیکن	لکھا ہے لیکن
۱۴۲	۴	کرنے والا	لانے والا	۳۰۲	۳	مقدوت	مقدرت
۱۴۳	۴	مبحت	مبحث	۳۱۰		جوش خروش لبریز	جوش و خروش سے
۱۹۰	۱	تشبیہیں	تشبیبیں	۳۳۱	۱۲	جاہا کہ بود	جاہا کہ غلط بود
〃	۳	تشبیہوں	تشبیبوں	۳۳۲	۳	بایستے	بایستہ
۲۰۲	۴	گوسپید	گوسپند	۳۳۵	۱۴	تمام	[illegible]
۲۰۷	۴	بیچ	نیچ	۳۵۲	۱۶	صد	ضد
۲۰۸	۱۴	ہر	ہو	۳۵۷	۸	دل	ذلہ
۲۱۲	۱۸	افسوس کاری	افسوں کاری	۳۷۷	۹	سدھا	صدہا
۲۱۹	۱۲	اسپنے	استنے	۳۸۰	۴	سیرت المتاخرین	سیر المتاخرین
〃	۲۰	یہی نہ تقریر	یہی تقریر	〃	۱۹	قاقشاں	قاقشال

Marfat.com

بلاک، آفسٹ اور ٹائپ

کی

چھپائی کا بہترین مرکز

انجمن پریس

شو مارکیٹ لارنس روڈ۔ کراچی

Marfat.com

Marfat.com

واحد تقسیم کنندگان

گلڈ۔ انجمن کتاب گھر

نمبر۳ صدر کو آپریٹو مارکیٹ، وکٹوریہ روڈ،

کراچی۔

Marfat.com